وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القرآن)

اورہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کردیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے!

جلد12	شمارہ 11	ربیع الاوّل 1440ھ	نومبر 2018ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین و گرافکس: ثاقب نذر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات سے تاحیات زرِتعاون چوبیس ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون بشمول خصوصی اشاعت: اندرونِ ملک 800 روپے، معمول کا شمارہ 50 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَآلَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات	5
3	باب 1	9
4	باب 2	131
5	باب 3	151
6	باب 4	193
7	باب 5 انسانی معاملات سب تجارت بن گئے	227
8	باب 6	239
9	باب 7	257
10	باب 8	267
11	باب 9	281
12	باب 10	291
13	ضمیمہ جات	301

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورة التوبة : آيات 34-35

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ

اے ایمان والو! بہت سے عالم اور مشائخ

لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور (ان کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے

فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۳۴﴾
ان کو (اس دن کے) عذاب الیم کی خبر سنا دو
يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ
جس دن وہ (مال) دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائے گا
فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ
پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی
هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ
(اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا
فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ﴿۳۵﴾
سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو

سورۃ الحدید: آیت 25

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَيِّنٰتِ
ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا
وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِيۡزَانَ
اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل)
لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ
تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں
وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحۂ جنگ کے لحاظ سے) خطرہ بھی
شدید ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں
وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالۡغَيۡبِ
اور تاکہ اللہ ظاہر کر دے کہ کون کون بن دیکھے
اللہ اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۲۵﴾

بے شک اللہ قوی (اور) غالب ہے

سورۃ الصف : آیات 8-9

یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِئُوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو

منہ سے (پھونک مارکر) بجھادیں

وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸﴾

حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کرکے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا

لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ

تاکہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے

وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ﴿۹﴾

خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے

سورۃ التکاثر مکمل

اَلۡهٰکُمُ التَّکَاثُرُ ﴿۱﴾ حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ﴿۲﴾

لوگو! تمہیں (مال کی) طلب میں مبالغہ نے غافل کردیا

یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پڑے

کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾

دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہوجائے گا پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہوجائے گا

کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ ﴿۵﴾

دیکھو اگر تم جانتے (یعنی) علم الیقین (رکھتے تو غفلت نہ کرتے)

لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ ﴿۷﴾

(اب تو) تم ضرور دوزخ کو (اپنی آنکھوں سے) دیکھو گے

پھر تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے (تو گویا وہ ہوگا) آنکھوں دیکھا یقین

ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ ﴿۸﴾

پھر اس روز تم سے لازماً (ان بہت ساری) نعمتوں کی فراوانی پر

تمہارے شکر یا کفرانِ نعمت (کے جذبات) کا سوال کر کے

دائمی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ کر دیا جائے گا

سورۃ الھمزۃ مکمل

وَیۡلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۣ ﴿۱﴾

ہر طعن آمیز اشارے کرنے والے چغل خور کے لیے خرابی ہے

الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ﴿۲﴾

جو مال جمع کرتا اور گن گن کر رکھتا ہے

یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ﴿۳﴾

خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی (اچھی) زندگی کا موجب ہوگا

کَلَّا لَیُنۡبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَةِ ﴿۴﴾

ہرگز نہیں، وہ ضرور (قیامت کے دن) حطمہ میں ڈالا جائے گا

وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحُطَمَةُ ﴿۵﴾

اور تم کیا سمجھے حطمہ کیا ہے؟

نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ﴿۶﴾ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَةِ ﴿۷﴾

وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر جا لپٹے گی

اِنَّهَا عَلَیۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ﴿۸﴾ فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

(اور) وہ اس میں بند کر دیے جائیں گے

یعنی (آگ کے) لمبے لمبے ستونوں میں

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِیۡم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

تَعِسَ عَبْدُ الدِّینَارِ وَ الدِّرْهَمِ وَ الْقَطِیْفَةِ وَالْخَمِیْصَةِ، اِنْ أُعْطِیَ رَضِیَ، وَاِنْ لَمْ یُعْطَ لَمْ یَرْضَ

(بخاری، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

ہلاک ہوجائے درہم اور دینار اور چادر اور کمبل کا غلام، اگر اس کو دیا جائے تو (دینے والے سے) راضی ہوجائے اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہوجائے۔

لَیَأْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَنْفَعُ فِیْهِ اِلَّا الدِّینَارُ وَ الدِّرْهَمُ

(مسند احمد، عن ابن معدی کرب رضی اللہ عنہ)

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے جس میں درہم اور دینار کے علاوہ کوئی چیز فائدہ نہیں دے گی۔

باب 1

1 حرفِ آرزو — انجینئر مختار فاروقی

2 محکماتِ عالمِ قرآنی — ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

1۔خلافت آدم　　2۔حکومتِ الٰہی

3۔الارض ملکِ خدا است　　4۔حکمت خیرِ کثیر است

3 خلق خدا کیا کہتی ہے؟

☆ نظامِ عدلِ اجتماعی — ڈاکٹر اسرار احمد

☆ مغربی اقوام (یورپ وامریکہ) کے ایوانِ مشاورت — مولانا ابوالحسن علی ندوی

☆ ملٹی نیشنلز، دجالی کلچر اور بے حیائی — انجینئر مختار فاروقی

☆ امریکی ریٹائرڈ جج رابرٹ ایچ بورک کی کتاب پر تبصرہ — ڈاکٹر ابصار احمد

☆ اخلاقی گراوٹ درندگی بن گئی — انجینئر مختار فاروقی

☆ سودی نظام اور اس کی تباہ کاریاں — اوریا مقبول جان

☆ دجالیت کا سب سے بڑا ہتھیار: کاغذی کرنسی — باسط راہی

☆ دجالیت کا نیا بھیانک رُخ (I) — Tirade Cristina

☆ دجالیت کا نیا بھیانک رُخ (II) — عبداللہ ابراہیم

☆ دجالیت کا جدید مہلک ہتھیار: کرپٹو کرنسی — حافظ مختار احمد گوندل

☆ دولت کی انتہائی غیر منصفانہ تقسیم

☆ New World Order — محمد فہیم

زندگی در جستجو پوشید است
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است
علامہ اقبال

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

یہ حقیقت ہے کہ صرف آرزو کرنے سے کوئی شیئ یا مقصود نہیں مل جاتا مگر کسی نصب العین، آدرش، محبوب کے ملنے کے لیے تگ ودو اور سرتوڑ جدوجہد کا آغاز انسان کی زبان پر حرفِ آرزو آنے سے ہی ہوتا ہے۔ مگر یہ سمجھ لینا کہ فقط آرزو سے محبوب مل جائے گا یا مقصود حاصل ہو جائے گا، بے وقوفی سے بڑھ کر حماقت ہے اور ایسے لوگ واقعی جنت الحمقاء میں بستے ہیں۔ بُرے حالات کا رونا رونا اور اس کے لیے حتی المقدور کوشش کرنے سے گریز کرنا اور نتیجہ نکلنے کے بارے میں پُر امید رہنا اسباب کی اس دنیا میں سراب ہے۔

اس خصوصی شمارہ میں جن حالات کو پیش کیا گیا ہے وہ ایک عالمی حقیقت ہے۔ ایک ظالمانہ نظام ہے جو کرۂ ارضی کیا، اس کی فضاؤں کو بھی دور تک اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ اس ابلیسی اور انسان دشمن نظام کا نظر آنے والے حصہ (TIP OF THE ICE BERG) عالمی سودی بینکنگ کا نظام اور ملٹی نیشنلز کی اجارہ داری ہے۔ جب تک یہ بینکنگ کا نظام زمین بوس نہیں ہو جاتا اس وقت تک روئے ارضی پر بسنے والے انسانوں میں کسی خیر، خوبی، اللہ کی محبت، رضائے الٰہی کا حصول جیسے تصورات خواب کی طرح ہیں۔ بقول شاعر

ؔ باطل کے اس نظام میں تقویٰ کی آرزو
کتنا حسین فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم

حضرت علامہ اقبال نے فرمایا:

ایں بنوک ایں فکرِ چالاک یہود　　　نورِ حق از سینۂ آدم ربود

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام　　　دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

(ترجمہ: یہ بینک چالاک یہودی کی سوچ وفکر کا نتیجہ ہیں یہ نورِحق انسان کے سینے سے نکال دیتے ہیں۔ جب تک یہ نظام ختم نہیں ہوگا اس وقت تک دین ودانش کی باتیں فائدہ نہیں دیں گی۔)　　　بینک کی جمع بُنوک

اس عالمی مغربی صہیونی نظام کے زمین بوس ہونے سے پہلے کسی خیر کی توقع فضول ہے۔ لہٰذا اس نظام کے اِبطال اور دین حق کی برکات کو اُجاگر کر کے اِحقاقِ حق کا فریضہ ادا کرتے رہنا ہی حقیقی تقویٰ اور رضائے الٰہی کے حصول کی راہِ راست ہے۔

ابلیسی نظامِ باطل کا غلبہ اور حق کو غالب کرنے کی یہ خیر وشر کی جنگ اب بھی جاری ہے اور اس مغربی عالمی نظام کے زوال تک جاری رہے گی اس کے بعد ہی فرمان رسالت مآب ﷺ کے مطابق خلافت کا عالمی نظام آسکے گا۔ کُرّہ ارض یہی ایک ہے اس پر یہ ابلیسی اور دجالی نظام بُری طرح قابض ہے اور محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ خداشناسی اور انسان دوستی کا ایک عالمی دور آکر رہے گا جسے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نام بخشا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے فرمودہ دور کو بہر حال آنا ہے لہٰذا اس کرۂ ارضی پر اپنے نظام کے غلبے کی جنگ ہے جو جاری ہے اور آئندہ آنے والے سالوں میں (حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد پر) زمین، فضا اور فضاؤں میں بہت دور تک لڑی جائے گی ایک طرف حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ آسمانی طاقت اور معجزانہ قوتوں کا ظہور ہوگا دوسری طرف آج کا مغرب اور دجال "STAR WARS" کی تیاریوں کے ساتھ پہلے ہی مشرقِ وسطیٰ میں چوکس ہے اور دمشق سے حقیقی حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد کے خلاف ابلیسی ہتھکنڈوں کے ساتھ پہرہ دے رہا ہے۔ تل ابیب اور لیڈا ائیرپورٹ پر فتح حضرت مسیح علیہ السلام ہی کو ہوگی اور ایک عالمی پُرامن فلاحی ریاست کی داغ بیل ڈالی جائے گی۔

اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ لَنَا ھٰذَا اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ لَنَا ھٰذَا اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ لَنَا ھٰذَا

آمین آمین آمین

محکماتِ عالمِ قرآنی

مفکّر پاکستان ڈاکٹر علامہ محمّد اقبال

قرآن مجید خالق کائنات کا کلام ہے اور ہمارے سامنے وسیع اور حد نگاہ تک پھیلی ہوئی کائنات کو سمجھنے کے لیے خالق و مصوّر وصانع و باری و ربِّ کائنات کی طرف سے کسی پیچیدہ تخلیق (کسی بڑے ایئر کرافٹ یا کسی بڑے سمندری کروزشپ وغیرہ) کے ساتھ مینوفیکچرر کی طرف سے رہنما کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب قرآن مجید کے مطالعے کے بغیر آج کی علمی گہما گہمی کے باوجود انسان کائنات کے بنیادی راز اور گتھیاں سلجھانے سے قاصر ہے۔ یہ زمین اپنے محور کے گرد کیسے محوِ گردش ہے (کونسی طاقت اس کو گھما رہی ہے اور وہ طاقت کہاں ہے؟) سورج کے گرد زمین تقریباً 29 کلومیٹر فی سیکنڈ طے کر کے سال بھر میں 90 کروڑ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتی ہے صدیوں اور قرنوں سے یہ رفتار ایک ہی انداز سے جاری ہے۔ وہ طاقت کہاں ہے؟ کونسی طاقت ہے جو اس زمین کو سورج سے 14 کروڑ کلومیٹر دور ہونے کے باوصف کنٹرول کر کے قریب یا دُور نہیں ہونے دیتی اور ایک ہی رفتار سے حرکت دے رہی ہے۔ اس قرآن مجید کے مطالعے کے ذریعے سے چند بنیادی محکمات سمجھ میں آتے ہیں جو مزید غور و فکر اور تدبر کے بعد کائنات و فرد کی گتھیاں سلجھانے میں رہنما کا کام دیتے ہیں اور انسان اس نظامِ کائنات کی ہر چیز کو صحیح انداز میں سمجھ سکتا ہے اور ہر چیز اور ہر عمل (PHENOMENON) کی معقول توجیہ پیش کر سکتا ہے۔ اس نظم میں چند محکماتِ قرآنی کا ذکر ہے جن میں سے پہلا محکم نکتہ حضرت انسان کی تخلیق اور کائنات میں

اس کا مقام و مرتبہ ہے یعنی یہ انسان خالق کائنات کا نائب، خلیفہ یا VICEROY ہے۔ باقی محکمات یہ ہیں: (۲) حکومتِ الٰہی (۳) ارض ملکِ خدا است (۴) حکمت خیر کثیر است۔ 'محکم' خود قرآن کی اصطلاح ہے۔ علامہ اقبال نے عصر حاضر کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر قرآن کے محکمات کو مدلّل پیش کیا ہے بلکہ اعلیٰ ریاضی، طبعیات، اعلیٰ نفسیات اور روحانیات کو یکجا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ یہ مجموعۂ علم و عرفان ہی کائنات کی معرفت کے لیے شاہِ کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ افسوس کہ ایک صدی بعد بھی اکثر اہل علم علامہ اقبال کے کلام کے استعاروں، تشبیہوں، تلمیحات، لفظوں کی بندش، محاورے اور زبان دانی کے فہم سے آگے بڑھ کر کلامِ اقبال کے حاصل، موضوع اور کلام کے بین السطور پر غور و فکر کر کے گہرا فکر و فلسفہ تلاش کرنے سے قاصر ہی نہیں، گریزاں بھی نظر آتے ہیں۔ (ادارہ)

1۔ خلافتِ آدم

در دو عالم ہر کجا آثارِ عشق
ابن آدم سرّے از اسرارِ عشق

دونوں جہانوں (یہ مادی زندگی یعنی عالم خلق اور تکوینی نظام یعنی عالم امر) میں ہر جگہ عشق و محبت یعنی جذبہ اور اطاعت کلی کے نشان پھیلے ہوئے ہیں اور 'ابن آدم' یعنی انسان کی تخلیق اسی عشق و محبت کے (آثار کے) رازوں میں سے ایک راز ہے

سرّ عشق از عالم ارحام نیست
او ز سام و حام و روم و شام نیست

انسانوں میں عشق کے آثار کا یہ راز نسلی بنیادوں (ماں اور باپ کے تعلق) پر نہیں ہے یہ عشق (حضرت نوحؑ کے بیٹوں) حام و سام کی نسبت اور زمینی (یعنی جغرافیائی) لحاظ سے روم و شام کی نسبت سے نہیں ہے

کوکب بے شرق و غرب و بے غروب
در مدارش نے شمال و نے جنوب

عشق کے آثار کا (مرکز ومحور انسان ہے اور کائنات میں دوسرے ستاروں کے برعکس)
اس ستارے کی حرکت (سرگرمیاں) بے شرق وغرب اور طلوع وغروب سے مبرّا ہیں
اس کا مدار (دائرۂ کار) شمال وجنوب جیسی حدود کی تنگی سے آزاد اور وسیع ہے

حرفِ اِنّیِ جَاعِلٌ تقدیرِ او
از زمیں تا آسماں تفسیرِ او

انسانوں کا دائرہ کار اور اس کی سرگرمیوں کا میدان (قرآن مجید کے) الفاظ اِنی جاعل سے عیاں ہیں اور کل روئے زمین سے آسمان تک پوری کائنات اس انسان کی جولاں گاہ یا بساط ہے

مرگ و قبر و حشر و نشر احوالِ اوست
نور و نار آں جہاں اعمالِ اوست

(انسان دنیا میں آیا ہے اور اس کے افراد نسل در نسل دنیا میں آتے ہیں اور موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں مگر یہ) موت اور قبر (کا بنایا جانا) قیامت میں دوبارہ زندگی عطا ہونا اور حساب کتاب اس کی طویل زندگی کے احوال یعنی ہیئتیں ہیں اور آخرت کی زندگی میں جنت و دوزخ اس کے اعمال کی ہی تجسیم اور مجسم شکل ہے

او امام و او صلوٰت و او حرم
او مداد و او کتاب و او قلم!

(اس کائنات کے مظاہر اور روئے زمین پر جاری سرگرمیوں میں) وہی امام ہے وہی صلوٰۃ ہے اور وہی حرم ہے اور وہی سیاہی وہی کتاب اور وہی قلم ہے

خردہ خردہ غیبِ او گردد حضور
نے حدود او را نہ ملکش را ثغور

انسان (وقت کے ساتھ) اپنے تجرباتی علوم کی بنیاد پر غیب (نامعلوم) کو حضور (معلوم) سے بدل رہا ہے اس کے ان تجرباتی علوم کی انتہاء کی کوئی حد معین نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی اس کے دائرۂ کار کی حد برآری کے کوئی نشان نظر آتے ہیں

از وجودش اعتبارِ ممکنات
اعتدالِ او عیارِ ممکنات

اس (حضرت انسان کا) وجود اور اس کی ضروریات و تقاضے ہی (اس زندگی میں) ممکنات کی کسوٹی ہے اور (انتہا پسندی سے بچ کر) اعتدال کی راہ ہی اس کی فکر وعمل کی مادی ظہور میں ڈھل جانے کا معیار ہے

من چہ گویم از یم بے ساحلش
غرق اعصار و دہور اندر دلش!

حضرت انسان کا دائرہ کار ایک بے ساحل سمندر کی طرح ہے (جس کے بارے میں) میں کیا اور کیوں بولوں اس انسان کے دل (کی دنیا) میں ایسی وسعت و گیرائی ہے کہ صدیوں (کے واقعات) اور (تہذیبوں کے عروج وزوال کے) زمانے اس میں سمائے ہوئے ہیں

آنچہ در آدم بگنجد عالم است
آنچہ در عالم نگنجد آدم است!

(اربوں کہکشاؤں پر مشتمل) کائنات آدم میں سماجاتی ہے اور یہ کائنات اس کی صلاحیتوں کے فروغ کا میدان ہے اور جو ساری کائنات میں نہ سما سکے وہ انسان اور آدم ہے

آشکارا مہر و مہ از جلوتش
نیست رہ جبریل را در خلوتش!

(یہ کائنات آدم کی جلوت اور خلوت کی کارفرمائی ہے) آدم کی جلوت مہر وماہ (اور زمینی عوامل) سے عیاں ہے جبکہ اس کی خلوت میں جبرائیل کا بھی عمل دخل نہیں ہے

برتر از گردوں مقامِ آدم است
اصل تہذیب احترامِ آدم است

آدم یعنی انسان کا مقام آسمان اور افلاک سے بھی بلند ہے اور عالم خلق میں تہذیب اور تمدن اور کائنات کی حرکت صرف (باہمی) احترامِ آدم کا دوسرا نام ہے

زندگی اے زندہ دل دانی کہ چیست؟
عشق یک بیں در تماشائے دوئی است!

اے زندہ دل (انسان)! تو کیا جانے زندگی کیا ہے؟ آدم کی زندگی کثرت میں وحدت کو پہچاننے اور دیکھنے کا نام ہے

مرد و زن وابستۂ یک دیگر اند
کائناتِ شوق را صورت گر اند!

عورت ومرد (بحثیت انسان ایک ہیں) ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اورشوق (ذوق) سے کائنات کی صورت گری کرتے ہیں

زن نگہ دارندۂ نارِ حیات
فطرتِ او لوحِ اسرارِ حیات

آدم بصورت عورت زندگی کی آگ کی حفاظت کرنے والی ہے اس کی فطرت (یعنی تعمیر وتشکیل) اسرارِحیات کی ایک مخفی بیاض ہے

آتش ما را بجانِ خود زند
جوہر او خاک را آدم کند

وہ آدم کی آگ (شوقِ تخلیق و ہوسِ لذت) کو اپنی جان پر لگاتی ہے اور اس عورت کے جوہر سے خاک آدم کی صورت اختیار کرلیتی ہے

در ضمیرش ممکناتِ زندگی
از تب و تابش ثباتِ زندگی

اس (آدم بصورت عورت) کے باطن میں زندگی کے ممکنات کو چھپا دیا گیا ہے اوراس عورت کے وجوداورموجودگی کے جلنےاورتپش سے ہی زندگی کا سلسلہ جاری ہے

شعلہ کز وے شرر ہا در گسست
جان و تن بے سوز او صورت نہ بست

کائنات میں عورت کی صورت میں انسان ایک ایسا شعلہ ہے جس سے کئی چنگاریاں نکلتی ہیں اس کے سوز کے بغیر جسم و جان صورت اختیار نہیں کرتے

ارجِ ما از ارجمند یہائے او
ما ہمہ از نقشبند یہائے او

انسان کی عزت اور سربلندی عورت کی عزت سے مشروط ہے ہم سب اسی عورت کی نقش بندی سے وجود میں آتے ہیں (اور عزت پاتے ہیں)

حق ترا داد است اگر تاب نظر
پاک شو قدسیت او را نگر

اے انسان ! اگر حق تعالیٰ تجھے (دل کی آنکھوں سے) دیکھنے کی صلاحیت دے تو تو پاک نگاہ کے ساتھ عورت کی تقدس کو احترام کو دیکھ (اور مغربی تہذیب کی عورت دشمنی و کمینگی سے دور ہو جا)

اے ز دینت عصرِ حاضر بردہ تاب
فاش گویم با تو اسرارِ حجاب

اے انسان (اللہ نے تیری رہنمائی کے لیے انبیاء و رُسل بھیجے، مگر افسوس) آج کی (منحوس مغربی) تہذیب نے تجھ سے تیرے دین کی روشنی چھین لی ہے میں تجھے صاف صاف بتاتا ہوں کہ حقیقی آدمیّت (انسانیت) کے راز (عورت کے) پردہ میں ہی پوشیدہ ہیں

ذوقِ تخلیق آتشے اندر بدن
از فروغِ او فروغِ انجمن!

عورت ذات میں ذوقِ تخلیق ایک طرح کی آگ ہے جو اس کی جسم میں ہے اس آگ کی تپش ہی وہ روشنی ہے جو عورت کو محفلوں کی زینت بننے پر آمادہ کرتی ہے

ہر کہ بردارد ازیں آتش نصیب
سوز و ساز خویش را گردد رقیب

جو آدم (حقیقی انسان روح و جسد کے ساتھ یعنی صاحب خودی) عورت کی اس ذوق تخلیق کی آگ سے حصہ پالیتا ہے وہ اپنے اس سوز و ساز کا غیرت مند نگہبان بن جاتا ہے

ہر زماں بر نقش خود بندد نظر
تا نگیرد لوحِ او نقش دگر

وہ مرد (جو کسی عورت سے نکاح کر لیتا ہے) اس عورت کی ناموس (کسی دوسرے مرد سے تنہائی) پر نظر رکھتا ہے تا کہ اس کی تخلیق پر کوئی غیر کا نقش نہ آ سکے

مصطفیٰ ﷺ اندر حرا خلوت گزید
مدتے جز خویشتن کس را ندید

(ہمارے آقا) حضرت محمد ﷺ ایک مدت غارِ حرا میں خلوت گزیں رہے اور اس عرصے میں اپنے سوا کسی (دوسرے انسان) کو نہیں دیکھا

نقش ما را در دل او ریختند
ملتے از خلوتش انگیختند

خالق کائنات یعنی قدرت کی طرف سے ہمارا (ایک مہذب انسان اور مہذب انسانی معاشرہ) نقش آپ ﷺ کے قلب میں ڈال دیا گیا آپ کی خلوت سے ایک ملت (اُمت مسلمہ) کے براہیمی تصور کو امر کر دیا گیا

می توانی منکر یزداں شدن
منکر از شانِ نبیؐ نتواں شدن

اے آدم! تو (کوئی انسان اپنی ذہنی پسماندگی کی وجہ سے) خدا کا منکر تو ہو سکتا ہے مگر تو (انسان دوست پیغمبر ﷺ کی تعلیمات) شانِ مصطفےٰ ﷺ کا انکار نہیں کر سکتا

گرچہ داری جانِ روشن چوں کلیم
ہست افکارِ تو بے خلوت عقیم!

اے آدم! اگرچہ تیرے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی روشن جان (پاک ضمیر) ہی کیوں نہ ہو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی آیات پر غور و فکر اور تدبر اور اللہ سے ذاتی تعلق کے احساس بغیر کچھ ہاتھ نہیں آتا

از کم آمیزی تخیل زندہ تر
زندہ تر، جویندہ تر، یابندہ تر

(اپنے خالق حقیقی کی فرمانبرداری کے ساتھ محبت کا احساس پیدا ہونا اور اس کو پروان چڑھانا) خلق خدا سے میل جول کم کرنے سے ہی ایک نئی زندگی جنم لیتی ہے اور نشو و نما پاتی ہے جو (میل جول والی زندگی سے) زیادہ زندہ، زیادہ جستجو کرنے والی، زیادہ نتیجہ خیز ہوتی ہے

علم و ہم شوق از مقاماتِ حیات
ہر دو می گیرد نصیب از واردات!

علم (کا حصول) اور شوق (اللہ سے عشق اور شوقِ ملاقات) زندگی کے مراحل ہیں اور یہ زندگی میں باطنی مذہبی تجربات (وارداتِ قلبی) سے ہی حصہ پاتے ہیں یعنی اس کا نتیجہ ہوتے ہیں

علم از تحقیق لذت می برد
عشق از تخلیق لذت می برد

حصولِ علم کا جذبہ 'تحقیق' (تلاشِ حق کی کھود کرید) سے لذت پاتا ہے اور شوق یعنی عشق نئی مذہبی وارداتوں اور نئے خیالات کے جنم لینے سے لذیذ بنتا ہے

صاحبِ تحقیق را جلوت عزیز
صاحبِ تخلیق را خلوت عزیز

جو انسان ابھی تحقیق کے مراحل میں ہے اُسے جلوت (لوگوں سے میل جول اور پبلک لائف) عزیز ہوتی ہے اور جو انسان (مردِ حق) شوق اور عشق کے مراحل سے گزر رہا ہوتا ہے اسے خلوت عزیز ہوتی ہے وہ تنہائی پسند ہوتا ہے

چشمِ موسیٰ ؑ خواست دیدارِ وجود
ایں ہمہ از لذتِ تحقیق بود

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (کوہِ طور پر) باری تعالیٰ سے دیدار کی خواہش کا اظہار کیا یہ سب تحقیق (اللہ سے محبت اور دوستی کے مراحل کا دریافت کرنا تھا) کے مراحل تھے اور اسی لذت کے حصول کا بیان تھا

لَـنْ تَـرَانِـیْ نکتہ ہا دارد رقیق
اندکے گم شو دریں بحر عمیق

(اللہ تعالٰی کا جواب کہ) 'تو مجھے نہیں دیکھ سکتا' میں بے شمار باریک و لطیف باتیں چھپی ہوئی ہیں (ذرا فرصت نکال کے) کبھی اے انسان اس جواب کی لطافتوں کے سمندر میں بھی غوطہ زنی ضروری ہے

ہر کجا بے پردہ آثارِ حیات
چشمہ زارش در ضمیرِ کائنات

(زندگی گذارتے ہوئے) جہاں کہیں زندگی (حرکت و جذبہ) کے آثار بے پردہ اور عیاں نظر آتے ہیں اس احساس اور مشاہدہ کے منابع اور چشمہ زار کائنات پر دل کی نگاہ سے غور وفکر میں پوشیدہ ہیں

در نگر ہنگامۂ آفاق را
زحمتِ جلوت مدہ خلاق را

اے آدم ! تو آفاق (کائنات) میں برپا ہونے والے ہنگاموں اور طوفانوں میں غور کر اور (لذتِ طلب میں) خالق کائنات کو ظاہر ہوکر سامنے آنے کی زحمت دینے کی کوشش نہ کر

حفظ ہر نقش آفریں از خلوت است
خاتم او را نگیں از خلوت است

اے آدم ! (ہر تحقیق و جستجو کے بعد) جو نقش قلب انسان پر بنتا ہے اس کی حفاظت صرف خلوت سے (ہی ممکن) ہے اور انسانی جد و جہد کے نتیجے میں حاصل ہونے والی (اس تحقیق و جستجو کی) لذت کی انگوٹھی کا نگینہ خلوت ہی ہے

☆ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃ (30:02) ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں''

2۔ حکومتِ الٰہی

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام او را نہ او کس را غلام

(محکمات قرآنی میں خلافت آدم کے آشکار ہونے کے بعد) کائنات پر خالق کائنات کی حکمرانی کا مطلب واضح ہے کہ ظاہری اسباب میں یہ حکومت آدم کے حصے میں آئی ہے اور یہ خلافت ہے یعنی بندۂ حق نیابت الٰہی کے علاوہ ہر دوسرے مقام سے بے نیاز ہے نہ کوئی اس کا غلام ہوگا اور نہ وہ کسی کا غلام ہے

بندۂ حق مردِ آزاد است و بس
ملک و آئینش خداداد است و بس

بندۂ حق ایک آزاد انسان ہوتا ہے اس کی حکومت و قانون و اختیار اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے وہ کسی (پارلیمنٹ، کسی مافیا، UNO یا آئین) کا محتاج نہیں ہے

رسم و راہ و دین و آئینش ز حق
زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق

اللہ تعالیٰ کو خالق کائنات ماننے، نبوت ورسالت پر یقین رکھنے اور آخرت کو ماننے والا آدم اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور اس کے طور طریقے اور دین وآئین اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے اس کا اچھا، بُرا، کڑوا، میٹھا سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے (خدا بیزار، دین دشمن اور وحی دشمن لوگ اس صورتحال کا کما حقہ تصور بھی نہیں کر سکتے)

عقل خود بیں غافل از بہبودِ غیر
سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر

عقل اپنے وجود کی حفاظت اور فائدہ سوچتی ہے نہ کہ دوسروں کا فائدہ۔ وہ صرف اپنی ذات کی منفعت پر نگاہ رکھتی ہے نہ کہ دوسرے (انسانوں) کی بہبود کا

وحی حق بینندۂ سودِ ہمہ

در نگاہش سود و بہبود ہمہ

خالق کائنات کی طرف سے اُتارے ہوئے ضابطے (وحی حق) تمام خلق خدا کا فائدہ پیش نظر رکھتے ہیں اس کے سامنے تمام انسانوں کی برابری کی بن یاد پر بھلائی اور بہبود ہوتی ہے

عادل اندر صلح و ہم اندر مصاف

وصل و فصلش لَایـرَاعـی لَایَخَـاف

(خدا بیزار اور وحی دشمن سیکولر ذہن کیا جانے) آسمانی ہدایت انسانی معاملات میں صلح میں عادل ہوتی ہے اور حالت جنگ میں فریق مخالف کے ساتھ عدل وقسط کا حکم دیتی ہے اور دوستی و دشمنی کی رورعایت اور کسی سے خائف ہونے سے مبّرا ہوتی ہے

غیر حق چوں ناہی و آمر شود

زور ور بر ناتواں قاہر شود

(خلافت آدم کے تصور کے خلاف جب سیکولر ذہن) حاکم بن کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے تو مقتدر طبقہ مخالف طبقات پر ظلم اور ناانصافی کرتا ہے

زیرِ گردوں آمری از قاہری است

آمری از مَـاسِوَ اللّٰہ کافری است

آسمان کے نیچے (یعنی روئے زمین پر) حکمرانی اپنے علاقے میں چھاجانے کا نام ہے (کہ وہ جو چاہے منوالے) لہٰذا رُبّ کی دھرتی پر ربّ کا نظامٔ کے سوا ہر حکمرانی خدابیزار اور وحی دشمن ہوتی ہے

قاہر آمر کہ باشد پختہ کار

از قوانیں گردِ خود بندد حصار

ہر مستحکم اقتدار اور آمر جب (وقت گذرنے کے ساتھ) حکمرانی کے داؤ پیچ سمجھ کر تجربہ کار بن جاتا ہے وہ (خود ہی) اپنے گرد و پیش قانون کا ایک حصار بنالیتا ہے

جُرّہ شاہیں تیز چنگ و زود گیر!

صعوہ را در کارہا گیرد مشیر

تیز پنجوں اور شکار کو جلد پکڑنے والا نر شاہین (ذاتی آمریت والا حکمران) لوگوں کو مساوات کا دھوکہ دینے کے لیے مولے کو اپنے کاموں کا مشیر بنالیتا ہے

قاہری را شرع و دستورے دہد

بے بصیرت سرمہ با کورے دہد

(دنیا دار حکمران) اپنی حکمرانی کے استحکام کے لیے ضابطے اور قانون بناتا ہے (جو ظاہراً عوام کے فائدے کے لیے اور حقیقتاً عوام کو اپنے سے دور رکھنے کے لیے ہوتے ہیں) جسے بے بصیرت (اقتدار کے پجاری) حکمران اندھے عوام کو (مطمئن کرنے کے لیے چشم کشا) سرمہ کہہ کر دیتا ہے

حاصل آئین و دستورِ ملوک!

دہ خدایاں فربہ و دہقان چو دوک!

ایسے مطلق العنان خدائی کے دعویدار بادشاہوں کے ضابطہ اور آئین کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ کاٹ کھانے والی بادشاہت کے روپ میں عوام کا خون چوستے ہیں مقتدر طبقہ فربہ وخوشحال اور عوام غریب تر اور تکلے کی طرح دبلے ہوجاتے ہیں

وائے بر دستورِ جمہور فرنگ

مردہ تر شد مردہ از صورِ فرنگ!

(خلافت آدم کا تصور پس پشت ڈال کر مغرب نے جو جمہوری نظام دیا ہے بقول ان کے یہ نظام عوام کی بہبود اور فلاح کا نظام ہے) افسوس کہ فرنگ کا یہ دستورِ جمہور ایسا ہے کہ اس نظام کے 'صور' سے جس مردہ (عوام) کو زندہ کرنا ہے وہ مزید بے سہارا اور ہلکان ہوجاتا ہے

حقہ بازاں چوں سپہر گرد گرد

از امم بر تختۂ خود چیدہ نرد!

آسمان کی طرح ہر طرف چھائے ہوئے مغرب کے (سیاسی) شطرنج باز تختۂ شطرنج پر قوموں کو بطور مہرے استعمال کررہے ہیں

شاطراں ایں گنج ور آں رنج بر
ہر زماں اندر کمین ِیک دگر

(قوموں کی قسمت سے کھیلنے والے) یہ عالمی سیاسی شعبدہ باز ایک طرف مالی مفادات سمیٹنے والے ہیں اور دوسری طرف محکوم عوام کی زبوں حالی کا رونا روتے ہیں

فاش باید گفت سرّ دلبراں
ما متاع و ایں ہمہ سوداگراں!

دوستوں کی باہمی راز کی باتوں کو (خلافِ معمول) فاش بتا دینے میں حرج نہیں ہے کہ آج مغربی عالمی سیاسی قوتوں کے زیر اثر تیسری دنیا کی قومیں متاع (خرید و فروخت کا ایک سامان یعنی COMMODITY) ہیں دراصل یہ (غالب صہیونی عالمی استعمار کے نمائندے اور) استحصالی سوداگر ہیں

دیدہ ہا بے نم ز حب سیم و زر
مادراں را بارِ دوش آمد پسر

(عالمی صہیونی استعمار کے زیر سایہ جو مغربی تہذیب جنم لے رہی ہے اس میں سودی معیشت کے تحت فروغ پذیر سرمایہ داری نظام کا یہ اثر ہے کہ) سیم و زر کی ہوس کی وجہ سے انسانی ہمدردی میں آج آنکھیں نم نہیں ہوتیں اور ماؤں کے کندھے بچوں کو اٹھا کر پالنے کو عار سمجھنے لگی ہے

وائے بر قومے کہ از بیم ِثمر
می برد نم را ز اندامِ شجر!

اس مغربی تہذیب پر افسوس ہے کہ جو پھل (اولاد) کے خوف سے درخت (عورت) کے وجود سے نمی کو نکال دیتی ہے

تا نیارد زخمہ از تارش سرود
می کُشد نازادہ را اندر وجود!

(مضراب ساز سے نغمہ پیدا کرتا ہے) مغربی تہذیب مرد و عورت کو اولاد جیسے نغمے پیدا کرنے سے روکنے کے لیے ساز کے اندر ہی جنم لینے سے پہلے ہی اسے مار دیتی ہے

گرچہ دارد شیوہ ہائے رنگ رنگ
من بہ جز عبرت نگیرم از فرنگ!

اگرچہ مغرب (اور اس کی لادین تہذیب) کے طور طریقے بڑے رنگ برنگ اور متضاد ہیں مگر میں اس (منحوس) تہذیب سے سوائے عبرت کے اور کچھ حاصل نہیں کرسکتا (کہ یہ ہر پہلو سے انسان دشمن اور اخلاق دشمن تہذیب ہے)

اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو
دامن قرآن بگیر آزاد شو!

اے آدم زاد (تم خلافت ارضی کا کردار رکھتے ہو) تم مغرب کی اس تہذیبی تقلید کی روش کا قیدی نہ بنو بلکہ اس سے علیحدہ ہوجاؤ (تم خداشناسی اور وحی شناسی کی اقدار کا علم اٹھاؤ) قرآن مجید کا دامن (مضبوطی سے) تھامو اور (حقیقی) آزادی حاصل کرلو

3۔ ارض ملکِ خداست

سرگزشتِ آدم اندر شرق و غرب
بہرِ خاکے فتنہ ہائے حرب و ضرب!

(وہی آدم جو اللہ تعالیٰ کا نائب ہے) مشرق و مغرب میں (کل روئے ارضی پر) انسان آج مٹی (زمین اور ملکی حدود میں اضافہ) کے فتنہ میں پڑ کر لڑائی جھگڑے میں مصروف ہے

یک عروس و شوہر او ما ہمہ
آن فسوں گر بے ہمہ ہم با ہمہ!

(انسان مادی وجود رکھتا ہے مگر خودی کی وجہ سے مسجودِ ملائک بنا) آج انسان مادیّت پرستی کی وجہ سے زمینی خواہشات میں مبتلا ہے یہ دنیا ایک دلہن ہے اور اس کے شوہر ہم سب ہیں اور یہ جادوگرنی سب کے ساتھ بھی ہے اور سب سے الگ بھی

عشوہ ہائے او ہمہ مکر و فن است
نے ازانِ تو نہ ازآنِ من است!

اس (دنیاوی زندگی) کے سارے ناز نخرے (رنگینیاں اور دلربائیاں) کل دھوکہ اور فنکاری ہے (اس دنیا کے ناز اور نعمتیں درحقیقت) نہ تیرے لئے ہیں نہ میرے لئے (سب موت تک ہیں)

در نسازد با تو ایں سنگ و حجر
ایں ز اسبابِ حضر تو در سفر!

اے ابن آدم! یہ دنیاوی سنگ و حجر (یعنی روئے زمین سے نکلے ہوئے ہیرے اور سونا اپنی خام حالت میں پتھر ہی ہیں) یہ سب چیزیں (خالق کائنات

کے) اسبابِ حضر (دنیاوی زندگی کا ساز و سامان) ہیں اور اے انسان! تو یہاں (عارضی طور پر ٹھہرا ہوا ہے) مسافر ہے

اختلاطِ خفتہ و بیدار چیست؟

ثابتے را کار با سیار چیست؟

جیسے سوئے ہوئے آدمی اور بیدار آدمی (کے قوائے عمل اور قوت کار) کا باہمی تقابل نہیں ہے یا ٹھہرے ہوئے کسی وجود اور متحرک وجود (کے اعمال) کا کیا تقابل اور مقابلہ یعنی ان کا آپس میں سروکار نہیں ہے

حق زمیں را جز متاعِ ما نگفت

ایں متاعِ بے بہا مفت است مفت

حق تعالیٰ (خالق کائنات جل جلالہ) نے اس روئے ارضی کے وسائل کو متاع فرمایا ہے (اور) یہ متاع (اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں) بے قیمت ہے تمام اولادِ آدم (HUMAN BEINGS) کے لیے مفت ہے

دہ خدایا! نکتہء از من پذیر

رزق و گور از وے بگیر او را مگیر

اے زمیندارو! اور جاگیردارو! میری یہ بات مان لو (اور نوعِ انسانی پر رحم کرو) کہ تم زمین سے صرف اپنا رزق اور قبر کی جگہ لو زمین (کے وسیع اور شاداب رقبوں) پر قبضہ مت کرو

صحبتش تا کے تو بود و او نبود

تو وجود و او نمودِ بے وجود

اے ابنِ آدم! اس زمین پر قبضہ کر کے تو کب تک اس سے استفادہ کرے گا تو موت کے بعد بھی جاودانی ہے اور زمین فانی ہے۔ تیرا وجود (اپنے اندر DIVINE SPARK رکھتا ہے) اور جمادات کے مقابلے میں پائیدار ہے جبکہ زمین آج ہے در حقیقت نہیں ہے

تو عقابی طائف ِافلاک شو
بال و پر بکشا و پاک از خاک شو

اے انسان! تو طائر لاہوتی ہے عقاب کی طرح تو افلاک کی بلندیوں میں پرواز کر تو اپنے بال و پر (خداداد صلاحیتیں) بروئے کار لا اور زمین (مادی اور فانی رشتوں) سے بلند ہوکر پاک ہوجا

باطنِ اَلارضُ لِلّٰـــہ ظاہر است
ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

خالقِ کائنات نے اس زمین (اور اس کے جملہ وسائل رزق) کو اللہ کی ملکیت قرار دیا ہے یہ حقیقت آشکارا ہے جو اس واضح بات کو نظر انداز کرتا ہے وہ اسلام (کی ان اقتصادی تعلیمات) کا منکر ہے

من نگویم در گذر از کاخ و کوے
دولت تست ایں جہانِ رنگ و بوے

میرے کہنے کا مدّعا یہ نہیں ہے کہ تم ان مادّی وسائل (گلیوں اور قیمتی رہائشوں) کو ترک کردو حواسِ خمسہ کا یہ مادی جہاں کل کا کل تیرا اثاثہ (دولت) ہے اس کو نوعِ انسانی کی خدمت میں لگاؤ، نہ کہ ذاتی منفعت میں

دانہ دانہ گوہر از خاکش بگیر
صید چوں شاہیں ز افلاکش بگیر

اے انسان! اس روئے زمین سے اپنا رزق دانہ دانہ (تھوڑا تھوڑا کرکے) تلاش کرو جیسے شاہین افلاک کی وسعتوں میں اپنی ضرورت کا پرندہ شکار کرتا ہے اور بس!

تیشۂ خود را بکہسارش بزن
نورے از خود گیر و بر نارش بزن

اپنا تیشہ زمینی وسائل رزق کے حصول کے لیے پہاڑوں پر آزما اور اسے اپنے استعمال میں لا اپنے وجود کے نور سے اس مادی و فانی دنیا کی (چھینا جھپٹی اور حرص کی) آگ کو بجھادے

از طریقِ آزری بیگانہ باش
بر مرادِ خود جہانِ نو تراش!

اے ابنِ آدم ! طریق آزری سے بیگانہ ہوجا اور (خاک سے بُت بنا کر اس کو سجدہ کرنا) دنیاوی اور زمینی اشیاء کو اپنا محبوب اور نصب العین مت بنا بلکہ (ابراہیمؑ کی طرح) ان پتھروں سے (توحید کا مرکز) بیت اللہ بنا

دل بہ رنگ و بوے و کاخ و کو مدہ
دل حریم ِاو ست جز با او مدہ!

اے انسان! (اپنی محبت اور) اپنا دل اس رنگ و خوشبو سے بنے جہاں میں نہ لگا دل تو اللہ خالق حقیقی کا حرم ہے اس کے علاوہ کسی کو دل میں نہ گھسنے دے اور کسی دنیاوی چیز کی محبت میں گرفتار مت ہو

مردنِ بے برگ و بے گور و کفن؟
گم شدن در نقرہ و فرزند و زن!

اے انسان! ایسی موت کہ تمہارے پاس (آخرت کا) زادِ راہ نہ ہو اور بے گور و کفن لاش رہ جائے، وہی ہے جب انسان (آخرت کو بھول جائے) اور اس دنیا میں سونا چاندی اور بیوی بچوں کا ہو کر رہ جائے

ہر کہ حرفِ لا اِلٰہ ازبر کند
عالمے را گم بخویش اندر کند

کسی انسان کا (مسلمان ہوکر) لا الٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ کا سبق یاد کرلینا (ایک جاودانی زندگی حاصل کرلینا ہے) اور کُل ارض و سما کو اپنے اندر سمو لینا ہے

فقر جوع و رقص و عریانی کجا ست
فقر سلطانی است رہبانی کجا ست

ایک فقر، احتیاج (بھوک)، دھمال، لباس اتار دینا ہے یہ کہاں کا فقر ہے؟ دوسرا فقر بادشاہی ہے اس میں ترک دنیا نہیں دنیا کے وسائل پر حکومت کرنا اور اپنی مرضی (اسلام) کے مطابق چلانا ہے

4۔ حکمت خیر کثیر است

'گفت حکمت را خدا خیر کثیر
ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر'

قرآن مجید میں شعورِ انسانی کے اعلیٰ ترین درجے کو حکمت کہا گیا اور اس حکمت کو 'العلم' بھی کہا گیا اور اس حکمت کو 'پالینا' یا 'صاحبِ حکمت' ہوجانا 'اولوا الالباب' کا مقام ہے اور اسے 'خیر کثیر' بھی فرمایا گیا ہے گرد و پیش میں اس حکمت کا کوئی حصہ کہیں سے مل جائے تو اسے اپنالو یہ بات سب سے بڑے حکیم انسان حضرت محمد ﷺ نے فرمائی

علم حرف و صوت را شہپر دہد
پاکیٔ گوہر بہ ناگوہر دہد

یہ (لاہوتی) علم میسر آجائے تو الفاظ و بیان کو بڑے پر لگ جاتے ہیں اور اس نوری علم سے معمولی اشیاء (ناگوہر) بھی انسانی محنت و کاوش سے (بیش قیمت) موتی (گوہر) بن جاتی ہیں

علم را بر اوجِ افلاک است رہ
تا ز چشم مہر برکندد نگہ

اس نوری علم کی اُڑان اور منزل آسمانوں (فضاؤں) کی بلندیاں اور وسعتیں ہیں یہاں تک کہ یہ علم سورج کی نگاہ کی تپش (اور تیزی) بھی چھین لیتا ہے (اور اس کو انسان دوست بنا دیتا ہے)

نسخۂ او نسخہ تفسیر کل
بستۂ تدبیر او تقدیر کِل

اس خیر کثیر کی روشنی میں کائنات کی ہر باریکی اور راز کی تفسیر ہوسکتی ہے اور اس

مادی دنیا کی ہر شئے کی تقدیر حقیقتاً اسی (نوری) علم سے وابستہ ہے

دشت را گوید حبابے دہ، دہد

بحر را گوید سرابے دہ، دہد!

اگر (ایسا صاحب علم) صحرا و بیانان سے کہے یہاں (بارشیں ہوں اور پانی کی فراوانی ہو کہ بہتے پانی میں) بلبلے نظر آئیں تو ایسا ہو جاتا ہے اور سمند سے کہے کہ یہاں (خشک صحراء بن کر) سراب نظر آئیں تو ایسا ہو جاتا ہے

چشمِ او بر وارداتِ کائنات

تا بہ بیند محکماتِ کائنات

ایسے حکیم اور دانا انسان (جسے حکمت مل جائے) کی نگاہ کائنات کے واقعات اور ان کی کیفیات کے پس پردہ خالق کائنات پر ہوتی ہے یہاں تک کہ اسے کائنات میں محکمات (قرآنی) کا سراغ مل جاتا ہے

دل اگر بندد بہ حق، پیغمبری است

ور ز حق بیگانہ گردد کافری است!

اگر انسانی معاشرے میں عالموں کا علم (اپنے مشاہدے اور غور و فکر کے نتیجے میں) دل کو حق یعنی خالق کائنات سے ملائے (پہچان پیدا کرے) تو یہ پیغمبری (DIVINE INSPIRATION) ہے اور اگر علم حق سے بیگانہ (سیکولر اور لبرل) بنا دے تو یہی کافری ہے

علم را بے سوزِ دل خوانی شر است

نورِ او تاریکیٔ بحر و بر است!

انسانی مشاہدہ اور غور و فکر اگر بے روح (سوزِ دل سے خالی) ہے تو ایسا علم 'شر' اور انسان دشمن ہے اور اس کا حاصل بحر و بر میں (خدا بیزاری اور وحی دشمنی کے ساتھ علم دشمنی کی) گہری تاریکی پھیلا دیتا ہے

عالمے از غازِ او کور و کبود

فرودینش برگ ریز ہست و بود

(روحِ انسانی کے انکار پر جو) علم پھیلے گا اس کے دھوئیں بخارات (گیس) سے تمام عالم میں اندھیرا چھا جائے گا ایسے علم کا فروغ (بہار) انسانیت کے لیے خزاں (پت جھڑ) ثابت ہوگا (انسانی صرف حیوانی جبلّتوں کے تحت زندگی گزار کر حیوان بن جائے گا)

بحر و دشت و کوہسار و باغ و راغ
از بمِ طیارۂ او داغ داغ!

ایسے بے نور علم کے فروغ اور پھیلاؤ سے (جیسا آج مغرب نے پھیلا دیا ہے) روئے ارضی کے سمندر، دشت، کوہسار، باغ اور سبزہ زار سب کے سب متأثر ہوتے ہیں اس کے ابتدائی اثرات سے ہی روئے ارضی ڈارون کے انسان نما بندروں کا گہوارہ بن جاتا ہے

سینۂ افرنگ را نارے ازو ست
لذتِ شبخوں و یلغارے ازو ست

آج کی فرنگی تہذیب (یورپی اور امریکی عالمی بالادستی) کی سیکولر اور لبرل پالیسیوں کی خدا بیزاری اور انسان دشمنی اسی (بے خدا) علم کی آگ کی وجہ سے ہے اسی بے نور علم کی آگ کی وجہ سے مغرب کو THIRD WORLD کے ترقی پذیر ممالک پر امداد کی آڑ میں حملے (شبخون) اور براہِ راست فوجی مداخلت سے سکون اور لذت ملتی ہے

سیر واژونے دہد ایام را
می برد سرمایۂ اقوام را

وہ عالمی حالات کو اس وجہ سے علم کے نام پر جہالت اور ترقی کے نام پر بے لباسی اور عریانیت (بربریت و فحاشی) دے کر الٹی چال چل رہا ہے اور تیسری دنیا سے سرمایہ لوٹ رہا ہے

قوتش ابلیس را یارے شود
نور ناز از صحبت نارے شود

اس بے نورعلم کی وجہ سے اس فرنگی تہذیب کی سوچ اور اُمنگیں ابلیس کی 'یار' ہوگئی ہیں اور اس ابلیسی تہذیب سے مسلمانوں کے نوری علم اور قرآن پر مبنی افکار کا نور بھی آگ بن گیا ہے (مسلمان اہل قلم میں منافقت آگئی اور وہ سیکولرازم اورلبرل ازم) کو بھی فطرتِ انسانی کا نوری علم قرار دے رہے ہیں

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است

زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است!

(اب مسلمانوں کے لیے) مغربی تہذیب سے ٹکراوٗ دراصل ابلیس سے مقابلہ ہے اور ابلیس کو مارنا (ختم کردینا) محکماتِ قرآنی کے خلاف ہے اس لیے کہ وہ انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے اور دل کی گہرائیوں میں گم ہے

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی

کشتہ شمشیر قرآنش کنی

پسندیدہ (اور ممکن) بات یہی ہے کہ تو اس کو فرمانبردار بنالے اور اسے محکماتِ قرآنی کے آفاقی و انفسی دلائل سے لاجواب اور بے حال کر دے

از جلالِ بے جمالے الاماں

از فراقِ بے وصالے الاماں!

دنیا میں اُمتوں اور تہذیبوں کا عروج و زوال علم سے ہی ہوتا ہے مگر حالیہ تہذیب مغرب کی اٹھان اور غلبہ وقوت (جلال) اس بے نور علم پر ہے جس میں بہبود و فلاحِ انسانیت (جمال) کا عنصر شامل نہیں ہے ایسے اقتدار اور قوت سے خدا کی پناہ اور ایسے بے نور علم سے جو خدا شناسی کی لذتِ وصال سے ناآشنا ہے خدا کی پناہ

علم بے عشق است از طاغوتیاں

علم با عشق است از لاہوتیاں!

وہ علم جو عشق (خدا شناسی، خودی اور انسان دوستی) سے عاری ہو، 'طاغوت' (آسمانی ہدایت کے دشمنوں) کی طرف سے ہے اور وہ حکمت و علم جو انسان کو خودی اور پھر خدا سے آشنا کر دے وہ 'لاہوت' ہے

بے محبت علم و حکمت مردۂ
عقل تیرے بر ہدف ناخوردۂ

(حکمت اور نوری علم انسان کو اسی لئے دیا گیا ہے کہ وہ محکماتِ قرآنی کے مطابق خلافت آدم کی بساط کل رُوئے ارضی پر بچھادے) اگر علم بے نور ہو اور حکمت قرآنی کی جگہ حکمت ابلیسی آجائے ایسا علم بے جان ہے کہ انسانیت مرجاتی ہے اور اس سے عقل انسانی ایک ایسا تیر ہے جو کبھی نشانے پر نہیں پہنچتا

کور را بیننده از دیدار کن
بولہب را حیدرِ کرار کن!

اے مسلمان! اے قرآن کے ماننے والے! اے محکمات قرآنی پر یقین کے دعویدار! اٹھو مغرب کے حالیہ بے نور علم کو خدا شناسی سے اور خودی شناسی دیکھنے والا بنادو اور حالیہ مغربی (سرمایہ دارانہ) تہذیب کو بولہبی سے نکال کر (خلافت آدم اور الارض للہ کے محکمات قرآنی پر یقین سے) حیدرا کرار بنادو

غلامم جز رضاے تو نجویم
جز آں راہے کہ فرمودی نہ پویم
ولیکن گر بہ ایں ناداں بگوئی
خرے را اسب تازی گو، نہ گویم!

میں غلام ہوں اور صرف تیری رضا کا طلب گار ہوں، میں اس راستے کے سوا نہیں چلتا جس پر چلنے کا تو نے حکم دیا لیکن اگر تو اس ناسمجھ سے یہ کہے گا کہ گدھے کو عربی گھوڑا کہہ، تو یہ میں نہیں کہوں گا۔

علامہ اقبال

نظامِ عدلِ اجتماعی

رکاوٹیں اور ان کے دور کرنے کا طریقہ

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

رسولوں کو بھیجنے کا مقصد

قرآن مجید میں رسولوں کی بعثت کا بنیادی مقصد سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲۵ میں بیان فرمایا گیا ہے...... فرمایا: ﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ﴾ ''بلاشبہ، بالتحقیق ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو بینات کے ساتھ''۔ یعنی واضح تعلیمات اور واضح نشانیاں دے کر۔ ﴿وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡمِیۡزَانَ﴾ ''اور ہم نے ان رسولوں کے ساتھ کتاب بھی نازل فرمائی اور میزان بھی''۔ یہ سب کس لیے کیا! رسول کیوں بھیجے! کتاب اور میزان کس لیے نازل فرمائی اس مقصد کو آیت کے اگلے حصہ میں معین فرمایا گیا ہے۔ ﴿لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ﴾ ''تاکہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہوں''۔ گویا رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجنے اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان یعنی شریعت نازل فرمانے کی غایت اور مقصد کو یہاں بیان فرمایا جا رہا ہے کہ ﴿لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ﴾ تاکہ لوگ عدل وقسط پر قائم ہوں۔ ظلم کا خاتمہ ہو جائے، جبر کا خاتمہ ہو جائے، استبداد کا خاتمہ ہو جائے اور استحصال کا قلع قمع ہو جائے۔ لیکن یہ نظامِ عدل کون سا ہوگا! ایک عدل کا نظام وہ ہے جو انسان اپنے ذہن سے بناتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ کوئی System of Social Justice (معاشرتی انصاف کا نظام) وجود میں آ جائے۔ چنانچہ نظامِ عدل اجتماعی کا ایک تصور وہ ہے جو کمیونسٹوں کے ہاں ملتا ہے۔ ایک تصور مغربی ممالک کا ہے۔ کوشش سب کی یہ ہے کہ ہم کسی حقیقی نظامِ عدلِ اجتماعی تک پہنچ جائیں۔ لیکن انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے جتنے تصورات ہیں

ان میں کسی نہ کسی پہلو سے کوئی نقص یا خامی رہ جاتی ہے۔ حقیقی نظامِ عدلِ اجتماعی صرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے ذریعے سے نوعِ انسانی کو عطا فرماتا ہے جسے ہم دین وشریعت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اللہ کے آخری نبی اور رسول محمد ﷺ پر اس شریعت کی تکمیل ہوگئی ہے۔ یہ نظام جس نے ہر ایک کے فرائض اور حقوق کا صحیح صحیح تعین کر دیا ہے، جس نے طے کر دیا ہے کہ کس کو کیا دیا جائے گا اور کس سے کیا وصول کیا جائے گا، جس نے معاشرے کے تمام طبقات کے حقوق و فرائض کا تعین نہایت متوازن اور فطری انداز میں کیا ہے اور جس نے ہر شعبۂ زندگی کا احاطہ کیا ہے، جس میں معاشرت بھی ہے اور سیاست بھی، تجارت بھی ہے اور معیشت بھی۔ جان لیجیے کہ اس نظامِ عدل وقسط کو قائم کرنا انبیاء کی بعثت کا ایک اہم مقصد رہا ہے اور یہ ہے وہ بات جو سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں بیان ہوئی ہے۔

اب ذرا اس پہلو پر غور کیجیے کہ اس نظامِ عدل وقسط کے قیام میں رکاوٹ کون بنے گا! ظاہر بات ہے کہ جو مظلوم ہیں وہ تو چاہیں گے کہ ظلم کا خاتمہ ہو، جو مستضعفین ہیں، جنہیں دبا لیا گیا ہے، جن کے حقوق غصب کیے گئے ہیں وہ تو چاہیں گے کہ ظالمانہ نظام ختم ہو جائے اور عادلانہ نظام قائم ہو۔ لیکن جو ظالم ہیں جنھوں نے ناجائز طور پر اپنی حکومتوں کے قلادے لوگوں کی گردنوں پر رکھے ہوئے ہیں، جنھوں نے دولت کی تقسیم کا ایک غیر منصفانہ نظام قائم کیا ہوا ہے جس کے باعث ان کے پاس دولت کے انبار جمع ہو رہے ہیں چاہے دوسروں کو دو وقت کی روٹی بھی نہ مل رہی ہو، کیا وہ کبھی پسند کریں گے کہ استحصالی وظالمانہ نظام ختم ہو جائے اور عدل وقسط کا نظام قائم ہو! شریعت خداوندی و میزانِ عدل نصب ہو جائے۔ ان کی عظیم اکثریت یہ تبدیلی بالکل پسند نہیں کرے گی۔ لیکن ان طبقات میں بھی کچھ سلیم الطبع لوگ ہوتے ہیں جو بیدار ہو جاتے ہیں، ان کو احساس ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ نظام غلط ہے، باطل ہے۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کے نتیجے میں خود آلِ فرعون میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تھے۔ ایک مؤمن آلِ فرعون کا ذکر موجود ہے۔ سورۃ المومن میں ان کی پوری تقریر نقل کی گئی ہے جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے ﴿وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗ﴾ (المومن: ۲۸) یہ صاحب جو آلِ فرعون کے اہم سرداروں میں سے تھے، فرعون

کے دربار میں ان کا اونچا مقام تھا، ایمان لے آئے تھے۔ یہ اس لیے ہوا کہ ان کی انسانیت بیدار تھی۔ معلوم ہوا کہ ظالم اور استحصالی طبقات میں بھی کچھ سلیم الفطرت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب حق کی دعوت ان کے سامنے آتی ہے تو اسے قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد ہمیشہ آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے اور عظیم اکثریت انہی لوگوں کی ہوتی ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ حالات جوں کے توں (STATUS QUO) رہیں، تاکہ ان کے مفادات اور منفعتوں پر کوئی آنچ نہ آئے۔ جاگیرداری نظام ہے تو جاگیردار کبھی پسند نہیں کرے گا کہ وہ نظام ختم ہو جائے۔ سرمایہ دارانہ نظام ہے تو سرمایہ دار کبھی نہیں چاہے گا کہ وہ نظام ختم ہو جائے۔ ہندو معاشرے میں برہمن کبھی پسند نہیں کرے گا کہ ذات پات کی اونچ نیچ ختم ہو جائے برہمن کو جو اونچا مقام ملا ہوا ہے کیا وہ چاہے گا کہ شودر کو اس کے برابر بنا دیا جائے۔ لہٰذا چاہے سماجی ظلم ہو، چاہے معاشی ظلم ہو اور چاہے سیاسی ظلم ہو، ظالم طبقات کی عظیم اکثریت اپنے اس ظالمانہ نظام کی مدافعت اور محافظت (protection) کے لیے میدان میں آجاتی ہے۔

یہی وجہ سے ہے کہ سورۃ الحدید کی اس آیت مبارکہ کے اگلے ٹکڑے میں فرما دیا گیا ﴿وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡهِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ ایسے لوگوں کی سرکوبی اور علاج کے لیے ہم نے لوہا بھی اُتارا ہے۔ لوہے میں جنگ کی صلاحیت ہے، اس سے اسلحہ بنتا ہے۔ لوگوں کے لیے اس لوہے میں دیگر تمدنی فائدے بھی ہیں۔ لیکن اس آیت کی رو سے لوہے کا اصل مقصد یہ ہے کہ میزانِ خداوندی کے نصب کرنے کے مشن میں جو لوگ بھی رسولوں کے اَعوان و اَنصار بنیں اور نظامِ عدل و قسط کے قیام کے لیے تن من دھن لگانے کے لیے تیار ہو جائیں، وہ حسبِ ضرورت اور حسبِ موقع اس لوہے کی طاقت کو استعمال کریں اور ان لوگوں کی سرکوبی کریں جو اس راہ میں مزاحم ہوں۔ چنانچہ اسی آیت مبارکہ کے اگلے حصہ میں اس کو اللہ تعالیٰ ایمان کی کسوٹی اور اپنی اور اپنے رسولوں کی نصرت قرار دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلِیَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالۡغَیۡبِ﴾ یعنی اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون ہیں اس کے وفادار بندے جو غیب میں رہتے ہوئے اللہ کے دین کی اقامت کے لیے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ یہ آیتِ مبارکہ ختم ہوتی ہے ان الفاظِ مبارکہ پر ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ﴾ ”بے شک اللہ قوی ہے، زور آور ہے، زبردست

اور غالب ہے''۔ یعنی لوہے کی طاقت کو ہاتھ میں لے کر اللہ کی راہ میں محنت کرنے اور اللہ کی نازل کردہ میزانِ شریعت کو نصب کرنے کی تعلیم و ہدایت اس لیے نہیں دی جا رہی کہ معاذ اللہ وہ تمہاری مدد کا محتاج ہے۔ اس القوی العزیز کو تمہاری مدد کی کیا حاجت! البتہ تمہاری وفاداری اور ایمان کا امتحان مقصود ہے۔ سورۃ الحدید کی یہ آیت قرآن مجید کی بڑی انقلابی آیت ہے اور اس میں عمومی اسلوب و انداز میں ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر رسولوں کی بعثت کا مقصد، ان کی کو کتاب و میزان دینے کی غایت اور لوہے کے نزول کا سبب بیان ہوا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت: غلبہ دین

یہی بات اور یہی مضمون، معین طور پر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے امتیازی مقصد کے ذکر میں قرآن حکیم میں تین جگہ یعنی سورۃ التوبہ ۳۳، سورۃ الفتح ۲۸ اور سورۃ الصّف ۹ میں فرمایا گیا۔ فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ﴾ ''وہی (اللہ) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول ﷺ کو'' (لفظ رسول کی جمع رُسُلٌ ہے۔ سورۃ الحدید کی آیت ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا﴾ میں لفظ رُسُل استعمال ہوا تھا جو جمع کا صیغہ ہے۔ اس سے تمام رسول مراد تھے جبکہ ان تین آیات میں واحد کا صیغہ رَسُوْلٌ آیا ہے جس سے نبی اکرم ﷺ مراد ہیں)۔ کیا دے کر بھیجا ہے؟ بِالْهُدٰی۔ پہلی چیز جو حضور ﷺ دے کر بھیجے گئے وہ ہے الْهُدٰی یعنی قرآن حکیم، ابدی ہدایت نامہ

؎ نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حامل اُو رحمۃ للعالمینؐ

آپ کو یاد آ گیا ہوگا کہ ٹیلی ویژن پر کبھی میرا ایک پروگرام چلتا تھا، میں نے اس کا نام خود ''الہدیٰ'' تجویز کیا تھا اور وہ اسی آیت سے ماخوذ تھا۔ لیکن حضور ﷺ کو صرف الہدیٰ نہیں دیا گیا بلکہ ایک اور چیز بھی عطا کی گئی ﴿وَدِیْنِ الْحَقِّ﴾ ''اور حق کا دین یا سچا دین'' بھی دیا گیا۔ یہ ہے وہ نظام، جو عدل و قسط پر مبنی ہے۔ اللہ کی طرف سے نوعِ انسانی کے لیے آخری اور مکمل شریعت! رسول اللہ ﷺ کو کیوں بھیجا گیا! حضور ﷺ کو دین حق کس لیے دیا گیا! اس امتیازی مقصد کی تعیین ہے جو اس آیت سے واضح ہوئی۔ آپ غور کیجیے کہ حضور ﷺ نے دعوت بھی دی، تبلیغ بھی فرمائی، تربیت بھی دی،

تزکیہ بھی کیا۔ یہ سب کچھ کیا۔لیکن اس تمام جدوجہد (STRUGGLE) کا مقصد (GOAL) کیا ہے۔! وہ ہے ﴿لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ﴾ ’’تا کہ اس دین حق کو اور اس نظام عدل وقسط کو پورے نظام اطاعت پر غالب کر دیں‘‘ زندگی کا کوئی گوشہ اس سے باہر نہ رہ جائے۔ معاشرت ہو، معیشت ہو، سیاست ہو، حکومت ہو، قانون ہو، دیوانی قانون ہو چاہے فوجداری، عبادات ہوں، معاملات ہوں، صلح و جنگ ہو۔ ہر شے دین حق کے تابع ہو جائے۔ اسی مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

اب آپ غور کیجئے کہ یہ ہے مقصد بعثت تمام رسولوں کا کہ نظام عدل وقسط قائم ہو، ظلم و ناانصافی، جبر و استبداد اور استحصال کا خاتمہ ہو جائے اور اس نظام عدل وقسط کے قیام کے لیے جو اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے نازل فرمایا، اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔ یہی مقصد بعثت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے جو قرآن حکیم میں تین مقامات پر بیان ہوا ہے۔ اب جبکہ حضور ﷺ کی بعثت خصوصی کا مقصد معین ہو گیا تو اللہ اور اس کے آخری نبی و رسول ﷺ پر ایمان لانے اور حضور ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرنے کے کچھ نتائج اور تقاضے ہیں جو سامنے آتے ہیں۔ میں اب انہیں ترتیب وار آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

حضور ﷺ کی محبت اور حضور ﷺ کے اتباع کا پہلا نتیجہ یہ نکلنا چاہیے کہ ہماری زندگی کا مقصد وہی قرار پائے جو آپؐ کی بعثت کا مقصد ہے۔ باقی تمام چیزیں اس کے تابع ہو جائیں۔ اگر مقصد یہ نہیں ہے پھر تو نقشہ ہی جدا ہو گیا۔ ہم نے زندگی کے بعض گوشوں میں حضور ﷺ کی پیروی کر لی، مثلاً حضور ﷺ کے لباس کی، وضع قطع کی، آپ ﷺ کے روزانہ کے معمولات کی پیروی کر لی تو اپنی جگہ ہر چیز مبارک ہے، حضور ﷺ کے نقش قدم کی جس طور اور جس انداز سے بھی پیروی کی جائے گی وہ نہایت مبارک ہے، لیکن بحیثیت مجموعی حضور ﷺ نے اپنی زندگی کی جدوجہد کا جو رخ معین فرمایا وہ اگر ہم نے اختیار کیا نہیں تو ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں اتباع نتیجہ خیز نہیں ہوگا۔ جیسے کہ سورۃ البقرہ کے سترہویں رکوع میں فرمایا گیا: ﴿وَلِکُلٍّ وِّجۡهَةٌ هُوَ مُوَلِّیۡهَا ﴾ ’’ہر شخص کے سامنے کوئی ہدف ہے، کوئی مقصد ہے، جس کی طرف وہ بڑھ رہا ہے‘‘۔ آپ حضرات

نے STRUGGLE FOR EXISTANCE کے نظریہ کا مطالعہ کیا ہوگا۔ آپ لوگ تو میڈیکل کے طلبہ ہیں، ظاہر بات ہے کہ آپ نے ڈارون کا فلسفہ پڑھا ہوگا اور آپ اس کے نظریہ SURVIVAL OF THE FITTEST سے واقف ہوں گے۔ اس جہادِ زندگانی میں ہر شخص زور لگا رہا ہے، آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے اور ہر ایک کا کوئی نہ کوئی ہدف ہے۔ تو پہلی چیز جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے تقاضے کے طور پر سامنے آئی وہ یہ ہے کہ ہمارا ہدف بھی وہی ہو جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اس وقت اس ہدف کے لفظ سے بے اختیار میرا ذہن علامہ اقبال مرحوم کے اس مصرع کی طرف منتقل ہوا کہ ؏ ''آہ وہ تیرِ نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف''۔

تیر انداز پہلے تو اپنا ایک نشانہ مقرر کرتا ہے کہ میں نے تیر مارنا کہاں ہے! پھر اس کی قوت روبعمل آتی ہے وہ جتنے زور کے ساتھ کمان کو کھینچ سکے گا اسی زور سے وہ تیر اپنے ہدف کی طرف جائے گا۔ علامہ نے اس مصرع میں دو چیزیں جمع کر دیں کسی تیر انداز کی جدوجہد کے ضائع اور نتیجہ ہونے میں دو عوامل (FACTORS) شامل ہوتے ہیں: پہلا یہ کہ ہدف (GOAL) معین نہیں۔ دوسرا یہ کہ کمان کو نیم دلانہ اور پوری قوت سے کھینچا نہیں گیا ہے۔ اس پر پورا زور نہیں لگایا گیا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ کوئی تیر ادھر چلا گیا کوئی ادھر کو چلا گیا۔ ضروری ہوگا کہ ہدف بھی صحیح معین ہو اور پھر پوری قوت کے ساتھ تیر چلا کر اس ٹارگٹ کو HIT کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ دونوں چیزیں نہیں ہوں گی تو تیر بے کار جائے گا۔

بہرحال میں جو بات خاص عرض کر رہا تھا وہ یہ ہے کہ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا تقاضا ہے اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی منزل کیا ہوگی؟ یہ کہ ہر مسلمان شعوری طور پر اپنی زندگی کا ہدف معین کر لے کہ میری زندگی کا مقصد، میری زندگی کا ہدف، میری بھاگ دوڑ کی منزل مقصود وہی ہے جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور وہ ہے اللہ کے دین کا غلبہ۔ اسے ملک نصر اللہ عزیز مرحوم نے ایک بڑے سادے انداز میں شعر کا جامہ پہنایا ہے

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی!

میں نماز پڑھتا ہوں تاکہ اللہ یاد رہے۔ روزہ رکھتا ہوں تاکہ نفس کے منہ زور گھوڑے کو قابو میں

رکھنے کی صلاحیت مجھ میں برقرار رہے۔ زکوۃ ادا کرتا ہوں تا کہ مال کی محبت دل میں ڈیرا لگا کر نہ بیٹھ رہے۔ لیکن ان تمام اعمال کو ایک وحدت میں پرونے والا مقصد کیا ہے! وہ ہے اللہ کے دین کی سرفرازی، اللہ کے دین کی سربلندی۔ جس شخص کی زندگی کا ہدف یہ نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہیں سے اس کی زندگی کا کانٹا بدل گیا۔ اب اس کا رخ کچھ اور ہو گیا اب بعض اجزاء میں وہ حضور ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کر بھی رہا ہے تو جب پٹڑی بدل گئی اور بحیثیت مجموعی حضور کا اتباع مقصود و مطلوب نہ رہا تو اب اس جزوی پیروی کی کوئی اہمیت نہیں رہے گی۔ البتہ بحیثیت مجموعی اگر رخ وہی اختیار کر لیا تو اب ہر معاملہ میں حضور ﷺ کی پیروی نورٌ علیٰ نور کے درجہ میں آ جائے گی۔

(ماخوذ از ”حبِّ رسول ﷺ اور اس کے تقاضے“، تالیف: ڈاکٹر اسرار احمد)

If you want to

know how rich you really are,

find out what would be left

of you tomorrow

if you should lose

every dollar you

own tonight?

مغربی اقوام (یورپ وامریکہ) کے ایوانِ مشاورت

ابلیس کی مجلس شوریٰ

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

(کی کتاب ''نقوشِ اقبال'' سے ماخوذ)

اقبال کے آخری مجموعۂ کلام ''ارمغانِ حجاز'' میں ایک نادِرالاسلوب نظم مذکورہ بالا عنوان سے ملتی ہے، جس میں اقبال نے ایک شیطانی پارلیمنٹ کا نقشہ کھینچا اور دکھایا ہے کہ اس میں دنیا کے ابلیسی نظام کے ممتاز نمائندے شریک ہوتے ہیں اوران رجحانات، تحریکات اور سیاسی نظریات کا جائزہ لیتے ہیں، جوان کی مہم کی راہ میں رکاوٹ اوران کے مساعی ومقاصد کے لیے سنگ گراں ہیں۔ اس میں ابلیس کے مشیر اپنی اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں اور پھر صدر جلسہ ابلیس ان سب رایوں کو دیکھ کران پر تبصرہ کرتا اوراپنے وسیع تجربات اور جہاں بینی کی روشنی میں اپنی آخری رائے دیتا ہے، وہ رائے ایسی ہے، جس تک اس کے کسی شاگرد کی نظر نہیں پہنچتی اور سب اس پر صاد کرتے ہیں۔

اس کی رائے کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں مسلمان ہی اس کا واحد مقابل اور جانی دشمن ہے، جواس کے شیطانی نظام کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے، مسلمان ہی وہ چنگاری ہے جو کسی وقت بھی بھڑک کر آتش شعلہ فشاں بن سکتی ہے۔ اس لیے مصلحت اور دانائی کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی تمام طاقتیں اسی دشمن نمبر ایک کے مقابلے پر لگادی جائیں اور اگر اسے ختم نہ کیا جاسکے تب بھی اس کا زور توڑ دیا جائے یا اس پر غفلت کی نیند ہی طاری کردی جائے۔

اس نظم میں مسلمان کی تصویر اس کے نازک خط وخال کے ساتھ کھنچ گئی ہے اوراس کے ساتھ ہی دوسرے افکار ومذاہب ونظریات اوران کے قائدین پر بھی روشنی پڑ گئی ہے۔

نظم کا خلاصہ یہ ہے:

شیطان اور اس کے مشیر ایک مجلس شوریٰ میں جمع ہوکر عالمی مسائل اور مستقبل کے خطرات کا جائزہ لیتے ہیں، جو ابلیسی نظام اور شیطانی پروگرام کی راہ میں آنے والے ہیں اور ان کے لیے سب سے بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

شیطان کے مشیر اسلامی نظام سے پہلے دوسرے نظام ہائے فکر کا نام لیتے ہیں، سب سے پہلے ابلیس حاضرین کو خطاب کرتا ہے:۔

یہ عناصر کا پرانا کھیل! یہ دُنیائے دُوں
ساکنانِ عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خوں!
اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف ونوں
میں نے دِکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتشِ سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوزِ دروں
جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخلِ کہن کو سرنگوں؟

اس تقریر کے بعد پہلا مشیر کہتا ہے کہ ابلیسی نظام کے استحکام میں کیا شک ہوسکتا ہے، اس نے شاہ و گدا سب کو جکڑ ہی رکھا ہے عوام غلامی پر راضی ہیں اور اپنی پستی پر خوش وخرم ان کے دل بے ذوق ہیں، جن میں کوئی آرزو سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو تمنائے خام بن کر رہ جاتی ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ ہماری مسلسل تگ و دَو اور سعیٔ پیہم کا نتیجہ ہے کہ صوفی و ملا جنھیں مسلم عوام کی قیادت حاصل ہے، ان کی اکثریت ملوکیت پر راضی ہوگئی ہے، روحانیت، تزکیۂ نفس، صفائی باطن تصوف وعرفان اور تقویٰ واحسان کو اب صوفی صرف قوالی، رقص و وجد، سرود و

سماع اور 'حال' آنے تک محدود سمجھتا ہے اور اس کے احوال و مقامات کی دنیا اس سے آگے نہیں، اسی طرح ملا یا عالم دین کا سارا علم و نظر کلامی بحثوں، الٰہیات کے مسائل، مناظروں اور الٹی سیدھی تقریروں تک محدود ہے، جن لوگوں کو عوام کی دینی اور پھر سیاسی رہنمائی کرنا تھی، وہ خود ملوکیت اور باطل حکومتوں کے غلام اور بندۂ بے دام بن کر رہ گئے ہیں، مذہب کے ظاہری رسوم کسی حد تک باقی ہیں حج و طواف کی نوبت بھی سیر و تفریح کے ساتھ کبھی آجاتی ہے، لیکن وہ جہاں بانی اور حکمرانی کے تمام آداب بھلا بیٹھے ہیں اور ان کی تیغِ بے نیام کند ہو کر رہ گئی ہے اور ان کی نومیدئ جاوید کا یہ حال ہے کہ اب گویا حرمتِ جہاد پر اجماع ہو گیا ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام
ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام
آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام
یہ ہماری سعیِ پیہم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و مُلا ملوکیت کے بندے ہیں تمام
طبعِ مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ 'قوالی' سے کچھ کم تر نہیں 'علمِ کلام'!
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام
کس کی نومیدی پہ حجت ہے یہ فرمانِ جدید؟
'ہے جہاد اس دَور میں مردِ مسلماں پر حرام!'

دوسرا مشیر جمہوریت کو سب سے بڑا خطرہ بتاتا ہے:

خیر ہے سلطانئ جمہور کا غوغا کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر!

اس پر پہلا مشیر کہتا ہے کہ مجھے تو جمہوریت سے کوئی خطرہ نہیں محسوس ہوتا، میں تو اسے ملوکیت ہی کا ایک دلآویز پردہ سمجھتا ہوں جس میں اس کا مکروہ چہرہ چھپا ہوا ہے، آخر ہمیں نے تو شاہی کو جمہوری لباس پہنایا ہے اس طرح وہ ہمارا ہی پروردہ ہے۔

جب انسان ملوکیت کے جبر سے اُکتا کر متنبہ اور بیدار ہونے لگتا اور اپنی عزت و خودداری سمجھنے لگتا ہے اور ہمیں اپنے نظام کے لیے جب کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو ہم اسے جمہوریت کا کھلونا دے کر بہلانے کی کوشش کرتے ہیں، میر و وزیر ہی صرف بادشاہی کے نمائندے نہیں بلکہ اس کی بے شمار صورتیں ہیں، ملوکیت کسی فرد اور شخص ہی پر منحصر نہیں ہوتی، ملوکیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان دوسروں کی محنت کا استحصال کرے اور جور و جبر یا حیلہ و مکر سے دوسروں کے مال و متاع پر غاصبانہ نظر ڈالے، اس میں فرد و جماعت کسی کی تخصیص نہیں، مغرب کا جمہوری نظام بھی اس سے بری نہیں اس کا چہرہ ضرور روشن ہے لیکن اس کا باطن چنگیز و ہلاکو سے زیادہ تاریک اور بھیانک ہے۔

ہوں، مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پردہ ہو، کیا اُس سے خطر!
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ 'میر و سلطاں' پر نہیں ہے منحصر
مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں، غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر!

اس وضاحت اور تسلی کے بعد تیسرا مشیر اطمینان کی سانس لیتا ہے اور کہتا ہے اگر ایسا ہوتا ہے تو ملوکیت کی روح باقی رہنے سے بھی کوئی حرج نہیں لیکن اس فتنۂ عظیم کا کیا جواب ہے جو اس فتنہ پرداز اور خانہ برانداز یہودی 'کارل مارکس' کی ایجاد ہے جو نبی نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے

کامریڈوں کے نزدیک کسی نبی سے کم نہیں، اس کی ذات انقلابی ضرور تھی لیکن وہ آسمانی ہدایتوں سے محرومی کے باعث کلیم بے تجلی اور مسیح بے صلیب بن کر رہ گیا اور دنیا کو کوئی صحیح راہِ عمل (WAY OF LIFE) نہیں دے سکا، وہ ہر مذہب کا منکر اور ہر کتابِ ہدایت سے باغی ہے لیکن اس کی CAPITAL کمیونسٹوں کی نظر میں کسی آسمانی صحیفہ سے فروتر نہیں اور کمیونزم سارے مذاہب کا انکار کرتے ہوئے بھی خود ایک مذہب بن بیٹھا ہے اور دنیا میں ایک تہلکہ مچا رکھا ہے، طبقاتی کشمکش پیدا کر کے امیر و غریب بوژر وا اور پرولتارین کو ایک دوسرے سے لڑا دیا اور قوموں کے درمیان نفرت و عداوت کا بیج بو دیا ہے۔

روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اُس یہودی کی شرارت کا جواب؟
وہ کلیمِ بے تجلّی، وہ مسیحِ بے صلیب
نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہِ پردہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب!
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب!

پانچواں مشیر ابلیس کو مخاطب کر کے کہتا ہے: ساحرانِ فرنگ اگرچہ آپ ہی کے چیلے اور عقیدتمند مرید ہیں لیکن اب مجھے ان کی فراست پر کچھ زیادہ بھروسہ نہیں، وہ سامری یہودی (کارل مارکس جو ایرانی اشتراکی لیڈر مزدک کی روح کا ظہور ہے) دنیا کو تہ و بالا کیے دے رہا ہے، اس نے وہ سحر کیا ہے کہ ہر چھوٹا اپنے بڑے کی پگڑی اُچھالنے پر تلا ہوا ہے، اور چور اُچکے بھی بادشاہوں کی برابری اور ہمسری کا دعوا کر رہے ہیں، ہم نے شروع میں تو اس فتنہ کو چھوٹا سمجھ کر اس کی خبر نہ لی لیکن اب اس کا خطرہ بڑھتا ہی جاتا ہے اور مستقبل کے اندیشوں سے زمین کانپ رہی ہے، آپ کی سیادت و قیادت کی بساط ہی اُلٹی جا رہی ہے اور وہ دنیا ہی اس قیامت کے نذر ہو رہی ہے جس پر آپ کی حکمرانی قائم ہے۔

گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار
وہ یہودی فتنہ گر، وہ روحِ مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار
زاغِ دشتی ہو رہا ہے ہمسرِ شاہین و چرغ
کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار
چھا گئی آشفتہ ہو کر وسعتِ افلاک پر
جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اک مشتِ غبار
فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار
میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

آخر میں ابلیس اپنے مشیروں کو مخاطب کر کے اپنی آخری رائے دیتا اور اپنا قطعی فیصلہ اور پروگرام سب کے سامنے رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ ان تحریکات اور نظریات سے کچھ نہیں ہوسکتا اصل عالمی اقتدار اب بھی میرے پنجہ اختیار میں ہے، دنیا کے ہر اُتار چڑھاؤ اور سیاسی اتھل پتھل میں میرا ہاتھ ضرور رہتا ہے، جہاں میں نے قوموں اور ملکوں کو آپس میں لڑا دیا اور خصوصاً اقوامِ یورپ کا لہو گرمایا تو دنیا میری طاقت کا اندازہ لگا لے گی، انسان حیوانوں کی طرح ایک دوسرے پر غرائیں گے اور بھیڑیوں کی طرح ایک دوسروں کو پھاڑ کھائیں گے میں ذرا کان بھر دوں تو یورپ کے امامانِ سیاست، کلیسا کے مقدس پوپ کی روحانیت اور ذہانت دھری رہ جائے اور دیوانگی اور مخبوط الحواسی کی وحشت ان پر طاری ہو جائے اور غصہ میں اندھے ہو کر مجنونانہ حرکتیں کرنے لگیں۔

اشتراکیت سے مجھے اس لیے خطرہ نہیں محسوس ہوتا کہ وہ فطرت کے خلاف جنگ کرتی ہے اور انسانوں کے درمیان جو طبعی فرق ہے اسے منطق کے زور سے مٹانا چاہتی ہے، یہ سر پھرے اور لاخیرے مجھے کب ڈرا سکتے ہیں:

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمیں، کیا مہر و مہ، کیا آسمانِ تو بتو
دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا غرب و شرق
میں نے جب گرما دیا اقوامِ یورپ کا لہو
کیا امامانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو
کارگاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و سبو!
دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ مو

ابلیس سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر واقعی مجھے کسی سے خطرہ ہے تو اُمت مسلمہ اور ملت محمد یہ سے ہے، جس کی خاکستر میں نئی زندگی کے شرارے اور عزم و ہمت کے انگارے چھپے اور دبے ہوئے ہیں، جس کی رسی جل گئی ہے مگر اس کے بل نہیں گئے۔ یہ امت اگرچہ جماعتی حیثیت سے پس ماندہ ہوگئی ہے، لیکن اس میں باشعور و باصلاحیت افراد اور عبقری شخصیتوں کی کمی نہیں، اس کا ملّی شیرازہ برہم ضرور ہے، لیکن رجال کار اور مردانِ غیب کی اس میں اب بھی کمی نہیں جو شکست کو فتح سے بدلنے، ہاری ہوئی بازی کو جیتنے اور ڈوبی ہوئی کشتی کو تیرانے کی اہلیت اور ہمت رکھتے ہیں، اس قوم میں ایسے اصحابِ عزیمت و استقامت اب بھی موجود ہیں جن کی سحرخیزی و شب بیداری ہنوز برقرار ہے، ان کی راتیں سوز و گداز، عرض و نیاز میں بسر ہوتی ہیں، جو اشک سحرگاہی سے وضو کرتے ہیں اور دعائے نیم شبی اور نالہ سحرگاہی جن کا سب سے بڑا ہتھیار رہے، اس لیے زمانہ شناس جانتا ہے کہ اسلام ہی کل کا فتنہ اور مستقبل کا خطرہ ہے، اشتراکیت نہیں۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے، جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے!

ابلیس اپنے خیالات اور خدشات کا اظہار کرتے ہوئے مزید کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ اُمت قرآنی پروگرام کی حامل اور اس پر عامل نہیں، مال کی محبت، ذخیرہ اندوزی اور نفع رسانی کے بجائے نفع طلبی اور سرمایہ داری اس کا بھی مذہب بنتی جارہی ہے، مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مشرق کی رات اور اس کا مستقبل بہت تاریک ہے اور علمائے اسلام اور رہنماؤں کے پاس وہ روشنی نہیں جس سے تاریکیاں دور اور اندھیاریاں کافور ہوجاتی ہیں، ان کی آستیں 'ید بیضا' سے خالی اور ان کی جماعت کسی مسیحا نفس سے محروم ہے۔ ......لیکن زمانے کے انقلابات اور مقتضیات سے مجھے خطرہ ہے کہ وہ کہیں اس اُمت کی بیداری کا سامان نہ بن جائیں اور وہ پھر سے دینِ محمدی کی طرف بازگشت نہ کرنے لگے، ''دین محمدی'' اور شرع اسلامی کی ہمہ گیری اور کارسازی کا تمھیں اندازہ نہیں...... یہ 'آتشیں شریعت' خاندانی نظام، مرد و زَن کے حقوق کی حفاظت و صیانت اور صالح معاشرہ کی تعمیر کرتی ہے، یہ دین عزت وحرمت، امانت وعفت، مروّت وشجاعت، کرم وسخاوت اور تقویٰ وطہارت کا دین ہے، یہ دنیا سے باطل کی ہر غلامی اور انسانوں کے ساتھ ہر ناانصافی کو مٹا کر رکھ دیتا ہے، اس میں شاہ وگدا، وزیر وفقیر اور اونچ نیچ کا کوئی امتیاز نہیں، اس کا نظامِ زکوٰۃ مال کے بارے میں متوازن نظریہ رکھتا ہے اور سرمایہ داروں کے مال کو بھی اللہ کی امانت اور غریبوں کا حق کہتا ہے اور فکر وعمل کی دنیا میں اس نے اپنے اس نظریے سے انقلاب پیدا کر دیا ہے کہ زمین اللہ کی ہے، بادشاہ وسلاطین کی نہیں، اس لیے پوری کوشش ہونی چاہیے کہ یہ دین نگاہوں سے پوشیدہ رہے اور اس کی خوبیاں چھپی رہیں، ہمارے لیے یہ اُمید افزا علامت ہے کہ مؤمن خود ایمان سے محروم ہے اور الٰہیات وتاویلات میں اُلجھا ہوا ہے، اس اُمت کو تھپکیاں دے دے کر سلائے رہو کہیں ایسا نہ ہو کہ

وہ جاگ اُٹھے اور اپنی تکبیروں سے فسانہ وافسوں اور شیطانی سحر و طلسم کے تار و پود بکھیر دے، اس پر پورا زور لگنا چاہیے کہ شامِ زندگی شب زندگی میں بدلے لیکن صبح کا اُجالا نہ پھیل سکے، مومن کی جہد و عمل کی رزمگاہ سے الگ تھلگ ہی رکھو تا کہ زندگی کے ہر محاذ پر وہ ناکام ہی ہوتا رہے اور بساطِ عالم پر اپنا رول نہ ادا کر سکے، عالم اسلام کی غلامی استعمار کے لیے ضروری ہے اور اس کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ شعر و تصوف توکل اور ترکِ دنیا کا افیون اسے دیتے رہا جائے، خانقاہی مزاج، اوہام وخرافات اور رسم و رواج کا یہ جس قدر پابند اور رہبانیت پر جتنا کاربند ہوگا اتنا ہی عالم کردار سے دور رہے گا۔۔ پھر سن لو کہ اس اُمت سے اور اس کی بیدار سے میں اس لیے ڈرتا ہوں کہ اس کی بیداری کا مطلب ایک قوم کی بیداری نہیں بلکہ دنیا کی بیداری کے ہیں، اس قوم میں ذات و کائنات دونوں کا رشتہ جڑا ہوا ہے اور جہاں اس میں احتساب نفس ہے وہیں احتسابِ کائنات بھی!

جانتا ہوں میں یہ اُمت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دِیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے ید بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
الحذر! آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زَن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں!
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب

یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں
ہے یہی بہتر الٰہیات میں اُلجھا رہے
یہ کتابُ اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے
توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسمِ شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اسکے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے، قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اسکی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس اُمت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات
مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

چراغِ بولہبی در پے چراغِ مصطفوی

بالفرض اگر دنیا کی شیطانی تحریکات اور ابلیسی نظریات کامیاب ہوجاتے ہیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف وہ کوئی پروگرام بنانا چاہیں، تو ان کے مقاصد میں سرفہرست یہی ہوگا کہ ایمان کی اس چنگاری کو بھی بجھا دیا جائے جو خاکستر ہونے کے قریب پہنچ چکی ہے۔ ان کی سب سے پہلی کوشش یہی ہوگی کہ عرب وعجم کے دلوں سے دینی حمیت اور اسلامی غیرت کو نکال باہر کیا جائے جن کے سبب ان میں قربانی اور جہاد کا جذبہ کبھی بیدار ہو اٹھتا ہے، جس سے وہ باطل سے بغاوت کر کے خدا طلبی کی راہ پر چل پڑتے ہیں، اقبال نے اپنی نظم ''ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام'' میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں شیطان کہتا ہے، جو مجاہد فقر و فاقہ سے بھی نہیں ڈرتا اور نہ موت سے خوف کھاتا ہے اُسے مصائب سے ڈرانے اور موت سے

دھمکانے کے لیے ضروری ہے کہ روحِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے قلب و قالب سے نکال دو اور عربوں کی مرکزیت اور ان کی سادہ فطرت و عربیت ختم کرنے کے لیے ان میں لادینی افکار و فلسفہ کی اشاعت کرو، اہل حرم سے ان کی دینی میراث غصب کرلو جس کے ذریعہ تم اسلام کو گہوارۂ اسلام -حجاز و یمن- سے بھی نکال سکتے ہو اور دیکھو ان شورہ پست اور سخت جان افغانوں میں دینی غیرت اب تک چلی آرہی ہے، اس کے لیے تمہیں وہاں کے علما اور دیندار طبقہ سے نمٹنا ہوگا۔

لا کر برہمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زُناریوں کو دَیرِ کہن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو اس کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو
اقبالؔ کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو!

اس مقصد تک پہنچنے کا راستہ تعلیم ہی ہوسکتی تھی جو مسلم اسلامی فکر و روح اور دینی جذبات سے خالی کر کے اس میں نفع اندوزی و لذتیت، دنیا پرستی اور سطحیت، مسرت کی ہوس اور دولت کی حرص، مادّہ اور مادّہ پرستیوں کی عظمت، اخلاقی انحطاط، بے اعتمادی اور ریب و تشکیک اور بے دینی و الحاد کے جراثیم داخل کردے جیسا کہ اکبر نے اس نظام تعلیم کی ہلاکت آفرینی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا　　　افسوس کہ فرعون کو کالج نہ سوجھی!

ملٹی نیشنلز، دجالی کلچر اور بے حیائی

ترقی یافتہ ممالک اور مغربی تہذیب کا سرخیل
امریکہ اور اس کا تہذیبی مستقبل GAY-LORD

(حرفِ آرزو حکمت بالغہ اگست 2011ء)

فطرت انسانی میں نیکی اور بدی کے داعیات ودیعت کیے گئے ہیں اور اسی کے ذریعے حضرت انسان کو اس دنیاوی زندگی میں ایک امتحان اور آزمائش سے دوچار کیا گیا ہے۔اس کا منطقی نتیجہ یہی ہے کہ یہ زندگی عارضی ہے اور ایک دوسری زندگی ضروری ہے جہاں کے انداز اور فطری ضابطے مختلف ہوں، اس زندگی کے نتائج نکلیں اور انسان آنے والی زندگی میں اپنے اچھے یا بُرے رویوں کا دائمی زندگی کی صورت میں نتیجہ دیکھ سکے۔

فطرتِ انسانی کا تقاضا بھی یہی ہے اور نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود (WELFARE) کا مقصود بھی یہی ہوسکتا ہے کہ نیکی کے رویّے فروغ پائیں اور ایسا ماحول فراہم کیا جائے کہ انسان اپنے باطنی احساسات کے تحت نیکی کے رویے اپنا کر دوسروں کے بھی کام آئے اور بعد میں آنے والی آخرت کی زندگی میں خود بھی سرخرو ہوسکے۔ایسے لوگ ہی حقیقی معنی میں انسان دوست، علم دوست اور انسانی اقدار کے حامی ہوسکتے ہیں، ایسے لوگوں کی جتنی تعریف کی جاسکے وہ کم ہے یہی لوگ انسانیت کے محسن ہیں اور انسانیت کا حسن بھی۔

نیکی کے انہی مثبت جذبوں کا تقاضا ہے اور ہر انسان کا یہی فرض بھی بنتا ہے کہ وہ نیکی کے دشمن، نیکی کو ختم کرنے والے، نیکی کے فروغ کے راستے میں رکاوٹ بننے والے تمام افراد، اداروں، نظریات اور منفی رویوں کی اشاعت کرنے والی ہر قوت کو ختم کرنے اور اس کے استیصال

(ERADICATION) کے لئے کام کرے۔ اسی اُصول کی بنا پر دنیا بھر کے معاشروں میں معاشرتی برائیوں (SOCIAL EVILS) کے خلاف سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطح پر کام ہوتا ہے ادارے ہیں قانون ہے اور قانون کی خلاف ورزی پر سخت سزائیں بھی۔

نیکی کے مقابلے میں برائی کا جذبہ بھی انسان کے اندر ہی ودیعت شدہ ہے اور اس کے ذریعے انسانی ضمیر اور باطن میں خلش، بے چینی، بے اطمینانی اور احساسِ جرم (GUILTY CONSCIENCE) پایا جاتا ہے اور انسان اپنے فطری داعیات کے تحت برائی سے بچنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔

انفرادی سطح پر برائی کا جذبہ ظاہر ہو جائے یا انسان برائی کا ارتکاب کر بیٹھے، دو چار افراد کسی برائی میں ملوث ہو جائیں یہ بھی ممکن ہے۔ ہر انسان میں انسانی برائیاں کسی نہ درجے میں موجود ہوتی ہیں۔ اچھے معاشروں میں بُرے افراد کا تناسب بہت کم ہوتا ہے اور جب تک قانون کی زد میں نہ آ جائیں یہ برائیاں قابل درگزر بھی ہیں۔ یہ میدان وعظ، تبلیغ و نصیحت کا ہے اور دین کے غمخواروں اور بہی خواہوں کی صلاحیتوں کے اظہار کا بھی۔ تاہم یہی خفیف درجے کی برائیاں اور چند افراد فی لاکھ افراد سے بڑھ کر یہ تعداد چند افراد فی ہزار ہو جائیں یا بابت ایک فیصد یا دو فیصد تک پہنچ جائے تو یقیناً اجتماعی سطح پر باعث تشویش ہے اور زبردست اصلاحی اقدامات کی متقاضی ہے اس سے آگے اگر یہی برائی اور اس کے مرتکب حضرات کسی نادیدہ خفیہ...... ہاتھوں میں کھیلنے لگیں برائی منظّم انداز میں ہونے لگے اس کے طور طریقے، اس کی اشاعت عوامی سطح پر آ جائے تو یہ کیفیت اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ معاشرہ اندر سے گل سڑ چکا ہے۔ DECAY بہت بڑھ چکی ہے اور اگر ہنگامی بنیادوں پر اصلاح کی کوشش نہ کی گئی تو یہ معاشرہ کینسر کی مریض کی طرح ختم ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ ہے وہ ایک برگزیدہ انسان اور پیغمبر تھے وہ جس قوم کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے اس قوم میں دیگر خرابیوں کے علاوہ ایک اخلاقی برائی رواج پا چکی تھی ــــــ اور وہ تھی مردوں کا عورتوں کو نظر انداز کر کے' آپس میں جنسی اختلاط۔ اس برائی کے ارتکاب میں وہ اس حد تک جری ہو گئے تھے کہ پبلک مقامات پر کھلے عام یہ برا فعل سب کے سامنے کرتے، مقابلے منعقد کراتے تھے اور یوں اس برائی کے فروغ کے لئے ہر سطح پر

شوق پیدا کر کے آگے بڑھنے اوراس میں نمایاں ہونے کا جذبہ ہرانسان میں پیدا ہوگیا تھا۔جس کی اصلاح کے لئے حضرت لوط علیہ السلام نے کوششیں کیں ـــــ مگر وہ کوششیں بار آور نہ ہوسکیں اور ساری آسمانی کتابیں اور پیغمبروں کے ماننے والے گواہ ہیں کہ بالآخراس قوم پرعذاب آ گیا۔ یہ قوم مشرق وسطیٰ میں ایک چھوٹے سمندر کے کنارے آباد تھی مشہوراور بدنام زمانہ بستیاں (آج کی ہالی وڈ اور بالی وڈ کی طرح) سدوم (SODOM) اور عامورہ (GOMMORAH) اس کے مرکز تھے۔ پتھروں کے برسنے کے عذاب سے یہ سمندر بھی کھارا ہوگیا اور خشک ہوکر وہ سمندر اب بحیرۂ مردار (DEAD SEA) کی شکل اختیار کر گیا ہے اور وہ بستیاں بھی تباہ ہوگئیں۔اس سمندر کو بحیرۂ مرداراسی لئے کہتے ہیں۔ ہیروشیما اور ناگاساکی کی ایٹمی تباہی سے بھی سینکڑوں گنا بڑی تباہی آئی کہ آج بھی نہ اس سمندر میں زندگی کے آثار ہیں اور نہ علاقے میں تین ہزار سال سے حیات انسانی کا پہلے کی طرح فروغ ہوسکا ہے۔ایسا ہی کچھ معاملہ اٹلی (یورپ) میں پومپیائی کے غاروں کا بھی ہوا تھا جہاں اسی طرح کی کوئی قوم تباہی کا شکار ہوگئی۔

آج کی ترقی یافتہ مغربی تہذیب اور G-15 کے دیگر مما لک کے معاشروں کا بجا طور پر امریکہ سرخیل ہے۔ وہاں 1776ء میں آزادی کے بعد سے مسلسل جدوجہد کے بعد امریکی معاشرہ نے آج یہ موجودہ مقام حاصل کیا ہے۔اس امریکی قوم کا نعرہ 1776ء سے ہی ORDO NOVO SECLORUM ہے جوایک ڈالر کے امریکی کرنسی نوٹ پر تسلسل کے ساتھ چھپ رہا ہے۔

1960ء کے عشرے سے سرکاری سطح پر ایسے اقدامات ہوئے اور تعلیمی پالیسی بنی کہ ہر سطح پر امریکی شہریوں کو مذہب سے کاٹ دیا گیا اور سیکولر سوچ کو فروغ دیا گیا۔ـــ آزادی ـــ بمعنی LIBLERISM ہر قانون، ہر ضابطے، ہر اخلاقی بندش سے آزادی ـــــ ہر معاشرتی دباؤ سے بغاوت اور ہر مذہبی قانون بشمول تورات انجیل کے آسمانی قانون سے سرکشی۔اس طرزِ عمل سے یہ معاشرہ ـــــ تیزی سے زوال پذیر ہونا شروع ہوا اور اخلاقی قدروں سے مسلسل انکار سے ابلیسیت اور بے حیائی کو جواز مل گیا۔ ہر برائی امریکی معاشرہ کی نظر میں ایک VALUE بن گئی۔

بظاہر لبرل ازم کے نعرے سے VALUELESS اور MORALLESS

معاشرہ بنانے کے داعیوں کے زیر اثر امریکی معاشرہ نے ایسی شکل اختیار کی جس کی اقدار VALUES حیوانیت قرار پائی۔اس لئے کہ مذہب ہی انسان کو 'حیوان' سے برتر قرار دیتا ہے اور مذہبی قانون سے بغاوت سے سیکولرازم نے انسانیت کو حیوانیت کی طرف دھکیل دیا۔

اس معاشرے کی اقدار ــــــــ علی الاعلان جنسی اختلاط، جانوروں کی طرح رشتوں کی تمیز کا خاتمہ، لباس سے عاری ہو کر عریانیت (NUDISM) کا بطور ایک قدر (VALUE) اور مطمع نظر کے فروغ۔اسی سمت میں آگے بڑھ کر عیاشی کے عادی لبرل انسانوں نے گھر گھرہستی کی ذمہ داریوں سے فرار اختیار کر لیا اور انسانی آبادی کی شرح خوفناک حد تک گرنے لگی چنانچہ عورتوں سے بڑھ کر مردوں کو مردوں سے زیادہ دلچسپی ہوگئی، انتہائی درجے میں دو مردوں کی شادی کی اجازت مل گئی اور کئی امریکی ریاستوں (یورپی معاشروں اور بعض مشرقی ملکوں اور بھارت کی ریاستوں میں بھی) دو مردوں کی شادی کو قانوناً تسلیم کر لیا گیا اور وراثت کا حق دار بھی۔

جس جس معاشرے میں عملِ قومِ لوط فروغ پا جائے وہاں شرح پیدائش اور آبادی کی بڑھوتری ایک متروک اصطلاح ہی شمار ہوسکتی ہے لہٰذا کم سے کم مطلوب شرح پیدائش 2.2% سے گر کر اب امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، فرانس میں یہ شرح پیدائش کہیں کم ہوگئی ہے اور اٹلی وغیرہ کے ممالک میں یہ شرح 1.1% تک آگئی۔اس طرح ہر خاندان میں شرح پیدائش تقریباً ایک بچہ رہ گئی جو آئندہ مزید کم ہو کر اس معاشرے کے نام ونشان کو مٹانے کا باعث ہوگئی۔

امریکی معاشرے (اور اس کے ہم خیال دوسرے ترقی یافتہ معاشروں کو) اس سیکولر انداز فکر اور لبرل ازم پر فخر ہے' مردوں کی آپس میں شادی کے فروغ سے خوش ہیں اور کامیابی کے جشن منا رہے ہیں۔ پاکستان میں گزشتہ دنوں امریکی سفارت خانہ کے زیر اہتمام امریکیوں، امریکی نمک خواروں اور عمل قوم لوط کے پرستاروں کا اجتماع ہوا۔جس میں حاضری ان کے اپنے اندازوں سے بہت ہی کم رہی۔

امریکی معاشرے کی اس اخلاقی حالت کو امریکی دماغ اور منصوبہ ساز اپنی کامیابی قرار دے رہے ہیں اور 'خرد کا نام جنوں' اور 'جنوں کا نام خرد' رکھ کر بہت خوش ہیں۔اسی خوشی کا مظہر ہے کہ 1998ء میں ایک امریکی مصنف FUKU YAMA نے ایک کتاب لکھی جس نام تھا

"THE END OF HISTORY AND THE LAST MAN".

اس کتاب میں امریکی ELITE طبقہ کے مطابق امریکی لبرل ازم اور سیکولرازم کے تصوّرات کے تحت جو ترقی ہوئی ہے اس جیسی ترقی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں ہوئی اور امریکی معاشروں میں انسان جہاں تک پہنچ چکا ہے وہ END OF HISTORY ہے، اس سے آگے انسان جا ہی نہیں سکتا اور اس سے آگے کوئی درجہ ممکن نہیں ہے اور ـــــ ان کے نزدیک انسانی ترقی اور سوچ کا اعلیٰ ترین درجہ یہی ہے۔ یہ 1998ء کی بات ہے۔ اسی امریکی معاشرہ کی ایک اور تصویر ایک دوسرے زاویے سے ایک اور امریکی مصنف نے پیش کی ہے اور وہ تصویر فوکویاما کی پیش کردہ تصویر کے بالکل برعکس ہے۔ یہ کتاب بھی 1998ء ہی میں طبع ہوئی اور NEW YORK TIMES کی BEST SELLER کتاب بنی۔ اس کتاب کے پہلے صفحے کا عکس سامنے دیا گیا ہے۔

اس کتاب کے مصنف ہیں امریکی اعلیٰ عدالت کے ایک ریٹائرڈ جج ROBERT H. BORK۔ اس کتاب کے عنوان کا مطلب ہے امریکی قوم (1998ء سے) قومِ لوط کے سے انجام (عذاب) کی طرف تیزی سے لڑھک رہی ہے اور مصنف کے نزدیک اس کی وجہ امریکی لبرل ازم کا فروغ ہے جس سے امریکی معاشرہ تیزی سے زوال پذیر ہے اور مصنف کے نزدیک شاید اب اس کی اصلاح ممکن ہی نہ ہو۔ ایک پیراگراف میں مصنف لکھتا ہے کہ پہلے یورپ کو ترکوں نے فتح کیا تھا اور افریقہ سے آٹھویں صدی کے مسلمانوں نے۔ مگر اب مغربی سیکولر معاشروں کو کسی خارجی حملہ آور کی ضرورت نہیں ـــــ یہ معاشرے شرح آبادی کی خطرناک کمی کی وجہ سے خود معدوم ہو جائیں گے یا اپنے طرزِ عمل کی وجہ سے عذابِ الٰہی کا شکار ہو جائیں گے۔

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیں کہ 1998ء سے لبرل ازم کے پرستار اپنے معاشرے کی ترقی اور معراج پر نازاں ہیں اور حکومتی سطح پر یہی پالیسی اب بھی جاری ہے۔ مگر اہل علم کے نزدیک یہ معاشرہ 1998ء سے 'عامورہ' اور 'سدوم' کی تباہی والے حالات کی طرف تیزی سے لڑھک رہا ہے۔ حالات سب کے سامنے ہیں ہر ذی شعور انسان بچشم سر مشاہدہ کر سکتا ہے کہ

امریکی معاشرہ کدھر جارہا ہےاور آج وہ ہمیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ رہا ہے۔گویا

ع خود تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

پاکستان میں امریکہ کے گن گانے والوں اور NGO'S کی شکل میں ڈالر وصول کرنے والوں کی کمی نہیں۔امریکی نمک خواروں کی بھی بہتات ہے۔ہمارے اشاعتی ادارے اور ڈالروں کے عوض لکھنے والے کرائے کے اہل قلم ابھی بھی امریکی معاشرے کی تعریف میں اور لبرل ازم کے محاسن پر کتابیں لکھ رہے ہیں اور ہمارے مذہبی تصورات اوران کی پاکیزہ اقدار کا مذاق اڑا رہے ہیں۔(سوچ کا سفر،تہذیبی نرگسیّت وغیرہ جیسی کتابیں اس کی مثالیں ہیں)

پاکستان میں امریکی ڈالروں کی بارش اور بہتات سے یہ لوگ بصارت وبصیرت سے اس قدر بے بہرہ ہو چکے ہیں کہ انہیں 1998ء میں چھپ کر BEST SELLER کا درجہ حاصل کرنے والی کتاب کا نام بھی اپنے ملک میں متعارف کرانے کا خیال نہیں آیا۔اس لئے کہ یہ امریکی سرکاری پالیسی کے خلاف ہے۔غیر سرکاری وفود اور علماء وصلحاء اور مصلحین کے امریکہ کے دعوتی وتبلیغی دورے کثرت سے ہوتے ہیں وہ بھی اس قسم کے امریکی معاشرے کی تصویر ہم وطن مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

اس خوفناک علمی قحط اور مخلص اہل علم کے فقدان کا حاصل یہ ہے کہ یہ ہمارے معاشرے کے کئی بے علم حضرات آج بھی اپنا سب کچھ بیچ کر 'امریکی جہنم' میں جا بسنے کے لئے امریکی گرین کارڈ حاصل کرنے کو دنیا کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں جبکہ معتدل مزاج امریکی دانشور آج سے دس پندرہ برس قبل سے دنیا کو اس قوم کی تباہی اور عذاب الٰہی سے ڈرا رہے ہیں۔

اوپر درج حقائق کی روشنی میں اس نتیجہ تک پہنچنا کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ آج کی جابر سپر پاور امریکہ اور اس کے حواری ـــــ درحقیقت معنوی لحاظ سے کہاں کھڑے ہیں اور ان معاشروں کا منطقی انجام کیا ہونے والا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس مغربی تہذیب کی ڈوبتی کشتی پر سوار ہونے سے بچائے اور تباہی کے کنارے پہنچے اس معاشرہ کی لپیٹ اور حمایت سے بھی بچائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم بھی قابل احترام رابرٹ ایچ بارک کی طرح آج مغربی معاشروں کو اُن کے انجامِ بد سے متنبہ کر کے اپنا دینی فریضہ سرانجام دے سکیں۔آمین۔یاربّ العالمین

امریکی ریٹائرڈ جج رابرٹ ایچ بورک کی کتاب پر تبصرہ

LOOSE MORALS GONE WILD

Dr . Absar Ahmad

Today the entire world is in the grip of rampant crass materialism, the west is by far more so. in other words, it is more corrosive in its birthplace--- the bastion of disbelief and theories of scientifc progressivism. there are academicians and clergymen who surprisingly hold the view that one can be a christian without felief in God.The secular Euro-American paradigm of knowledge (enshrined in modernity) challenges belief in the divine existence as a postulate of morality, which even the eminent German philosopher Kant maintained so vehemently in his philosophy of morals. there are scores of think-tanks and armies of "experts" who have been convincing everyone that the real problem of the undar-developed countries is that they are too "traditional" and their salvation lies in aping the progresive ways of the west. This is the essence of the modernization theory that seeks to move societies from the "traditional" to the "modern" this attitude of the west which issues from haughtiness fools the traditional and religious communities and nations into dismissing and stripping the

strengths they enjoyed for centuries. The great ills of juggernaut social engineering programme and globalization are destroying the values and social fabric of the so-called backward nations.

But where does Europe and U.S themselves stand once they renounce faith in God and the revealed guidance? There is a long list of writers and scholars known as "the prophets of doom and gloom" who describe in detail the spiritually hollow and morally decadent state of the western man and woman. In particular, their morals and sexual behaviour have gone beyond all limits of perversity.Below, we reproduce some extracts from the book titled"SLOUCHING TOWARDS GOMORRAH" written by Robert H.Bork, a retired judge of the Supreme Court of America which more than substantiate my submission given in the above paragraph.

The verb "slouching" means drooping or hanging down negligently. And "Gomorrah" was a town of ancient palestine which,along with Sodom, was destroyed by Allah (SWT) on account of the godlessness and wicked (i.e homosexual) acts of the inhabitants. According the Quran, Prophet Lut (AS) was sent to them. So the title means that American people are, in their aberrant sexual behaviour, moving towards Gomorrah. Nowread the selected lines from the book:

1- This is a book about American decline. Since American culture is a variant of the cultures of all Western industrialized democracies, it may even, inadvertently, be a book about Western decline and the mounting resistance to it has produced what we now call a culture war. It is impossible to say what the outcome will be, but for the

moment our trajectory continues downward---there are aspects of almost every branch of our culture that are worse than ever before and the rot is spreading.

2- This time the threat (to the Western Civilization) is not military---the Soviets and the Nazis are defunct. Nor it is external---the Tartar armies receded from Europe centuries ago. If we slide into a modern, high-tech version of the Dark Ages, we will have done it to ourselves with the assistance of the Germanic tribes that destroyed Roman Civilization. This time we face, and seem to be succumbing to, an attack mounted by a force not only within Western Civilization but one that is perhaps its legitimate child.

3- The United State has surely never before experienced the social chaos and the accompanying personal tragedies that have become routine today: high rates of crimes and low rates of punishments, high rates of illegitimate births subsidized by welfare, and high rates of family dissolution through no-fault divorce.These pathologies are recent, and it is now widely accepted that they are related to one another. These pathologies were easy to fall into and will be very difficult to climb out of. There is, in fact, no agreement about how to cure them. It may be unable to take measures necessary once we know what those mean sures are.

4- There is ample room for pessimism, but there may be room for hope as well. Analysis demonstrates that we continue slouching towards Gomorrah. We are all well along the road to the moral chaos. Modern liberalism has corrupted our culture across the board.

5- If there are signs that we have become less concerned than we should be with virtue, there are also signs that

many Americans are becoming restless under the tyrannies of egalitarianism and sick of the hedonistic individualism that has brought us to the suburbs of Gomorrah. But, for the immediate future, what we probably face is an increasingly vulgar, violent, chaotic, and politicized culture.

6- The first requisite is knowing what is happening to us. This book has tried to answer that, to show that decline runs across our entire culture and that it has a common cause, modern liberalism.

7- The second step is resistance to radical liberalism and radical egalitarianism in every area of culture. It is pointless to ask, "What is the solution?" There is no single grand strategy, so it must be recaptured church by church; and education university by university, school board by school board. Bureaucracies severely when it over-steps its legitimate authority, as it now regularly does. A few of the necessary actions must involve the government, as in administering censorship of the vilest aspects of our popular culture.

8- We have allowed (America's intellectual and moral capital) to be severely damaged (by the barbarians of modern liberalism), but perhaps not beyond repair. As we approach its desolate and sordid precincts, the pessimism of the intellect tells us that Gomorrah is our probable destination. What is left to us is a determination not to accept that fate and the courage to resist it --- the optimism of the will.

اخلاقی گراوٹ درندگی بن گئی

LOOSE MORALS GONE WILD!

ڈاکٹر ابصار احمد
مترجم : انجینئر مختار فاروقی

آج پوری دنیا بدترین مادہ پرستی کی گرفت میں ہے اور مغربی دنیا اس میں چار قدم آگے ہے۔ بالفاظ دیگر بے یقینی اور روشن خیالی کے اپنے ہی مادر علمی کے آغوش میں یہ (مادہ پرستی) مقابلتاً زیادہ جان لیوا ہے۔ بڑی حیران کن بات ہے کہ ایسی درسگاہیں اور (نام نہاد) اہل علم ہیں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو مانے بغیر بھی 'عیسائی' کہلا سکتا ہے۔

آج کا خدا بیزار یورپی وامریکی 'نظریہ علم' جدیدیت کے زعم میں کسی بھی ایسے غیر مرئی وجود کا انکاری ہے جو کسی بھی اخلاق کی بنیاد ٹھہر سکتا ہو حالانکہ کانٹ جیسے مشہور جرمن فلسفی نے (دوصدی پہلے) اس کو پرزور طریقے پر اپنے فلسفہ اخلاق میں جگہ دی تھی۔ درجنوں تھنک ٹینک اور مغربی اہل علم کی فوجِ ظفر موج ایسی موجود ہے جو دنیا کو یہ باور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں کہ پس ماندہ اقوام کا اصل مسئلہ ان کا اپنی روایات سے بہت زیادہ لگاؤ ہے اور اس صورت حال سے نکلنے کا واحد حل ان کا مغربی ترقی پسند انداز اپنانے میں مضمر ہے۔

MODERNISATION THEORY کا یہ لب لباب ہے جس کا لیکچر (اس کے حامی) پس ماندہ اقوام کو قدامت پسندی سے نکال کر MODERN بنانے کے لئے دیتے رہتے ہیں۔ مغرب کا یہ رویہ اس کی خودرائی (اور خود پرستی) سے جنم لیتا ہے اور پس ماندہ اقوام اور معاشروں کا تمسخر اڑاتا (نظر آتا) ہے اور ان کے صدیوں پر محیط شاندار ماضی پر ہتھوڑے چلاتا محسوس ہوتا ہے۔

سوشل انجینئرنگ پروگرام اور 'عالمی معاشرتی' اقدار (کی طرف سفر) کے طلسم کی برائیاں (مغرب کی طرح) آج کے پس ماندہ معاشروں کے سماجی (اور معاشرتی) استحکام کو کھوکھلا کر رہی ہیں۔

اس کے برعکس خود یورپ اور امریکہ کا حال یہ ہے کہ وہاں (علمی دنیا میں) دوبارہ اللہ اور آسمانی ہدایت پر یقین کا تذکرہ ہے۔ ایسے (باضمیر) افراد کی ایک طویل فہرست (بنائی جا سکتی) ہے جو (آج) مغربی مرد اور عورت کی روحانیت اور اخلاق سے عاری حالت کو سامنے لا رہے ہیں اور (نتیجتاً بُرے انجام سے ڈرانے کا حق ہمدردی ادا کرنے کے باعث) تباہی اور روسیاہی کے 'پیامبر' کے طور پر پہچانے جاتے ہیں (وہ) خاص طور پر (مغربی معاشرے کے مرد و عورت کے) اخلاق اور بلوغت کے بعد (حیوانوں سے بھی بدتر سطح تک) گرے ہوئے رویوں کو موضوع بحث بناتے ہیں۔

ذیل میں ہم ایک (تازہ) کتاب بعنوان "SLOUCHING TOWARDS GOMORRAH" (یعنی "قوم لوط (علیہ السلام) جیسے انجام کی طرف لپکتا ہوا معاشرہ") کے چند اقتباسات نقل کر رہے ہیں جسے امریکہ کی سپریم کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج رابرٹ ایچ بارک نے لکھا ہے جو اوپر درج کردہ تبصروں کو ہم سے زیادہ زوردار انداز میں پیش کر رہے ہیں۔

SLOUCHING ایک مصدر ہے جس کے معنی کسی کا ناواقفیت میں کسی تباہ کن صورت حال کی طرف آنا یا لٹکایا جانا ہے۔ اور GOMORRAH اس بستی کا نام ہے جو سدوم (جس سے لفظ SODOMY بنا ہے) کے ساتھ عامورا کے طور پر آتا ہے۔ جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان میں بسنے والے انسانوں کی خدا بیزاری اور (حد سے زیادہ) اخلاقی گراوٹ کے کاموں کے باعث مکمل تباہی کا عذاب آیا تھا۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا گیا تھا۔ کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے کہ موجودہ امریکی معاشرہ قوم لوط علیہ السلام کی طرح کے اعمال کے سبب سدوم اور عامورا جیسے انجام بد کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

آیئے اس کتاب کے کچھ منتخب حصوں پر نگاہ ڈالتے ہیں:

01۔ یہ کتاب زوال پذیر امریکہ کے بارے میں ہے تاہم امریکی معاشرہ چونکہ تمام مغربی ترقی یافتہ معاشروں کی کامل ترین اور صحیح ترین تصویر ہے لہٰذا یہ کتاب (تہذیب) مغرب کے زوال کی بھی (کامل) عکاس ہے۔

امریکہ کی حدتک کتاب میں درج زوال کی نقشہ کشی اوراس کے خلاف مزاحمتی کوششیں دیکھ کرایسے لگتا ہے کہ ایک تہذیبی اقدار کی جنگ برپا ہے۔ تاحال یہ کہنا مشکل ہے کہ نتیجہ کیا ہوگا تاہم ابھی حالات کا رُخ تنزل کی طرف ہی ہے (بقول مصنف) ہماری تہذیب کا ہرگوشہ (کئی عشروں سے) ہرگزشتہ کل سے آج بدتر ہے اوراس کی غلاظت میں اضافہ ہورہا ہے۔

2۔ 'آج کی مغربی تہذیب' کو (دشمن کی طرف سے) کسی جنگ کا خطرہ نہیں۔ سوویٹ روس اور جرمنی کے 'نازی' بے حقیقت ہیں اور نہ ہی یہ خطرہ بیرونی ہے۔ یورپ سے تاتاری (سلطان محمد فاتح' فاتح قسطنطنیہ ومشرقی یورپ اور طارق بن زیاد کے ساتھ شمالی افریقہ کے جنگجو مسلمان) فوجوں کو صدیاں گزریں واپس بھیجا جاچکا ہے۔ (تاریخ کے اس موڑ پر) اگر ہم دور حاضر کی ترقی اور ٹیکنالوجی کے باوجود جدید DARK AGES میں پہنچ گئے تو یہ (اپنے ساتھ) ہمارا خود کردہ عمل ہوگا نہ کہ باہر کی کسی ماضی کی طرح کی فوجوں کی کاروائی کا نتیجہ۔ اس دفعہ یہ (مہیب) خطرہ جو (تہذیب حاضر پر) حملہ آور ہو چکا ہے وہ ہماری تہذیب کے اندر مضمر ہے اور غالباً یہ ہماری (بے بنیاد اور خدابیزار) تہذیب کا اپنا فطری نتیجہ (یعنی پہلوٹھی کا حقیقی بیٹا)۔

3۔ امریکہ میں یقیناً (نفسیاتی) خوف وہراس کا ایسا دور پہلے کبھی نہیں آیا جیسا آج درپیش ہے۔ جس کے جلو میں 'فرد' کی سطح پر (قدم قدم پر) مصیبتیں (ہی مصیبتیں) ہیں جواب ایک معمول بن گئی ہیں۔ جرائم کا گراف اوپر جارہا ہے اور سزائیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ بغیر شادی کے (عورتوں کے ہاں) بچوں کی پیدائش کا شمار ہرسال لاکھوں میں ہے جنہیں ویلفیئر کا سہارا ملتا ہے۔ جبکہ بلاوجہ 'طلاق' کی شرح آسمان سے باتیں کررہی ہے۔ یہ روگ ماضی قریب کے ہیں اوراب یہ بات تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ یہ دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ یہ روگ (دھوکے میں آزادی اور ترقی سمجھ کر) گلے لگانا آسان تھا اب اس سے (صحیح سلامت) نکل آنا ممکن نہیں ہے۔ درحقیقت ابھی تک کوئی پختہ رائے نہیں بن سکی کہ اس کا علاج کیا ہے؟ اوراگر ہم کسی رائے تک پہنچ بھی جائیں تو دور حاضر کی (مادر پدر آزاد، امریکی مردوزن پر مشتمل) جمہوری حکومتیں شاید وہ تادیبی اقدامات کرہی نہ سکیں جو ضروری ہیں (جس کے لئے شاید امریکہ میں مارشل لاء لگانا پڑے جس کا پاکستان کے پاس بڑا تجربہ ہے۔ ترجمہ نگار)

4۔ (ان حالات میں) مایوس کن تجزیوں کی بڑی گنجائش ہے۔تاہم امید کی کرن بھی موجود ہے۔(زیادہ تر) تجزیے بتاتے ہیں کہ ہم تیزی سے 'عامورا' (جیسی تباہی) کی طرف لڑھک رہے ہیں اورعین اس 'اخلاقی زوال' کی شاہراہ پر ہیں۔عہد حاضر کے لبرل ازم (جس کے ہمارے پاکستانی معاشرے میں بھی بڑے پجاری ہیں) نے ہمارے معاشرے کواوپر کی سطح پر کرپٹ کردیا ہے۔

5۔ ایک طرف اس بات کے کہنے والے امریکی بہت ہیں کہ ہمیں جتنا نیکی کا پرچار کرنا چاہیے اتنا نہیں کرتے۔ دوسری طرف اس بات کے ثبوت بھی کم نہیں کہ اکثر امریکی خود پسندی اور ذاتی لذت کوشی کے ہولناک اثرات کی وجہ سے (انتہائی) بے چینی سے دوچار ہیں اور اس کے سبب ہم (بحیثیت قوم) 'عامورا' (جیسی تباہی) کے کنارے آن پہنچے ہیں (جہاں ذاتی لذت کوشی کے سوا کسی کو کسی کی کوئی فکر نہیں ہے) جس کا لامحالہ فوری 'تحفہ' یہ ہے کہ (امریکی تہذیب پر) بڑھتے ہوئے جاہلانہ رویّے، شدت پسندی، مایوسی اور خودغرضانہ سوچ کے گہرے سائے ہیں۔

6۔ (جہاں تک اصلاحی تدابیر کا تعلق ہے) پہلا مرحلہ یہ ہے کہ ہم (ٹھنڈے دل سے) غور کریں کہ ہمارے ساتھ ہو کیا رہا ہے؟ اس کتاب میں اس سوال کا جواب تلاش کر کے سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ زوال اور تنزل کے اثرات معاشرے کے ہر طبقے میں ہیں اور اس زوال کی واحد اور مشترک وجہ 'لبرل ازم' یعنی مادر پدر آزادی کی سوچ ہے۔

7۔ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ لبرل ازم (مادر پدر آزادی) اور خالص ایگالیٹرنزم (ذاتی خود غرضانہ زندگی) کی ہر محاذ پر (سخت) مزاحمت کا رویہ۔ یہ سوال بے جا ہے کہ کوئی ایک حل ہونا چاہیے۔ یقیناً کوئی ایک بڑی یک رُخی مہم اس کا علاج نہیں ہے ہمیں ہر خرابی کے لئے (موقع بہ موقع) علیحدہ سوچ کا انداز اپنانا ہوگا۔ ہر 'چرچ' سے 'مذہب' کے احیاء کا نعرہ ضروری ہے۔ ہر یونیورسٹی اور سکول بورڈ کی سطح پر بھی (یہی نعرہ ہو)۔(اس لئے کہ آزادی کی بنا پر کسی کو فوری طور پر مذہب کے احیاء کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا)۔(ریاستوں کی) انتظامیہ اور سرکاری ملازمین کو (مذہب کی) نکیل ڈالی جائے (اور اخلاق وکردار کا پابند بنایا جائے)۔(پاکستان میں بھی اس کی ازحد ضرورت ہے۔ترجمہ نگار)

عدلیہ پر بھی گہری نگاہ رکھی جائے اور اپنے آئینی حدود سے تجاوز کے معاملات پر اس کی سخت تنقید کی جائے جیسا کہ آج کل (امریکہ شریف میں) اکثر ہوتا ہے۔ (الحمدللہ امریکہ سے بہت پہلے ہمارے ہاں عدلیہ اور عوام کو اس ضرورت کا بروقت احساس ہو گیا ہے۔ ترجمہ نگار) (عوامی سطح کی) اس مہم میں کئی اقدامات کے لئے حکومت کا بھی سہارا لینا ناگزیر ہے جیسا کہ ہمارے مروّجہ تہذیبی آزادیوں کے تحت 'غیر مہذب' طور طریقوں پر پابندیوں کا اجراء وغیرہ۔

8۔ (افسوس کہ) ہم نے خود امریکہ کے ذہنی سرمایہ اور سنہرے اخلاقی اصولوں کی شدید توڑ پھوڑ کی پر مجرمانہ چشم پوشی کی (اور یہ سب کچھ حالیہ مغربی لبرل ازم کی ہی تباہ کاریاں ہیں۔) اگر ہم جذبات سے بلند ہو کر سوچیں اور حقائق پہچانیں تو ہماری موجودہ روش کا نتیجہ، مایوسی کی فضا میں تو 'عامورا' (کی تباہی) سے مشابہ ہی نظر آئے گا۔ تاہم صورت حال لاعلاج نہیں ہے۔

ہمارے پاس (اس کم وقت میں) جو مہلت عمل ہے اس میں ایک عزم مصمّم کہ 'تباہی' ہمارا مقدر ہو، یہ ہمیں قبول نہیں اور اس کے لئے ایک (چٹان کا سا) عزم کہ ہم RESIST کریں گے اور ہمارے پاس یہی (قوموں کی) قوت ادادی کی (گرانقدر) قوت ہے (جس کے بعد اللہ تعالیٰ قوموں کے حالات بدل دیتا ہے اور اس عزم مصمّم کی امریکہ سے زیادہ پاکستان کے بہی خواہوں اور قیام نظام خلافت کے داعیوں کو ضرورت ہے۔ اللہ ارزانی فرمائے آمین۔)

سودی نظام

اور اس کی تباہ کاریاں

اوریا مقبول جان

(www.youtube.com/watch?v=iYuDVeQcZY0&app=desktop)

الحمد للّٰہ و کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ...... (278:02)......

حاضرین گزشتہ گفتگو میں ہم پیپر کرنسی تک پہنچے تھے کہ یہ پیپر کرنسی کرتی کیا ہے؟ اور پیپر کرنسی کی بنیاد پر سود کے پورے نظام نے پوری دنیا کو کیسے جکڑا ہوا ہے۔ آرٹی فیشل کریڈٹ کریشن بینک کی بڑے کمال کی بات ہے۔ اصل میں جس وقت پیپر کرنسی کافی حد تک چلنے لگی تو ریاستیں اس وقت تک سونے اور چاندی کا سکہ ہی چلاتی تھیں۔ اپنے بزرگوں سے پوچھ لیجئے گا پاؤنڈ سونے کا ہوتا تھا اور چاندی کا سکہ ہوتا تھا۔ یہ 1940ء تک رہا ہے لیکن ساتھ ساتھ بینک کاغذ کے نوٹ جاری کیا کرتے تھے اور کاغذ کے نوٹ کی بنیادی وجہ یہ ہوتی تھی کہ جس طرح کے بھی کاغذ کے نوٹ ہوں گے ان کے پیچھے دولت موجود ہونی چاہیے۔ ایک آدمی اتنے ہی نوٹ جاری کر سکتا تھا جتنا اس کے پاس چاول ہوگا، جتنی گندم ہوگی، جتنی اس کے پاس چینی ہوگی، جتنا اس کے پاس سونا یا چاندی ہوگی۔ اس کو کہتے ہیں INTRINSIC VALUE OF THE MONEY۔ کسی چیز کی جو قیمت ہے اس چیز کے اندر ہونی چاہیے اس کے باہر نہیں ہونی چاہیے۔ یہ آرٹی فیشل کریڈٹ کریشن اس لیے کی گئی ہے کہ ہم جس کرنسی کو چاہیں جب چاہیں مضبوط کر کے دنیا کے وسائل پر قبضہ کر لیں۔ نارونڈے جس دن فتح ہوا ہے، اس سے اگلے دن بریٹن ووڈ میں 48 ملکوں کی

ایک میٹنگ کال کی گئی جنہوں نے 1945ء میں 2nd WORLD WAR کے اندر فتح حاصل کی تھی اور انہوں نے کہا کہ اب آئندہ کوئی بھی ملک سونے اور چاندی کے سکے نہیں جاری کرے گا بلکہ کاغذ کے نوٹ جاری کرے گا اور اس کے لیے انہوں نے IMF اور WORLD BANK کو تشکیل دیا اور یہ کاغذ کے نوٹ اتنے ہی جاری کرے گا جتنا اس کے پاس سونا موجود ہے۔ اسی لیے لکھا ہوتا ہے: ''حامل ہٰذا کو مطالبے پر ادا کرے گا''۔ لیکن اگر کوئی ملک جاری کرنا چاہے تو ہم اس کو DAFFIEST FINANCE کہہ دیں گے جسے کہتے ہیں INFLATION۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تجارت کرو گے: سونے کے اندر، چاندی کے اندر، کھجور کے اندر، جو کے اندر، چاول کے اندر اور نمک کے اندر۔ ان میں سے سونا اور چاندی کو نقدین کو کہا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بکری ایک دینار کی تھی، بکری آج بھی ایک دینار کی ہے۔ باقی سب نواز شریف اور زرداری کا کاغذ ہے۔

اب یہ کیوں کیا جاتا ہے؟ یہ کیا اس لیے جاتا ہے کہ آپ نے بھی پانچ سو ارب ڈالر خریدنے ہیں، اس نے بھی چھ سو ارب ڈالرز خریدنے ہیں، آپ مارکیٹ سے کوئی دو سو ارب یا دو ہزار ارب یا دو ٹریلین ڈالرز خریدتے ہیں، یہ دو ٹریلین ڈالرز ایک لاکھ کی بہترین سیاہی سے چھپ جاتے ہیں۔ اب یہ دو ہزار ارب ڈالر لے کر آپ تیل خریدنے جاتے ہیں۔ تیل کس کا ہے؟ سعودی عرب کا، قطر کا، بحرین کا۔ اب اگر آج یہ اعلان ہو جائے کہ ہم تیل پاکستان کے روپے میں بیچیں گے تو ایک روپے کے سو ڈالر مارکیٹ میں ہو جائیں۔ لیکن طاقت سے اس پر قبضہ کیا ہوا ہے تو انہوں نے ڈالر کو ہارڈ کرنسی کے طور پر رکھا ہے۔ تو اس بنیاد پر انہوں نے کہا تھا کہ آپ سونے کی بنیاد پر رکھیں گے۔ اب انہوں نے کہا کہ سونے کا کیا کرنا ہے اس طرح تو ہم نہیں کر سکتے ہم تو ڈالر اس طرح چھاپ نہیں سکتے۔ تو 1971ء میں فرانس کا صدر ڈیگول ایک دن نکسن کے پاس چلا گیا اور نکسن سے اس نے کہا میرے دو ارب ڈالر آپ کے پاس ہیں اس کا مجھے سونا دے دو۔ تو اس نے کہا یہ PROMISE تو ہم نے نہیں کیا کہ ہم تمہیں سونا دیں گے اس نے کہا تم بریٹن ووڈ ایگریمنٹ پڑھو۔ پھر دوبارہ بریٹن ووڈ ایگریمنٹ ہوا اور اس میں کہا گیا کہ اب سونا نہیں کہا جائے گا اب ہم GOOD WILL OF THE COUNTRY بتائیں گے۔ اس کیلئے انہوں

نے BANK OF INTERNATIONAL SETTLEMENT کو ایک ذمہ داری دی کہ تم بتاؤ گے کہ کس ملک کی کرنسی کتنی اچھی ہے۔ تو سب سے زیادہ تیل نائیجیریا کے پاس ہے سعودی عرب سے بھی ڈیڑھ گنا زیادہ، نائیجیریا کی کرنسی ویک ہے اور آئس لینڈ کے پاس گھاس بھی نہیں اُگتی اس کی کرنسی سٹرونگ ہے۔ تو یہ دنیا کو اس سودی نظام کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ اس آرٹی فیشل کریڈٹ کریشن کا کمال یہ ہے کہ پینتالیس ہزار CORPORATIONS ہیں ان کو پانچ سو CORPORATIONS یا SUPER CORPORATIONS کنٹرول کرتی ہیں اور ان کو بیس بینک کنٹرول کرتے ہیں جو ان کے اندر پیسہ لگاتے ہیں اسی طرح ہمارے 323 ارب روپے کے سونے کے ذخائر ہیں ہم نے کوئی ساڑھے نو سو ارب روپے کے نوٹ جاری کیے ہیں اور بینکوں نے کوئی ستارہ ہزار ارب روپے کے۔ یہ پورے کا پورا سودی نظام ہے۔ ایسے ہی اللہ نے نہیں کہا: حربًا مِنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ (اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ ہے)۔

یہ سودی نظام کرتا کیا ہے؟ یہ سودی نظام کی بنیاد پر استحصال چلتا ہے۔ اس سودی نظام کی بنیاد پر کارپوریٹ کلچر آتا ہے اس سودی نظام کی بنیاد پر 50 لوگ دنیا کے ایسے آتے ہیں کہ جن کے پاس دنیا کی 65 فیصد دولت ہوتی ہے۔ اس سودی نظام کی بنیاد پر 425 لوگ وہ ہیں کہ جن کی دولت اگر دنیا میں تقسیم کر دی جائے تو نہ کوئی بھوکا ہو، نہ کوئی ننگا ہو، نہ کوئی ایسا شخص ہو جس کو صاف پانی نہ ملے، تعلیم نہ ملے، صحت کی سہولیات نہ ہوں، سڑکیں بہتر نہ ہوں۔

یہ دولت کے ارتکاز کو لے کر آتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ہے کہ اس آرٹی فیشل کریڈٹ کریشن کی بنیاد پہ آپ لوگوں کو ایک ایسی دولت کے عادی بنا دیتے ہیں جو دولت اسلام کے اندر قطعاً حرام ہے۔ مثلاً سب سے آسان ترین کام MICRO CREDIT کا ہے آپ انگلینڈ میں اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں فرانس میں بیٹھے ہوئے ہیں آپ کے پاس کہیں سے پانچ ہزار ڈالر آ گئے ہیں آپ وہیں انٹرنیٹ پر بیٹھیں گے افریقہ میں کوئی بندہ بیٹھا ہوا ہے کوئی NGO کام کر رہی ہے آپ اس کو پانچ سو ڈالر دیں گے یا پانچ ہزار ڈالر دیں گے کہ میرے بھی پیسے INVEST کر دو۔ 23 فیصد سے لے کر 75 فیصد تک لوگوں کو اس مائیکرو کریڈٹ کے شکنجے میں جکڑا جاتا ہے، قوموں کی قوموں کو مقروض کیا جاتا ہے۔

1947ء سے پہلے برصغیر پاک وہند پر ایک روپے کا قرضہ نہیں تھا BIGGEST IRRIGATION SYSTEM یہاں پر بنا، BIGGEST EDUCATIONS SYSTEM یہاں پر بنا، شاندار قسم کا ریلوے کا نظام یہاں بنا، ڈاکخانے بنے، برقی تاروں کے نظام بنے، ہائیڈرل پاورز بنے، کیا کچھ نہیں بنا۔ اکیلا مال روڈ آپ بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔

لیکن ہوا کیا؟ اس پورے نظام کے اندر سود کو شامل کرلیا گیا اور اس کے بعد قومی DEBT کا تصور دیا گیا۔ اسی لیے اس پورے نظام کے خلاف اللہ نے کہا ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ ہے۔ اسی لیے جو سخت ترین حدیث ہے وہ صرف اسی کے بارے میں آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سود کے گناہ کے 70 درجے ہیں اور آخری درجہ گناہ کہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ زنا کریں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

"THE WEALTH

WHICH

ENSLAVES

THE OWNER

ISN'T WEALTH"

دجالیت کا سب سے بڑا ہتھیار
کاغذی کرنسی

باسط راھی

(www.youtube.com/watch?v=ZvsC4bXQKSY&app=desktop)

دنیا میں صرف آٹھ افراد ایسے ہیں جن کی مجموعی دولت دنیا کے تین ارب ساٹھ کروڑ لوگوں کی دولت کے برابر ہے، جی ہاں! دنیا کے صرف آٹھ افراد کی مجموعی دولت دنیا کی نصف آبادی یعنی تین ارب ساٹھ کروڑ لوگوں کی دولت کے برابر ہے۔ کیا آپ کو پتہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کی بنیادی وجہ...... کرنسی کی تخلیق اور تقسیم کا موجودہ نظام انتہائی غیر منصفانہ ہے جو امیروں کو مزید امیر جبکہ غریبوں کو مزید غریب بناتا ہے۔ اس لیے کاغذی کرنسی کو دنیا کا سب سے بڑا دھوکہ کہا جاتا ہے۔ مشہور ماہر معاشیات جون مناڈ کینز کے مطابق کاغذی کرنسی میں پوشیدہ عیاری اور مکاری کو دس لاکھ لوگوں میں سے ایک آدمی بھی صحیح طرح نہیں سمجھ پایا۔

مشہور برطانوی ماہر معاشیات جون کینز نے کہا تھا کہ مسلسل نوٹ چھاپ کر حکومت نہایت خاموشی اور رازداری سے اپنی عوام کی دولت کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیتی ہے۔ یہ طریقہ اکثریت کو غریب بنا دیتا ہے مگر لیکن چند لوگ امیر ہو جاتے ہیں۔

1927ء میں بینک آف انگلینڈ کے گورنر جوسیا سٹمپ، جو انگلینڈ کا دوسرا امیر ترین شخص تھا، اس نے کہا تھا: یہ غالباً آج تک بنائی گی سب سے بڑی شعبدہ بازی ہے، بینک مالکان پوری دنیا کے مالک ہیں، اگر یہ دنیا ان سے چھن بھی جائے لیکن ان کے پاس کرنسی بنانے کا اختیار باقی رہے تو وہ اتنی کرنسی بنالیں گے کہ دوبارہ دنیا خرید لیں۔

کاغذی کرنسی کی ایجاد سے پہلے چیزوں کے بدلے چیزیں خریدی جاتی تھیں، ماضی میں بہت ساری مختلف اشیاء رقم یا کرنسی کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہیں جن میں مختلف طرح کی

سیپیاں، چاول، نمک، مسالے، خوبصورت پتھر، اوزار، گھریلو جانور اور انسان یعنی غلام اور کنیز وغیرہ شامل ہیں مثلاً گندم کی کچھ بوریوں کے عوض ایک گائے خریدی جاسکتی تھی اسی طرح خدمت کے بدلے خدمت یا کوئی چیز ادا کی جاتی تھی، اس کے علاوہ پرانے زمانے میں عموماً سونے کو خریداری کے لیے متبادل کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا کیونکہ سونا پوری دنیا میں دستیاب تھا اگر کوئی شخص دنیا کے ایک کنارے سے یہ کرنسی یعنی سونا لے کر نکلتا تھا تو دنیا کے دوسرے کنارے تک یہ متبادل قابل قبول ہوتا تھا اور اس کو کسی MONEY EXCHANGER کو ڈھونڈھنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی آپ پوری صدی بھی اس کرنسی کو زمین میں دبا کر رکھتے پھر بھی اس کرنسی کی قیمت نہیں گرتی تھی۔لیکن سوال یہ ہے کہ پھر یہ پائیدار معاشی نظام موجودہ نام نہاد کرنسی کاغذوں سے کیوں بدل دیا گیا؟ کہانی کچھ یوں ہے: یورپ میں گولڈسمتھ نے سونے اور چاندی کے سکے بنانا شروع کیے ان سکوں کا وزن طے شدہ تھا اور انھیں اپنے ساتھ رکھنا زیادہ باسہولت تھا اپنے سونے کے تحفظ کے لیے گولڈسمتھ نے سیکورٹی کا نظام وضع کیا۔آہستہ آہستہ دوسرے لوگ بھی اپنے سونے کے سکوں کو بطور امانت گولڈسمتھ کے پاس رکھوانے لگے تا کہ یہ محفوظ رہیں۔گولڈسمتھ امانتوں کے بدلے رسید جاری کر دیتا اور ان کی حفاظت کی اجرت وصول کرتا۔کئی سال یہ سلسلہ جاری رہا اور گولڈسمتھ نے یہ محسوس کیا کہ لوگ اپنی امانتیں لینے کے لیے بہت کم آتے ہیں اور اگر آتے بھی ہیں تو سب ایک ساتھ نہیں آتے اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے خریدوں فروخت کے لیے سونے کی بجائے گولڈسمتھ کی رسیدوں کا استعمال شروع کر دیا تھا۔یوں کاغذی کرنسی وجود میں آئی۔

اسی دوران گولڈسمتھ کو اپنی آمدنی بڑھانے کا ایک نیا طریقہ سوجھا۔اس لیے گولڈسمتھ نے اپنے سونے کو سود پر ادھار دینا شروع کر دیا۔دوسری طرف گولڈسمتھ کی دی گئی رسیدیں کرنسی کے طور پر رائج ہو چکی تھیں اور لوگوں نے گولڈسمتھ سے ان رسیدوں کو ہی بطور قرض لینا شروع کر دیا۔یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد ان قرضداروں میں اضافہ ہوتا چلا گیا قرض لینے والوں کی لمبی قطاریں دیکھتے ہوتے گولڈسمتھ کو نیا خیال سوجھا چونکہ لوگ گولڈسمتھ سے اپنا سونا واپس لینے بہت کم آتے تھے اس لیے گولڈسمتھ نے لوگوں کے سونے کی بنیاد پر رسیدیں قرض دینا شروع کر دیں۔یوں گولڈسمتھ دستکار سے ایک بینکار بن چکا تھا اس کے منافع میں بیش بہا اضافہ ہو گیا چند سالوں تک یہ سلسلہ جاری رہا گولڈسمتھ کی دولت میں اضافے پر لوگوں کو شک گزرا کہ شاید ان

کی امانتوں میں خیانت کی جارہی ہے۔ وہ سب اکٹھے ہوئے اور گولڈ سمتھ کے پاس پہنچے اور اسے دھمکی دی کہ وہ اپنا سونا واپس نکلوالیں گے۔ لیکن گولڈ سمتھ نے انہیں دکھایا کہ ان کا سونا محفوظ ہے جس پر گولڈ سمتھ ایک بڑے عذاب سے تو بچ گیا مگر لوگوں نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ انھیں بھی سود میں سے حصہ دے اور یوں بینک وجود میں آئے۔ پھر ہوا یوں کہ لوگوں کو ان بینکوں پر اتنا اعتبار ہو گیا کہ انہوں نے سونے کا مطالبہ کرنا ہی چھوڑ دیا اور رسید ہی تجارت در تجارت استعمال ہونی لگ گئی۔ بات یہاں سے بگڑنا شروع ہوئی اگر بینک میں ہزار اشرفیاں ہوتی اور مارکیٹ میں ہزار رسیدیں ہی چل رہی ہوتی تو معاملہ ٹھیک تھا مگر یہاں تو سب کچھ الٹا چلنے لگا جب بینک نے دیکھا کہ لوگ تو سونا لینے آ ہی نہیں رہے اور اپنی تمام تر تجارت ہماری دی ہوئی رسیدوں پر ہی کر رہے ہیں تو ان کی نیت میں فتور آ گیا انہوں نے 100 اشرفیوں پر ہزار رسیدیں مارکیٹ میں چلا دیں یہ 900 رسیدیں جعلی تھیں اور ان کا متبادل سونا بینک میں موجود ہی نہیں تھا مگر لوگ رسید لے کر بینک کا رخ ہی نہیں کر رہے تھے اس لیے بینک کو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوا پھر یوں ہوا کہ اس بینکر نے وہ سو رسیدوں کا سونا بھی غائب کر دیا گویا اب ان ہزار رسیدوں کے پیچھے سرے سے سونا تھا ہی نہیں مگر مارکیٹ میں وہ رسیدیں برابر چل رہی تھیں۔ اور یوں بینکنگ کے اس فرسودہ اور لوٹ مار کے نظام نے اپنا جنم لیا۔

اٹھارھویں صدی کی آخری دہائیوں میں بہت سے پرائیویٹ امریکی بینک اس طرز پر کام کر رہے تھے وہ لوگوں کا سونا لیتے اور ان کو ایک رسید جاری کر دیتے تھے۔ لوگ عارضی طور پر تجارت کے لیے اس رسید کا استعمال کرتے اور ضرورت پڑنے پر ان بینکوں سے جا کر سونا نکلوا لیتے۔ یہ سلسلہ اس قدر جڑ پکڑ تا گیا کہ آج کے کرنسی نوٹ انہی بینکوں کی جاری کردہ رسیدیں ہیں۔ اگر سب لوگ یہ رسیدیں لے جا کر بینک پہنچ جائیں اور اپنے سونے کا مطالبہ کر دیں تو ان کو پتہ لگے کا کہ وہ لٹ چکے ہیں اور بینک اپنے آپ کو دیوالیہ ڈِکلیئر کر کے خود کلیئر ہو جائے گا۔

بعدازاں بینک آف انگلینڈ نے بھی امریکی بینکوں کی تقلید میں سونے کے سکوں کے عوض ایک رسید جاری کی جس کا نام پاؤنڈ رکھا گیا۔ اپریل 1933ء میں امریکی حکومت نے ایک قانون لاگو کیا جس کے تحت امریکی شہریوں کے لیے سونے کے سکوں کو لین دین کے استعمال سے روک دیا گیا اور ان کی قانونی حیثیت کو ختم کر دیا گیا حکومت نے یہ حکم جاری کیا کہ ایک خاص وقت تک یہ سکے کسی کے پاس نظر آئے تو اس کو دس ہزار ڈالرز کا جرمانہ یا چھ مہینے کی قید کی سزا ہو گی ان

سکوں کے عوض امریکہ کے 'فیڈرل ریزو بینک' نے کاغذی نوٹ یعنی امریکی ڈالر جاری کر دیے اور ایک اونس سونے کے عوض بیس ڈالر کا نوٹ دیا جانے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عوام قید و جرمانے سے بچنے کے لیے سونے کے سکوں کے عوض ڈالر کے نوٹ تبدیل کروانے لگی۔ پھر اسی سال برطانیہ نے بھی امریکہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے ملک میں یہی کارروائی کی اور سونے کو تجارتی مقاصد کے استعمال سے روک دیا۔ انہوں نے اپنی کاغذی کرنسی کا نام پاؤنڈ رکھ دیا اسے 'گولڈ بیکڈ کرنسی' کہا گیا کیونکہ اس کے پیچھے متبادل کے طور پر سونا رکھا گیا تھا۔

یہ نظام یوں ہی چلتا رہا یہاں تک کہ اس بینک مالکان نے اپنی شاطر دماغی سے سود کی آمیزش بھی کر دی۔ بینکوں کے پاس جب سونا جمع ہونا شروع ہوا تو انہوں نے اپنی دولت کو مزید بڑھانے کی غرض سے قرض دینا شروع کر دیا یہ قرض بھی انہی رسیدوں کی صورت میں دیا جاتا تھا جن کا بندوبست کرنا ان بینکوں کے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا جب امریکہ میں تمام کا تمام سونا کاغذی کرنسی میں تبدیل ہو گیا تو جنوری 1934ء میں امریکی حکومت نے اپنی مرضی سے اپنے کاغذی ڈالر کی قیمت میں 41 فیصد کمی کر دی اور اس کے ساتھ ہی اپنے اس قانون کو جس کے تحت سونا رکھنا ممنوع قرار دیا گیا تھا، ختم کر دیا۔ اب امریکی عوام پھر دوڑی تاکہ اپنے کاغذی نوٹوں کو واپس سونے میں تبدیل کر لیں مگر اب ڈالر کی قیمت گرنے کی وجہ سے فی اونس سونے کی قیمت 35 ڈالر ہو گی تھی۔ مطلب جس سونے کے عوض 20 ڈالر دیے گئے تھے اب وہی اپنا سونا حاصل کرنے کے لیے عوام کو 35 ڈالرز دینے پڑ رہے تھے۔ اس طرح بڑی چالاکی سے عوام کی 41 فیصد دولت لوٹ لی گئی۔

ستمبر 1931ء میں برطانوی پاؤنڈ کی قیمت 30 فیصد گرائی گئی جو 1934ء تک چالیس فیصد تک گر گئی۔ اس کے بعد فرانس نے اپنی کرنسی فرانگ کی قیمت کو 30 فیصد گرا دیا، اٹالین 'لیرا' کو 41 فیصد تک اور سویس فرانگ کو 30 فیصد تک کم کر دیا گیا۔ اس لہر نے تقریباً تمام یورپی ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور یہ عمل ہر جگہ دہرایا گیا یہاں تک کہ یونان نے تو حد کر دی کہ اپنی کرنسی کو یک دم 59 فیصد کی حد تک نیچے لے آیا، اپنے پڑوسی کو نیچا دکھانے کی اس پالیسی نے کھلبلی مچا دی۔ کرنسی کی قیمت کم کر کے اپنے ملک کی برآمدی اشیاء کو بین الاقوامی مارکیٹ میں سستا کیا گیا تاکہ ان کی برآمدات میں اضافہ ہو اور ادھار چکانے میں آسانی ہو۔ اس وجہ سے قومی آمدنیوں میں شدید گراوٹ پیدا ہوئی، مال کی مانگ میں کمی پیدا ہوئی اور بڑے پیمانے پر بیروزگاری نے جنم لیا اور

پوری دنیا شدید تجارتی خسارے میں مبتلا ہوگی جس کو اس صدی کی دہائی کا پستی اور اداسی کا دور یعنی THE GREAT DEPRESSION PERIOD کہا گیا۔

دوسری جنگ عظیم تک دنیا بھر کے عوام میں کاغذی کرنسی کا رواج مستحکم ہو چکا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ مرکزی بینک آپس میں کس طرح لین دین یعنی بزنس کریں۔ کوئی بھی مرکزی بینک کسی دوسرے مرکزی بینک کی چھاپی ہوئی کاغذی کرنسی قبول کرنے کو تیار نہیں تھا اور سونے کا مطالبہ کرتا تھا اس مشکل کو حل کرنے کے لیے دوسری جنگ عظیم کے دوران میں جولائی 1944ء میں بریٹن ووڈز کے مقام پر ایک کانفرنس منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس کے نتیجہ میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ المعروف IMF اور ورلڈ بینک وجود میں آئے۔ اس کانفرنس میں 44 اتحادی ممالک کے 730 مندوبین نے شرکت کی۔ اس معاہدے کے تحت 35 امریکی ڈالرز ایک اونس سونے کے برابر طے پائے اور امریکہ 35 ڈالرز کے عوض اتنا سونا دینے کا پابند تھا، دنیا کی دیگر کرنسیوں کی قیمت امریکی ڈالر کے حساب سے طے ہوتی تھی اس معاہدے میں بڑی چالاکی سے سونے چاندی کی بجائے ڈالر کو کرنسی کا معیار مقرر کیا گیا۔ اس معاہدے کے بعد دوسرے ممالک اپنی کرنسی کو امریکی ڈالر سے ایک مقررہ نسبت پر رکھنے پر مجبور ہوگئے، چاہے اس کے لیے انھیں ڈالرز خریدنے پڑیں یا بیچنے۔ سونے کی رکاوٹ درمیان میں سے ہٹ چکی تھی اور اب دنیا بھر میں کاغذی ڈالر گردش کرنے لگا تھا۔ اس بارے میں آسٹریلیا کے وزیر محنت، ایڈی وورڈز نے بریٹن ووڈز کی سازش کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ سب کچھ آنے والے سالوں میں بالکل سچ ثابت ہوا۔ انہوں نے کہا: ”مجھے یقین ہے کہ پرائیویٹ عالمی بینکار بریٹن وورڈز معاہدے کے ذریعے پوری دنیا پر اپنی ایسی مکمل اور خوفناک ڈکٹیٹر شپ قائم کرنا چاہتے ہیں جس کا ہٹلر نے کبھی خواب بھی نہیں دیکھا ہوگا یہ وحشیانہ طریقہ چھوٹے ممالک کو غلام بنادے گا اور ہر حکومت ان بینکاروں کی دلال بن جائے گی، عالمی مالیاتی اداروں کا گٹھ جوڑ بے روزگاری، غلامی، غربت، ذلت اور مالیاتی تباہی میں اضافہ کرے گا اس لیے ہم آزادی پسند آسٹریلیوں کو اس منصوبے کو نامنظور کردینا چاہیے“۔

اس معاہدے کی کامیابی کا میڈیا میں بڑے زور و شور سے چرچا کیا گیا لیکن تصویر کا صحیح رخ آج تک چھپایا جاتا ہے۔ 15 اگست 1971ء کو امریکہ اپنے بریٹن وورڈز کے وعدے سے یکطرفہ مکر گیا، جسے نکسن دھچکا کہتے ہیں۔ امریکی صدر نیکسن نے اعلان کیا کہ اب امریکہ ڈالر کے

بدلے سونا نہیں دے گا۔ اس وقت تک امریکہ کاغذی ڈالر چھاپ چھاپ کر اس کے بدلے عربوں سے اتنا تیل خرید چکا تھا کہ عرب اگر ڈالر کے بدلے سونے کا مطالبہ کر دیتے تو امریکہ اپنا پورا سونا دے کر بھی یہ قرض نہیں چکا سکتا تھا۔ 1971ء کے اس امریکی اعلان سے عربوں کے اربوں ڈالرز کاغذی ردّی میں تبدیل ہو گئے دنیا بھر میں ہونے والے اس نقصان کا سارا فائدہ امریکہ کو ہوا۔ یہ پوری دنیا کے ساتھ عظیم ترین دھوکہ تھا، خاص طور پر غریب ترقی پذیر ممالک کے ساتھ، اور یہ فراڈ ابھی تک جاری ہے۔ ڈالر سے سونے کا تعلق ٹوٹنے کے بعد 1972ء جب ایران اور سعودی عرب نے اپنے ڈالروں سے امریکی کمپنیاں خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا تو امریکی حکام نے دھمکی دی کہ امریکہ اسے اقدامِ جنگ سمجھے گا۔ بریٹن ووڈز کا معاہدہ ٹوٹنے کے بعد ہر ملک کو اپنی مرضی کے مطابق کاغذی کرنسی چھاپنے کا اختیار مل گیا۔ امیر ممالک نے فوراً بڑی مقدار میں کاغذی کرنسی چھاپی اور مختلف ترقیاتی منصوبوں کے بہانے غریب ممالک کو قرض دے دی جسے اب وہ کئی نسلوں تک نہیں اتار سکتے اور وہاں غربت مزید بڑھ گئی لیکن نوٹ چھاپ کر قرض دینے والے ممالک قسطیں وصول کر کے خوشحال ہوتے رہے۔

اگر دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پچھلے دو ہزار سالوں میں 18 سو سال تک دنیا کا سب سے امیر ملک ہندوستان رہا ہے، اس کے بعد چین کا نمبر آتا ہے ان ممالک میں محنت کرنے کے بھرپور مواقع موجود تھے اور خطیر مقدار میں پیداوار ہوتی تھی، ان ممالک کا تجارتی سامان دنیا کے دور دراز کے علاقوں تک پہنچتا تھا لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب کرنسی دھاتیں ہوتی تھیں اور مرکزی بینکوں کا عالمی گروہ موجود نہیں ہوتا تھا۔

یہاں پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ کسی نے اس نظام کو بدلنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ اس سوال کا جواب بھی انتہائی دہشت ناک ہے۔ کیونکہ جس کسی نے بھی اس نظام کی تبدیلی کی بات کی ہے اسے راستے سے ہٹا دیا گیا مثال کے طور پر یکم جنوری 1974ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کے بینکوں کو نیشنلائز کر لیا جسے عالمی بینکار کنٹرول کرتے تھے، عالمی بینکاروں کو للکارنے کی وجہ سے 4 اپریل 1979ء کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ 1997ء میں ایک سازش کے تحت ملائیشیا کی کرنسی رنگٹ کی قدر اچانک گر کر تقریباً آدھی رہ گی، اس پر ملائیشیا کے وزیر اعظم مہاتیر محمد نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ سارے اسلامی ممالک سونے کا دینار خود بنائیں اور آپس کی لین دین کے لیے

امریکی ڈالر کی بجائے سونا کا دینار استعمال کریں مہاتیر محمد نے اعلان کیا تھا کہ 2003ء کے وسط تک وہ یہ دینار جاری کر دیں گے۔ظاہر ہے کہ اگر ایسے سونے کی کرنسی میں لین دین کا رواج آ گیا تو شرح تبادلہ کی ضرورت ختم ہو جائے گئ جس پر مغربی مما لک کی ثروت کا انحصار ہے۔اس لیے 2003ء میں مہاتیر محمد کو 22 سالہ وزارت عظمیٰ سے ہٹا کر عبداللہ احمد بداوی کو وزیر اعظم بنایا گیا جس نے ملکی سطح پر دینار جاری ہونے کو رُکوا دیا۔صدام حسین نے بھی ایسی ہی جسارت کی تھی 2000ء میں اس نے یہ کوشش کی تھی کہ عراق کو تیل کا معاوضہ امریکی ڈالر کی بجائے کسی اور کرنسی میں دے دیا جائے یہ امریکی ڈالر کی مقبولیت پر براہ راست وار تھا اس کا یہ نا قابل معافی جرم آخر کار اسے لے ڈوبا۔ لیبیا کے معمر قذافی نے صدام حسین کے انجام سے کوئی سبق نہیں سیکھا اور 2009ء میں افریقہ میں تجارت کے لیے سونے کا دینار نافذ کرنے ارادہ کیا، اس لیے اس کا حشر بھی آپ کے سامنے ہے۔

اگر پاکستان کی بات کی جائے تو پاکستان اپنے بجٹ کا قرضوں کے سود کی ادائیگی پر خرچ کرتا ہے۔ پاکستان کے پاس لگ بھگ 65 ٹن سونا ہے اور پاکستان پر IMF کا شدید دباؤ ہے کہ وہ یہ سونا بیچ کر کاغذی فارن ریزرو میں اضافہ کرے لیکن اب تک پاکستان اپنا سونا بیچنے پر آمادہ نہیں ہوا کیونکہ اس وقت زیادہ تر مما لک اپنے سونے کے ذخیرے میں اضافہ کرنے میں مصروف ہیں۔اچھی بات یہ ہے کہ اس نظام کی تبدیلی کے لیے آج بھی کوششیں جاری ہیں جیسے کہ 2007ء سے ایران نے بھی اپنے تیل کی قیمت امریکی ڈالر میں وصول کرنا بند کر دی ہے۔ایران یہ واضح کر چکا ہے کہ ہم پر حملہ ہونے کی صورت میں اسرائیل بھی میدانِ جنگ بن جائے گا۔

ستمبر 2017ء میں وینزویلا نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ وہ تیل کی قیمت ڈالر میں قبول نہیں کرے گا روسی صدر نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ 2018ء سے روس کی کسی بھی بندرگاہ پر ڈالر وصول نہیں کیے جائیں گے اور چین کی طرف سے بھی اسی طرح کا اعلان ہو چکا ہے۔

اگر آج بھی کاغذی کرنسی کی جگہ سونے چاندی کو خرید و فروخت کے لیے کرنسی کی طرح استعمال کیا جائے تو پاکستان، ہندوستان، چین اور تیل پیدا کرنے والے مما لک شاید ایک بار پھر امیر ترین مما لک بن جائیں۔

دجالیت کا نیا بھیانک رُخ (I)

E-BANKING- IMPACT, RISKS, SECURITY

Tirade Cristina

Universitatea Româno American_, B-dul Lacul Tei, nr 71, bl 18, sc B, et. 2, ap. 55, sector 2, Bucuresti,Tel:0762985187, e-mail:cristina_titrade@yahoo.com

Ciolacu Beatrice Universitatea Româno American, e-mail :beatrice_ciolacu@yahoo.com

Pavel Florentina

The evolution of electronic banking (e-Banking) started with the use of automatic teller machines (ATMs) and has included telephone banking, direct bill payment, electronic fund transfer and online banking. According to some, the future direction of e-banking is the acceptance of mobile telephone (WAP-enabled) banking and interactive-TV banking. However, it has been forecast by many that online banking will continue to be the most popular method for future electronic financial transactions.

Electronic funds transfer (EFT), refers to the computer -based systems used to perform financial transaction electronically. The term is used for a number of different

concepts including electronic payments and cardholder-initiated transactions, where a cardholder makes use of a payment card such as a credit card or debit card. Card-based EFT transactions are often covered by the ISO 8583 series of standards.

Keywords: e-banking, e-commerce, e-banks.

Introduction

In order for customers to use their banks online services they need to have a personal computer and Internet connection. Their personal computer becomes their virtual banker who will assist them in their banking errands. Examples of e-banking services that customers can get online are:

☆ Attaining information about accounts and loans,

☆ Conducting transfers amongst different accounts, even between external banks,

☆ Paying bills,

☆ Buying and selling stocks and bonds by depot,

☆ Buying and selling fund shares39

These services that are offered by e-banking are changing and being improved because of the intense competition between the banks online. Banking industry must adapt to the electronics age, which in its turn is changing all the time.

EFT transactions require authorisation and a method to authenticate the card and the card holder. Whereas a merchant may manually verify the card holder's signature, EFT transactions require the card holder's PIN to be sent online in an encrypted form for validation by the card issuer. Other information may be included in the transaction, some of which is not visible to the card holder (for instance

magnetic stripe data), and some of which may be requested from the card holder (for instance the card holder's address or the CVV2 security value printed on the card).

EFT transactions are activated during e-banking procedures. Various methods of e-banking include:

☆ Telephone banking
☆ Online banking
☆ Short Message Service (SMS) banking
☆ Mobile banking
☆ Interactive-TV banking .

Independent of location or time, you can execute your payments and stock market orders and you get detailed information on your accounts and custody accounts.

Impact of e-banking on traditional services

One of the issues currently being addressed is the impact of e-banking on traditional banking players. After all, if there are risks inherent in going into e-banking there are other risks in not doing so. It is too early to have a firm view on this yet. Even to practitioners the future of e-banking and its implications are unclear. It might be convenient nevertheless to outline briefly two views that are prevalent in the market.

The view that the Internet is a revolution that will sweep away the old order holds much sway. Arguments in favour are as follows:

☆ E-banking transactions are much cheaper than branch or even phone transactions. This could turn yesterday's competitive advantage - a large branch network, into a comparative disadvantage, allowing e-banks to undercut bricks-and-mortar banks. This is commonly known as the

"beached dinosaur" theory.

☆ E-banks are easy to set up so lots of new entrants will arrive. 'Old-world' systems, cultures and structures will not encumber these new entrants. Instead, they will be adaptable and responsive. Ebanking gives consumers much more choice. Consumers will be less inclined to remain loyal.

☆ E-banking will lead to an erosion of the 'endowment effect' currently enjoyed by the major UK banks. Deposits will go elsewhere with the consequence that these banks will have to fight to regain and retain their customer base. This will increase their cost of funds, possibly making their business less viable. Lost revenue may even result in these banks taking more risks to breach the gap.

Portal providers, are likely to attract the most significant share of banking profits. Indeed banks could become glorified marriage brokers. They would simply bring two parties together - eg buyer and seller, payer and payee.

The products will be provided by monolines, experts in their field. Traditional banks may simply be left with payment and settlement business - even this could be cast into doubt.

Traditional banks will find it difficult to evolve. Not only will they be unable to make acquisitions for cash as opposed to being able to offer shares, they will be unable to obtain additional capital from the stock market. This is in contrast to the situation for Internet firms for whom it seems relatively easy to attract investment.

There is of course another view which sees e-banking more as an evolution than a revolution.

E-banking is just banking offered via a new delivery channel. It simply gives consumers another service (just as

ATMs did).

Like ATMs, e-banking will impact on the nature of branches but will not remove their value.

Traditional banks are starting to fight back.

The start-up costs of an e-bank are high. Establishing a trusted brand is very costly as it requires significant advertising expenditure in addition to the purchase of expensive technology (as security and privacy are key to gaining customer approval).

E-banks have already found that retail banking only becomes profitable once a large critical mass is achieved. Consequently many e-banks are limiting themselves to providing a tailored service to the better off.

Nobody really knows which of these versions will triumph. This is something that the market will determine. However, supervisors will need to pay close attention to the impact of e-banks on the traditional banks, for example by surveillance of:

☆ strategy
☆ customer levels
☆ earnings and costs
☆ advertising spending
☆ margins
☆ funding costs

1539

☆ merger opportunities and threats.

Risks

Strategic Risk - A financial institution's board and management should understand the risks associated with e-banking services and evaluate the resulting risk

management costs against the potential return on investment prior to offering e-banking services. Poor e-banking planning and investment decisions can increase a financial institution's strategic risk. On strategic risk E-banking is relatively new and, as a result, there can be a lack of understanding among senior management about its potential and implications. People with technological, but not banking, skills can end up driving the initiatives. E-initiatives can spring up in an incoherent and piecemeal manner in firms. They can be expensive and can fail to recoup their cost. Furthermore, they are often positioned as loss leaders (to capture market share), but may not attract the types of customers that banks want or expect and may have unexpected implications on existing business lines.

Banks should respond to these risks by having a clear strategy driven from the top and should ensure that this strategy takes account of the effects of e-banking, wherever relevant. Such a strategy should be clearly disseminated across the business, and supported by a clear business plan with an effective means of monitoring performance against it.

Business risks - Business risks are also significant. Given the newness of e-banking, nobody knows much about whether e-banking customers will have different characteristics from the traditional banking customers. They may well have different characteristics. This could render existing score card models inappropriate, this resulting in either higher rejection rates or inappropriate pricing to cover the risk. Banks may not be able to assess credit quality at a distance as effectively as they do in face to face circumstances. It could be more difficult to assess the nature

and quality of collateral offered at a distance, especially if it is located in an area the bank is unfamiliar with (particularly if this is overseas). Furthermore as it is difficult to predict customer volumes and the stickiness of e-deposits (things which could lead either to rapid flows in or out of the bank) it could be very difficult to manage liquidity.

Of course, these are old risks with which banks and supervisors have considerable experience but they need to be watchful of old risks in new guises. In particular risk models and even processes designed for traditional banking may not be appropriate.

Transaction/operations risk - Transaction/Operations risk arises from fraud, processing errors, system disruptions, or other unanticipated events resulting in the institution's inability to deliver products or services. This risk exists in each product and service offered. The level of transaction risk is affected by the structure of the institution's processing environment, including the types of services offered and the complexity of the processes and supporting technology.

In most instances, e-banking activities will increase the complexity of the institution's activities and the quantity of its transaction/operations risk, especially if the institution is offering innovative services that have not been standardized. Since customers expect e-banking services to be available 24 hours a day, 7 days a week, financial institutions should ensure their e-banking infrastructures contain sufficient capacity and redundancy to ensure reliable service availability. Even institutions that do not consider e-banking a critical financial service due to the availability of alternate processing channels, should carefully consider

customer expectations and the potential impact of service disruptions on customer satisfaction and loyalty.

The key to controlling transaction risk lies in adapting effective polices, procedures, and controls to meet the new risk exposures introduced by e-banking. Basic internal controls including segregation of duties, dual controls, and reconcilements remain important. Information security controls, in particular, become more significant requiring additional processes, tools, expertise, and testing. Institutions should determine the appropriate level of security controls based on their assessment of the sensitivity of the information to the customer and to the institution and on the institution's established risk tolerance level.

Credit risk - Generally, a financial institution's credit risk is not increased by the mere fact that a loan is originated through an e-banking channel. However, management should consider additional precautions when originating and approving loans electronically, including assuring management information systems effectively track the performance of portfolios originated through e-banking channels. The following aspects of on-line loan origination and approval tend to make risk management of the lending process more challenging. If not properly managed, these aspects can significantly increase credit risk.

☆ Verifying the customer's identity for on-line credit applications and executing an enforceable contract;

☆ Monitoring and controlling the growth, pricing, underwriting standards, and ongoing credit quality of loans originated through e-banking channels;

☆ Monitoring and oversight of third-parties doing business

as agents or on behalf of the financial institution (for example, an Internet loan origination site or electronic payments processor);

☆ Valuing collateral and perfecting liens over a potentially wider geographic area;

☆ Collecting loans from individuals over a potentially wider geographic area;

☆ Monitoring any increased volume of, and possible concentration in, out-of-area lending.

Liquidity, interest rate, price/market risks - Funding and investment-related risks could increase with an institution's e-banking initiatives depending on the volatility and pricing of the acquired deposits. The Internet provides institutions with the ability to market their products and services globally. Internet-based advertising programs can effectively match yield-focused investors with potentially high-yielding deposits. But Internet-originated deposits have the potential to attract customers who focus exclusively on rates and may provide a funding source with risk characteristics similar to brokered deposits. An institution can control this potential volatility and expanded geographic reach through its deposit contract and account opening practices, which might involve face-to-face meetings or the exchange of paper correspondence.

The institution should modify its policies as necessary to address the following e-banking funding issues:

☆ Potential increase in dependence on brokered funds or other highly rate-sensitive deposits;

☆ Potential acquisition of funds from markets where the institution is not licensed to engage in banking, particularly if

the institution does not establish, disclose, and enforce geographic restrictions;

☆ Potential impact of loan or deposit growth from an expanded Internet market, including the impact of such growth on capital ratios;

☆ Potential increase in volatility of funds should e-banking security problems negatively impact customer confidence or the market's perception of the institution.

Reputational risks - This is considerably heightened for banks using the Internet. For example the Internet allows for the rapid dissemination of information which means that any incident, either good or bad, is common knowledge within a short space of time. The speed of the Internet considerably cuts the optimal response times for both banks and regulators to any incident.

Any problems encountered by one firm in this new environment may affect the business of another, as it may affect confidence in the Internet as a whole. There is therefore a risk that one rogue e-bank could cause significant problems for all banks providing services via the Internet. This is a new type of systemic risk and is causing concern to e-banking providers. Overall, the Internet puts an emphasis on reputational risks. Banks need to be sure that customers' rights and information needs are adequately safeguarded and
provided for.

Security

Security is one of the most discussed issues around e-banking.

E-banking increases security risks, potentially exposing

hitherto isolated systems to open and risky environments.

Security breaches essentially fall into three categories; breaches with serious criminal intent (fraud, theft of commercially sensitive or financial information), breaches by 'casual hackers' (defacement of web sites or 'denial of service' - causing web sites to crash), and flaws in systems design and/or set up leading to security breaches (genuine users seeing / being able to transact on other users' accounts). All of these threats have potentially serious financial, legal and reputational implications.

Many banks are finding that their systems are being probed for weaknesses hundreds of times a day but damage/losses arising from security breaches have so far tended to be minor. However some banks could develop more sensitive "burglar alarms", so that they are better aware of the nature and frequency of unsuccessful attempts to break into their system.

The most sensitive computer systems, such as those used for high value payments or those storing highly confidential information, tend to be the most comprehensively secured. One could therefore imply that the greater the potential loss to a bank the less likely it is to occur, and in general this is the case. However, while banks tend to have reasonable perimeter security, there is sometimes insufficient segregation between internal systems and poor internal security. It may be that someone could breach the lighter security around a low value system.

It is easy to overemphasise the security risks in e-banking. It must be remembered that the Internet could remove some errors introduced by manual processing (by

increasing the degree of straight through processing from the customer through banks' systems). This reduces risks to the integrity of transaction data (although the risk of customers incorrectly inputting data remains). As e-banking advances, focusing general attention on security risks, there could be large security gains.

Financial institutions need as a minimum to have:

- a strategic approach to information security, building best practice security controls into systems and networks as they are developed
- a proactive approach to information security, involving active testing of system security controls (e.g. penetration testing), rapid response to new threats and vulnerabilities and regular review of market place developments
- sufficient staff with information security expertise
- active use of system based security management and monitoring tools
- strong business information security controls.

These are the issues line supervisors will be raising with their banks as part of their on-going supervision.

Conclusion

In conclusion e-banking creates issues for banks and regulators alike. For their part, banks should:

☆ Have a clear and widely disseminated strategy that is driven from the top and takes into account the effects of e-banking, together with an effective process for measuring performance against it.

☆ Take into account the effect that e-provision will have upon their business risk exposures and manage these accordingly.

☆ Undertake market research, adopt systems with adequate capacity and scalability, undertake proportional advertising campaigns and ensure that they have adequate staff coverage and a suitable business continuity plan.

☆ Ensure they have adequate management information in a clear and comprehensible format.

☆ Take a strategic and proactive approach to information security, maintaining adequate staff expertise, building in best practice controls and testing and updating these as the market develops. Make active use of system based security management and monitoring tools.

☆ Ensure that crisis management processes are able to cope with Internet related incidents.

One of the benefits that banks experience when using e-banking is increased customer satisfaction. This due to that customers may access their accounts whenever, from anywhere, and they get involved more, this creating relationships with banks.

Banks should provide their customers with convenience, meaning offering service through several distribution channels (ATM, Internet, physical branches) and have more functions available online. Other benefits are expanded product offerings and extended geographic reach. This means that banks can offer a wider range and newer services online to even more customers than possible before.

The benefit which is driving most of the banks toward e-banking is the reduction of overall costs. With ebanking banks can reduce their overall costs in two ways: cost of processing transactions is minimized and the numbers of

branches that are required to service an equivalent number of customers are reduced.

With all these benefits banks can obtain success on the financial market. But e-banking is a difficult business and banks face a lot of challenges.

Bibliography:

1. Business Objects Learning Solution to Power e-Business Intelligence, Editura Business Objects, 2001

2. AFZENI PAOLO, STEFANO CERI, "Database Systems", Ed. McGraw-Hill, 1999.

3. AVERACE CHRISANTHI, TONY CARNFORD, "Developing Information Systems. Concepts, Issues and Practice", Ed. Macmillan Press, 1993.

4. Adamson C. , Venerable M. Data Warehouse Design Solutions, Editura, Wiley, 1998

5. Berry J. A. M. , Linoff G. Data Mining Techniques: Marketing, Sales and Customer Support, Editura Wiley, 1997.

THE GREATEST THING

MONEY CAN BUY

IS FINANCIAL

FREEDON.

دجالیت کا نیا بھیانک رُخ (II)

الیکٹرانک بینکنگ، زر کی تخلیق، تبادلہ اور ارتکاز کی دجالی معراج

عبداللہ ابراھیم
چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ

نوعِ انسانی کا قافلہ جب اس زمین پر شروع ہوا تو ہر انسان اپنی ضرورت کی اشیاء خود شکار کرتا تھا یا اکٹھا کرتا تھا اور خاندان کا سربراہ اپنے زیر کفالت افراد کی ضرورت کا ذمہ دار تھا۔ جب آبادی بڑھی تو لوگوں کے درمیان اشیاء کے بدلے اشیاء(BARTAR SYSTEM) کا رواج ہوا۔ چونکہ اس وقت زمین کسی کی ملکیت نہیں تھی تو کسی بھی شے کی قدر، اس کو حاصل کرنے کی محنت کے مساوی تھی تاہم اس طریقے میں اشیاء کی قیمت معین کرنا ایک مشکل عمل تھا۔

انسان نے مزید ترقی کی تو کچھ عام استعمال کی اشیاء کو بطور (CURRENCY) استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس طریقے سے بہتری یہ آئی کہ ہر چیز کی قیمت کو ایک یا چند اشیاء کے تقابل میں بیان کیا جاتا تھا۔ یہ اشیاء کھجور، گندم وغیرہ تھیں، اس نظام میں آسانی تو آ گئی مگر ابھی بھی مشکلات تھیں کہ یہ اشیاء ایک جیسی نہیں ہوتی ہیں اور ان کا معیار مختلف ہوتا ہے اور ان اشیاء میں دولت کو جمع کر کے رکھا نہیں جا سکتا کیونکہ یہ اشیاء پائیدار نہیں ہیں(PERISHABLE)۔

اس دور میں انسان نے زمین کا استعمال شروع کیا اور شکار سے کاشت کاری اور پھر زمین اور اس کی معدنیات کی طرف متوجہ ہوا۔ اس طرح اس کی رسائی زمینی معدنیات اور دھاتوں سے ہوئی اور اس میں کچھ دھاتوں اور پتھروں کی چمک دمک، مضبوطی اور خوبصورتی نے اسے متأثر

کیا۔ چونکہ ان میں پائیداری (DURABILITY) بھی تھی تو لوگوں نے ان کو خرید کر رکھنا شروع کیا اور پھر زیورات وغیرہ کے بننے نے ان دھاتوں میں بھی ایک قیمت (VALUE) پیدا کردی۔ امیروں کے لیے دولت کو جمع کرنا آسان ہوگیا کہ وہ ان دھاتوں میں اپنے فاضل اثاثوں کو رکھیں۔

اسی دوران بادشاہتیں بھی وجود میں آگئیں اور ایک انسان کی مرضی ایک کافی بڑے علاقے میں مانی جانے لگی۔ اس دور میں سونے اور چاندی وغیرہ کے ایک خاص وزن کے ٹکڑے کو بطور زر (کرنسی) استعمال کرنے کا رواج پڑا۔ اس طریقہ میں نہ تو زر چند دنوں میں ضائع ہونے والی شے ہے اور نہ ہی اس کے معیار میں کوئی بڑا فرق ہے۔ اس طرح کی کرنسی کی ایک ذاتی قیمت بھی تھی اور یہاں تک کی ترقی ایک فطری ترقی تھی۔

12 ویں سے 16 ویں صدی تک جب یورپ اپنے ترقی کے سفر کو شروع کر رہا تھا تو اس وقت وہاں پر سونے کے کاروبار اور بین الاقوامی تجارت پر یہودیوں کا اثر ورسوخ تھا۔ انہوں نے اس وقت یورپ اور دنیا کے دوسرے بڑے شہروں میں کاروبار قائم کئے ہوئے تھے۔ لوگوں کے لیے اپنے سونے اور دوسرے سکوں کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا ایک مشکل کام تھا کیونکہ لوٹ مار کا بے حد خدشہ ہوتا تھا۔ انہوں نے اس صورتحال کا ایک اچھا حل پیش کیا کہ آپ اپنے سونے کو ہمارے پاس ایک شہر میں رکھوادیں اور اس کی رسید حاصل کرلیں اور اپنے مطلوبہ شہر میں جا کر ہمارے دفتر میں وہ رسید دکھائیں اور سونا حاصل کرلیں اور اپنے کام اس سے انجام دیں اس خدمت کے عوض وہ کچھ رقم بطور معاوضہ وصول کرتے تھے۔ اس طریقے سے انہیں بغیر کوئی کام کئے پیسے ملنا شروع ہوگئے۔ اس سے انہوں نے اگلا قدم سوچا کہ ان رسیدوں کو ایک کی بجائے مختلف مقداروں (DENOMINATION) یعنی 50،10،1 وغیرہ میں بانٹ دیا اور یہ بات عام کی کہ بجائے اس کے کہ آپ مطلوبہ شہر جا کر سونا حاصل کریں آپ ان رسیدوں کو ہی لوگوں کو دے دیں اور وہ رسیدیں لوگوں نے ایک دوسرے کو دینی شروع کردیں اور جس آدمی کا دل چاہتا وہ یہ رسیدیں ان سنار یہودیوں کے دفاتر میں جا کر سونا وصول کرلیتا۔ یہ طریق کار اتنا اچھا ثابت ہوا کہ لوگوں نے ان رسیدوں کی مدد سے سونا لینے کی بجائے ان رسیدوں ہی کا کاروبار میں استعمال شروع کردیا۔

کچھ عرصے بعد ہی ان یہودی سناروں کے گروہ کو احساس ہوا کہ لوگ اپنا سونا جمع کرواتے ہیں، رسید حاصل کرتے ہیں اور پھر رسیدوں پر کاروبار ہوتا ہے اور سونا ہمارے پاس ویسے کا ویسا ہی پڑا ہے، تو انہوں نے اپنے لیے فرضی رسیدیں جاری کرنا شروع کر دیں یعنی ان کے لیے اپنی تمام ضروریات کے لیے زر اور سونا حاصل کرنا بالکل مفت ہو گیا یعنی اب ان کے پاس بطور مثال اگر ایک لاکھ تولہ سونا تھا تو ایک لاکھ ہی اس کی رسیدیں تھیں مگر انہوں نے نو لاکھ مزید رسیدیں جاری کر دیں اور اگر اس دوران کسی شخص نے اپنی رسید دکھا کر سونا مانگا اور اس کو مل گیا تو ان کی ساکھ بھی قائم رہی۔ اس طرح دنیا میں بڑے بڑے یہودی خاندان وجود میں آئے۔ چونکہ ان یہودی خاندانوں کو ایک بہت بڑی طاقت حاصل ہو گئی تھی تو انہوں نے دنیا پر اپنے مزید تسلط کا منصوبہ بنایا۔ انہوں نے مختلف حکمرانوں سے تعلقات قائم کیے۔ اس وقت یورپ میں چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں اور ان کے درمیان لڑائیاں تھیں۔ یہودی سناروں نے جو کہ اب بینکار بن چکے تھے، اپنے اپنے علاقوں میں حکمرانوں کو قرضے دیے اور لڑائیاں کروائیں۔ اس سے ان حکمرانوں مزید رقم کی ضرورت پڑی اور یہودی بینکاروں نے قرض کے نام پر مزید رسیدیں جاری کر دیں اس طرح انہوں نے ان قرضوں پر سود حاصل کیا جبکہ یہ محض کاغذی رسیدیں تھیں۔ تاہم اس طریقے میں ان کے بعض جگہ اختلافات بھی ہو گئے اور بعض جگہ اس کاروبار میں اور لوگ بھی داخل ہو گئے۔ یہودی بینکاروں نے اندازہ لگایا کہ اب یہ کاروبار اس طرح چل سکتا ہے کہ ان کے پشت پر حکومت ہو اور یہ رسیدیں حکومت کی ضمانت سے جاری ہوں تو انہوں نے بینک آف انگلینڈ کے نام سے ایک بینک بنایا چونکہ اس دور میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت برطانیہ ہی تھی لہٰذا بینکوں کے کاروبار کو اصول وضوابط کے تحت کر دیا گیا البتہ مرکزی بینک کے پاس رقم چھاپنے کا اختیار تھا۔ جب دنیا کی طاقت امریکہ کو منتقل ہو رہی تھی تو وہاں پرائیویٹ بینکوں کی زیرنگرانی فیڈرل ریزرو (FEDERAL RESERVE) بنایا جو کہ امریکہ میں رقم چھاپنے اور سود کی شرح اور بینکوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ شروع میں جتنی رقم چھاپی جاتی تو اس کے برابر سونا ہونا ضروری تھا پھر اس شرح کو 100 فیصد سے کم کیا گیا اور بالآخر ختم کر دیا گیا۔ پھر امریکہ کی کرنسی (DOLLAR) کو تمام دنیا کی تجارتی کرنسی بنا کر اور تمام دنیا کے ممالک کے مرکزی بینکوں میں سونے کی بجائے ڈالر کو بطور

ضمانت رکھنے سے ان یہودی بینکروں نے امریکہ اور دنیا کے ممالک کے نظامِ زر پر کنٹرول حاصل کرلیا ہے اور اس دوران دنیا بھر کی دولت کے بڑے حصے کو انہوں نے اپنے قبضے میں کرلیا ہے۔ تاہم دنیا کی مالیات پر قبضے کے بعد انہوں نے دنیا پر بالفعل قبضے اور ایک عالمی حکومت کا بھی سوچنا شروع کردیا اور پچھلے ایک سو سال سے وہ اس پر کام کررہے ہیں۔

اسی دوران دنیا میں ترقی ہوئی اور 1960ء اور 1970ء کی دہائی میں کمپیوٹر وجود میں آگئے کمپیوٹر کے دوسرے استعمالات کے ساتھ ساتھ مالی معاملات میں بھی اس سے بڑی تبدیلیاں آئیں اور 1990ء کی دہائی تک ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے زیادہ تر بینک کمپیوٹرائزڈ ہوگئے۔ 1990ء کی دھائی سے انٹرنیٹ (دنیا بھر کے کمپیوٹر کا آپس میں رابطہ) نے عروج حاصل کرنا شروع کیا تو بینکوں نے بھی اپنے کھاتہ داروں سے کمپیوٹر کے ذریعے معاملات (ONLINE BANKING) شروع کردی اور معاملات INTERNET BANKING تک پہنچ گئے اور اب یہ موبائل فون (کمپیوٹر کی مختصر شکل) کے ذریعے بینکنگ تک پہنچ گئے ہیں۔

ہم اب الیکٹرانک بینکنگ (ELECTRONIC BANKING) کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

الیکٹرانک بینکنگ رقم کی ایک بینک اکاونٹ سے دوسرے بینک اکاوئنٹ میں منتقلی کا نام ہے، جو کہ بذریعہ کمپیوٹر صارف خود کرتا ہے۔ اس کے ذریعے

A۔ پیسے جمع کروائے جاسکتے ہیں۔

B۔ منتقل کئے جاسکتے ہیں۔

C۔ نکلوائے جاسکتے ہیں۔

D۔ بل وغیرہ جمع کروائے جاسکتے ہیں۔

E۔ بنک کو مستقل ہدایات دی جاسکتی ہیں کہ وہ خود بخود بروقت بلوں کو مقررہ وقت میں جمع کروا کر رقم اکاؤنٹ میں سے کاٹ لے۔

F۔ خریدداری اور خدمات کو کیش میں ادا کرنے کی بجائے اسی وقت کارڈ (ڈیبٹ کارڈ جو کہ آپ کی اپنی رقم ہوتی ہے) یا کریڈیٹ کارڈ (جو کہ آپ بینک سے ادھار لے کر ادا کرتے

ہیں) کے ذریعے ادا کر سکتے ہیں۔

G۔ اپنے تمام معاملات کا بہتر حساب رکھ سکتے ہیں۔

H۔ اپنی رقم محفوظ اور ہر وقت قابل استعمال رکھ سکتے ہیں۔

الیکٹرانک بینکنگ میں انٹرنیٹ بینکنگ، ATM مشین، فون پر بینکاری، کارڈ کے لیے ادائیگیاں اور الیکٹرانک چیک وغیرہ شامل ہیں۔

بنک کے لیے الیکٹرانک بینکنگ میں درج ذیل فوائد ہیں:

1۔ ہر کام میں کم خرچ آتا ہے۔ اگرچہ شروع کی مشینوں کا خرچ زیادہ ہے۔

2۔ صارفین کا کام جلدی جلدی ہوتا ہے اور زیادہ صارفین کو خدمات دی جا سکتی ہیں۔

3۔ کام کی رفتار بہت تیز ہو جاتی ہے۔

4۔ صارف زیادہ مطمئن ہو جاتا ہے۔

5۔ بنک کا وقار بہتر ہو جاتا ہے۔

عام صارف کے لیے اس میں درج ذیل فوائد ہیں

1۔ وہ لائن میں لگے بغیر اور بینک آئے بغیر بل جمع کروا سکتا ہے۔

2۔ گھر بیٹھے رقم وصول کر سکتا ہے۔

3۔ رقم دوسروں کو منتقل کر سکتا ہے۔

4۔ ONLINE خریداری اور ادائیگی کر سکتا ہے۔

الیکٹرانک بینکنگ میں برانچ کی بجائے صارفین کو ایک ٹیلی فون نمبر پر رابطہ کر کے رہنمائی حاصل کرنا ہوتی ہے اور اس رہنمائی کے لیے صارفین کے لیے ایک CUSTOMER SUPPORT کا شعبہ بنایا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ بینک کو بنائے گئے قوانین کی پیروی کرنی ہوتی ہیں اور اپنے صارفین کی تمام معلومات (بینکنگ شروع کرنے کا لوگ۔ان نام یا پہچان کا پاس ورڈ) اور اس کی رقوم وغیرہ کا مکمل تحفظ کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ غلط لوگوں کے پاس نہ چلی جائیں اور اپنے کمپیوٹر اور تمام متعلقہ مشینوں اور تمام ریکارڈ کی حفاظت کرنا ہوتی ہے۔

دنیا میں الیکٹرانک بینکنگ تیزی سے پھیل رہی ہے اور ترقی یافتہ ممالک تو اس پر باقاعدہ کام کر رہے ہیں کہ اگلے دس سالوں میں کاغذی کرنسی کو ختم کر دیں ترقی پذیر ممالک میں 2010ء تک الیکٹرانک بینکنگ کم تھی، مگر سمارٹ فون موبائل کی آمد سے اس کی رفتار کو بے حد تیز کر دیا ہے اور اب معاشرے کے کم آمدنی والے طبقات بھی اس کو استعمال کر رہے ہیں۔ پاکستان میں مالی سال 2017-18ء میں الیکٹرانک بینکنگ کے ذریعے 558 کھرب روپے ایک اکاؤنٹ سے دوسرے میں منتقل ہوئے اور اس منتقلی کے لیے ایک ارب 22 کروڑ احکامات جاری ہوئے۔

تنقیدی جائزہ

انسان، اللہ کی عطا کردہ عقل استعمال کر کے اور تجربات کے ذریعے خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہے۔ اگر ہم الیکٹرانک بینکنگ سے پہلے کی ترقی دیکھیں تو انسان مستقل بہتری کی طرف گیا۔ مگر یہودی بینکاروں نے سونے کی اصل رقم کی بجائے اس سے بہت زیادہ گنا کی رسیدیں جاری کر کے اس سارے معاملے میں دنیا کی بڑی دولت اکٹھی کر لی ہے۔ دنیا میں FORBES جو کہ امیر ترین لوگوں کی فہرست جاری کرتا ہے، اس میں جو لوگ آتے ہیں، ان کی دولت دنیا کے اصل امیر گروہ (یہودی بینکار خاندان جو کہ خفیہ رہ کر کام کرتے ہیں) کے مقابلے میں بہت ہی کم ہو گی اور اب الیکٹرانک بینکنگ جو کہ بظاہر بھی اور حقیقتاً بھی انسانیت کے لیے ایک بہت بڑی سہولت ہے، اس کا خفیہ ایجنڈا ہی اس کی اصل برائی ہے۔ دنیا میں آج کل بہت بڑے بڑے کمپیوٹر ہیں اور وہ دنیا کے ہر آدمی کے متعلق تمام ممکنہ معلومات جمع کرنا چاہتے ہیں یہ معلومات اس کی دوستیاں، خیالات، آمدنی، خرچ، رجحانات وغیرہ کا مکمل حساب رکھنا اور اس کی بنیاد پر اس شخص کے مستقبل کے فیصلوں اور اقدامات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا ہے۔

یعنی دنیا کے یہودی بینکار جو کہ دنیا کی بڑی دولت پر قابض ہیں، اب وہ عملاً پوری دنیا پر قبضہ کرنا اور ایک حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے وہ اتنا مضبوط جال بنانا چاہتے ہیں کہ ہر شخص ان کی مٹھی میں ہو اور اس سے نکل نہ سکے اور وہ یہ مندرجہ ذیل صورتوں سے کر رہے ہیں:

1۔ FACEBOOK سے اس کی دوستیاں، رجحانات اور پسند کا ریکارڈ (یا اس سے ملتے جلتے

سوفٹ وئیر)۔

2۔ GOOGLE سے اس کی ہر ہر تلاش اور ہر ہر کمپیوٹر کلک ۔

3۔ مقام کے سوفٹ وئیر (LOCATION SOFTWARE) کے ذریعے اس کی 24 گھنٹے کی مصروفیات ۔

4۔ سمارٹ فون کے ذریعے اس کی ہر بات کی ریکارڈنگ ۔ چاہے وہ فون پر ہو یا ویسے ہی ہو۔

5۔ ٹچ سکرین کے ذریعے اس کا ہر عمل اور دوسرے سوفٹ وئیر کے ذریعے اس کا مکمل جائزہ۔

6۔ E-BANKING سے اس کے سارے آمد و خرچ کا حساب ۔

ان تمام معلومات کا بڑے بڑے کمپیوٹر کے ذریعے اس طرح تجزیہ کیا جاتا ہے کہ سائنسی بنیادوں پر اس کے مستقبل کو بھی طے کر دیا جاتا ہے یا اس کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے یعنی جو چیز کاغذی کرنسی میں ایک دھوکہ تھا وہ E-BANKING میں دوآتشہ ہو کر دھوکہ اور مکمل نگرانی ہو جاتا ہے۔

موجودہ سسٹم اس دنیا میں امریکہ کی سربراہی میں چل رہا ہے اور جب یہ یہودی بینکار گروہ چاہے گا وہ موجودہ سسٹم کو برباد کر دے گا اور پھر بہتری کے نام پر ایک عالمی سسٹم لائے گا جو کہ دراصل دجالی سسٹم ہو گا۔

موجودہ حالات میں کرنے کا کام

ہمیں ان حالات میں اشیاء کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے اور موجودہ دجالی دور کی سہولیات میں بالکل گم نہیں ہونا چاہیے بلکہ بہت تھوڑا استعمال کرنا چاہیے تاکہ جب اصل دجال بطور شخص بھی آجائے تو ہم اس کو پہچان سکیں اور اتنی سکت باقی ہو کہ اس کے نظام (دنیاوی جنت) کو ٹھکرا کر اور اس شہری زندگی کو چھوڑ کر دور دراز کے علاقوں میں رہنے کی ہمت کر سکیں۔ تاکہ اس دوران میں ہمارا اس سے سامنا نہ ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ کر اس شخصی دجال کا خاتمہ کر سکیں۔ یعنی ہم ان تمام چیزوں کو سمجھیں مگر استعمال کم سے کم کریں اور مکمل طور پر اس کی طرف نہ جائیں تو اس میں ہی ہمارے بچنے کا امکان ہے۔

خلق خدا کیا کہتی ہے؟

دجالیت کا جدید مہلک ہتھیار
کرپٹو کرنسی (Crypto Currency)
وسائل رزق پر قبضہ کے جدید ہتھکنڈے

حافظ مختار احمد گوندل
(چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

اُمت مسلمہ کو دیگر لاتعداد مسائل کی طرح آج فکر معاش کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔ اسلام میں رزق میں کشادگی کے وہ ذرائع کہ جن پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنا مستقبل سنوار سکتا ہے، اغیار کی طرف سے وسائل رزق پر قبضہ کے جارحانہ ہتھکنڈوں سے محفوظ رہ سکتا ہے، ان ذرائع کا شریعت محمدیہ میں تفصیل کے ساتھ تذکرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نظامِ قدرت میں نہ صرف انسانی حاجات وضروریات کا انتظام وانصرام فرمایا ہے بلکہ روئے زمین پر بسنے والی تمام زندہ مخلوقات کے رزق کا بھی اہتمام فرمایا ہے۔ قرآن حکیم میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِى الْأَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِى كِتَابٍ مُبِينٍ (06:11)

’’اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہیں وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی۔ یہ سب کچھ کتابِ روشن میں (لکھا ہوا) ہے‘‘۔

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِى شَاْنٍ o (29:55)

''زمین اور آسمانوں میں جو بھی ہے، اپنی حاجتیں اسی سے مانگ رہے ہیں، ہر آن وہ نئی شان میں ہے''۔

سب سے اہم اور ضروری چیز جس کا اسلام اہل اسلام سے تقاضا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کے طلب گار رہیں اور اسی کے سامنے اپنی حاجت براری کے لئے دست سوال دراز کریں۔

یہ نزولِ باراں، زمین کی شادابیاں، لہلہاتی کھیتیاں، باغات میں پھولوں اور پھلوں سے لدی یہ ڈالیاں، اونچے پہاڑ، گہرے دریا اور ندیاں یہ سب کچھ ضیافتِ طبع انسانی کے لئے ہی تو ہیں۔ مومن کا اس بات پر یقین ہے کہ کائنات میں سب کچھ رزق، نفع، نقصان، بیماری، موت اور زندگی غرض ہر چیز تنہا اللہ تعالیٰ کی ہے اور توکل کرنے والوں (اس یقین کو مستحضر رکھنے والوں) کیلئے مسخر کی ہے۔ اسی طرح اللہ پر اعتماد و توکل کرنے کے بارے میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ؛ لَرَزَقَكُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ، تَغْدُو خِمَاصًا، وَتَرُوحُ بِطَانًا (مسند احمد، عن عمر رضی اللہ عنہ)

''اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر واپس لوٹتے ہیں''۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (3:56)

جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرے (اور اپنے تمام کاموں کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کردے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ أَنَّ ابْنَ آدَمَ هَرَبَ مِنْ رِزْقِهٖ كَمَا يَهْرُبُ مِنَ الْمَوْتِ لَأَدْرَكَهٗ رِزْقُهٗ كَمَا يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ (شعب الایمان)

''یقیناً اگر ابن آدم رزق سے بھاگے جیسے موت سے بھاگتا ہے تو رزق اس طرح اسے ملتا ہے جس طرح اس کی اجل (موت) اسے ملتی ہے۔''

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ قَلْبِ ابْنِ آدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةً، فَمَنِ اتَّبَعَ قَلْبُهُ الشُّعَبَ كُلَّهَا، لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ بِأَيِّ وَادٍ أَهْلَكَهُ، وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ كَفَاهُ التَّشَعُّبَ

(ابن ماجہ)

''آدمی کے دل کے لئے ہر میدان میں شاخ ہے (یعنی ہر میدان میں آدمی کے دل کی خواہشات پھیلی ہوئی ہیں) پس جو آدمی اپنے دل کو ان سب شاخوں اور خواہشوں میں لگا دے گا اور فکر کے گھوڑے ہر طرف دوڑائے گا تو اللہ تعالیٰ کو پرواہ نہ ہوگی کہ کس وادی اور میدان میں اس کی ہلاکت ہو اور جو آدمی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے (اور حاجتیں اس کے سپرد کر دے اور اپنی زندگی کو اس کا تابع فرمان بنا دے) تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتوں کے لئے کفایت کرے گا (اور اس کو دل کے اطمینان و سکون کی وہ دولت نصیب ہوگی جو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت و نعمت ہے)''

اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کے ساتھ ساتھ رضا بالقضاء پر انسان کی سعادت و نیک بختی کا دارومدار ہے اور انسان کی شقاوت و بدبختی کا انحصار بھی اس بات پر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ناخوش ہو۔ حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ، وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللّٰهِ، وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ

''آدمی کی خوش نصیبی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے جو فیصلہ ہو وہ اس پر راضی رہے اور آدمی کی بدنصیبی میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے خیر اور بھلائی کا طالب نہ ہو اور اس کی بدنصیبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے ناخوش ہو۔'' (ترمذی)

متذکرہ بالا آیات واحادیث مقدسہ سے یہ بات صریح طور پر معلوم ہوگئی کہ جو بندہ اپنے رب پر صدقِ دل، پختہ یقین اور کامل طور سے اعتماد وتوکل رکھتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے ایسی جگہ سے رزق کے وسائل واسباب مہیا فرماتا ہے جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں کہ ۔

چنان پہن خوانِ کرم گسترد　　　که سیمرغ درقاف قسمت خورد

''اس کی عطا کا خوان نعمت اس قدر وسیع بچھایا ہے کہ سیمرغ کوہِ قاف میں اپنی قسمت کا رزق کھاتا ہے''۔

اس کی رزّاقیت پر کامل اعتقاد واعتماد، عزم ویقین ہونا چاہیے کہ وہ ذات جو زمین پر رینگنے والے کم تر جانوروں کو روزی دیتی ہے تو یقیناً اسے بھی دے گی اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل طور پر اعتماد وبھروسہ کرے، یقیناً اس کے لئے رزق کے وسیع وکشادہ دروازے کھل جائیں گے جن کے بارے میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (52:11)

''وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا اور تمہاری قوّت درقوّت بڑھا دے گا اور تم مجرم بن کر روگردانی نہ کرو۔''

اور ہر حال میں اس کا شکرادا کرتے رہنا بھی رزق میں اضافہ کا موجب ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ (7:14)

''اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بے شک میں تمہیں زیادہ دوں گا۔''

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (3-2:56)

''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو......۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ

لَّکُمۡ جَنّٰتٍ وَّیَجۡعَلۡ لَّکُمۡ اَنۡهٰرًاo(71:11-12)

''وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا اور تمہیں خوب پے در پے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا اور تمہارے لیے نہریں نکال دے گا۔''

دن کا آغاز رزق کی تلاش سے کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت میں برکت کی دعا فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللّٰھُمَّ بَارِكۡ لِاُمَّتِی فِی بکُورِھَا (ابوداود)

''اے اللہ میری امت کے صبح کے وقت میں برکت دے۔''

قرآن کریم میں انسان کو تلاشِ رزق کا حکم دیا گیا، چنانچہ مذکور ہے:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ o(62:10)

''پھر جب نماز (نمازِ جمعہ) سے فارغ ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو''۔

اس آیتِ مقدسہ میں فکرِ معاش اور تلاشِ رزق کا درس دیا گیا ہے۔ لیکن انسان کسبِ معاش اور فکرِ دنیا میں اتنا بھی مشغول نہ ہو جائے کہ اسے اپنا مقصدِ تخلیق بھی یاد نہ رہے۔ اسے نہیں بھولنا چاہیے کہ جب وہ اس دنیا میں آیا تو بدن پر کوئی جامہ، نہ طاقت لسان مگر اس کا ہر طرح سے نگہبان وہ پاک رحمٰن تھا۔

وسائل رزق پر قبضہ کے جدید ہتھکنڈے

فکرِ معاش میں ذکرِ خدا کو بھول گئے — تلاشِ رزق میں اپنے الٰہ کو بھول گئے
ملا وہی جو ان کے مقدر میں رزق لکھا تھا — کیسے ناداں تھے وقتِ نزع کو بھول گئے

یقیناً رزق اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے۔ خالق کائنات نے معاش و رزق کے وسائل و ذرائع پیدا فرما کر یہ حکم دیا کہ جائز طریقوں، کسبِ حلال اور مالِ طیب سے اپنی اور اپنے زیر کفالت افراد کی پرورش کی جائے۔ اور رزقِ حرام سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ ارشادات نبوی ﷺ میں رزقِ حلال کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔ ''حلال روزی فرض (یعنی نماز اور روزہ وغیرہ) کے بعد فرض ہے''۔ ''اپنے اہل و عیال کے لیے رزقِ حلال تلاش کرو یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے''۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا ’’ہاتھ کی کمائی سے بہتر اور کوئی کھانا نہیں ہے۔‘‘

ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلام کے ان احکامات سے انحراف نہ کرے، بالخصوص ایسے افراد جنہیں اللہ تعالیٰ نے محدود پیمانے پر رزق عطا فرمایا ہے اور جب وہ اپنے سے بہتر رزق رکھنے والے مرفہ الحال افراد پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کے دلوں میں بے چینی و اضطراب کے طوفاں اُمڈ آتے ہیں۔ معاشی الجھنیں ان کے اندر ایسا تلاطم پیدا کر دیتی ہیں۔ کہ جائز و ناجائز میں تمیز نہیں رہتی۔ جرائم پیشہ افراد کی اکثریت ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ہے جو سماج کے اندر رزق کے مراتب کا اختلاف دیکھ کر انتقام پر اتر آئے کیونکہ وہ برتر افراد کی آسائشات کو دیکھ کر گھناؤنے جرائم جن میں قتل، ڈاکہ، رہزنی، چوری، لوٹ مار اور خودکشی سرفہرست ہیں کی دنیا میں داخل ہو گئے۔

معاش انسانی کی تگ و تاز کا آغاز تبادلہ اشیاء یعنی بارٹر سسٹم سے ہوا۔ کرنسی کا تو کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ لہٰذا قیمتی اشیاء یا مال و ملکیت مویشی جانوروں سے لے کر غلہ، سبزیاں، نمک، سونا اور چاندی وغیرہ بطور زر استعمال ہوتا تھا۔ وسائل رزق کو محنت کے تبادلے میں وصول کیا جاتا۔ تبادلہ اشیاء کی مشکلات نے افراد کی توجہ زر کی متبادل صورتوں کی جانب مبذول کی۔ تو ’’نظامِ زر بضاعتی‘‘ وجود میں آیا۔ زیر استعمال سہل الحصول اشیاء کو ثمن کا درجہ مل گیا لیکن معاشی تاریخ میں یہ مفید نظام ہونے کے باوجود تمدنی ضروریات پوری نہ کر سکا اور پھر دھاتوں کے مختلف سائز کے ٹکڑے زر بضاعتی یا کرنسی کے طور پر استعمال ہونے لگے۔ ان کے وزن، حجم اور شکل میں نہ تو یکسانیت پائی جاتی تھی اور نہ ہی ان دھاتوں کی پہچان کا کوئی واضح نظام موجود تھا۔ دھاتوں سے بنی ہوئی کرنسی کے یہ ٹکڑے زیادہ تر سونے اور چاندی سے تعلق رکھتے تھے مگر ان میں اصلی اور نقلی دھات کی پہچان ایک مشکل مرحلہ تھا، نیز ان کی شرح تبادلہ میں کوئی یکسانیت نہ ہونے کی بنا پر تبادلہ میں بہت سی مشکلات اور دشواریوں پر قابو پانے کے لئے حکومتوں نے دھاتوں سے بننے والی کرنسی کا وزن، سائز، شکل اور بطور ضمانت ریاستی مہر (Pfficial stamp) بھی لگانا شروع کر دی۔ سب سے نمایاں تبدیلی قیمتی دھاتوں کے ٹکڑے وزن کی بجائے اعداد میں شمار ہونے لگے اور دھات کے یہ مہر شدہ ٹکڑے اشیاء اور خدمات کی خرید و فروخت میں معاوِن بن گئے۔

جنوبی ایشیا کی ریاست لیڈیا کے بادشاہ کریوس کے عہد میں دھاتی کرنسی کا یہ دور آیا۔

جو نوعِ انساں کی معاشی تقدیر کی خشت اوّل ثابت ہوا۔ 700 قبل مسیح کے یہ سکے برطانوی عجائب گھر میں موجود ہیں۔ 600 قبلِ مسیح میں تُرکی کے فرمانرواء الیاتمیں نے بھی دھاتی سِکّہ متعارف کروایا۔ یونانی ریاستوں میں ''دراخمہ'' نام کے سکے رائج ہوئے۔ جو عربوں میں ''دراہم'' نام سے موسوم سکے استعمال ہونے لگے۔ ''درہم'' چاندی اور ''دینار'' سونے کا سکہ تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے درہم و دینار کو بطور کرنسی قبول فرمایا اور نافذ فرمایا۔ درہم و دینار اسلامی خلافت میں اشیاء اور خدمات کے اندازہ ءقدر کی بنیاد قرار پائے، یعنی قیمتوں اور مزدوریوں کی پیمائش کو حکومت نے جاری کیا۔ درہم و دینار کو جاری کرنے کی ذمہ داری مقتدرِ اعلیٰ کے پاس تھی۔ سلطنتوں نے اپنے اپنے علاقوں میں دھاتی سکوں کو رواج دیا جسے ریاستی سرپرستی کی وجہ سے قبول کیا جاتا تھا۔ دھات کا وزن اس حقیقی قدر کو ظاہر کرتا تھا، جسے ان کی حقیقی قیمت یا ثمن قرار دیا جاتا۔ تجارتی کاروبار کے لئے ان سکوں کا وزن، ان کی حفاظت نئی دشواریوں کی موجب بنی۔ تو ان دھاتی سکوں کا موزوں بدل بالآخر کاغذی کرنسی (Paper Currency) کی صورت اختیار کر گئے۔ جن کے پیچھے اُس کی حقیقی قیمت درج ہوتی۔ سونا یا چاندی کی مقدار متعین ہوتی۔ یہ 20 ویں صدی کے نصف اول تک رائج رہے۔

20 ویں صدی کے دوسرے نصف سے دنیا میں بیشتر کرنسی فیٹ معیار (Fiat Standard) کرنسی کہلاتی ہے اور یہ کرنسی صرف عوامی اعتماد کی بنیاد پر اپنی قیمت رکھتی ہے۔ گویا نوٹ کی حقیقی قدر صرف وہ اعتماد ہے جو ہم اپنے ریاستی اداروں پر کرتے ہیں۔

دورِ حاضر میں تبدیلی کی رفتار گزشتہ ادوار کے مقابلے میں کہیں تیز اور زیادہ ہے۔ پیپر کرنسی کی جگہ آج ترقی یافتہ ممالک میں 50 فیصد سے زائد ڈیبٹ / کریڈٹ کارڈ زیرِ استعمال ہیں۔ اب موجودہ کرنسی نے ایسا ڈیجیٹل رخ اختیار کر لیا ہے جسے کرپٹو کرنسی کہا جاتا ہے۔ اسمیں کرپٹولوجی اور کرپٹوگرافیکل تکنیک (Cryptology and Cryptograhical Techniques) کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

دنیا کو 21 ویں صدی نے کرنسی کی ایک ایسی آزاد جہت سے روشناس کرایا جسے کبھی تصور میں بھی نہیں لایا جا سکتا تھا۔ ڈیجیٹل کرنسی میں سب سے جدید کرنسی Bitcoin ہے۔

2008ء کا وہ مالیاتی بحران جسے حکومتیں سنبھال نہ پائیں اور اس نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں اس کرپٹو کرنسی یعنی ایک ایسی کرنسی جو عالمی سطح پر اعتماد ہی اس کی اصل قدر ہو۔ حکومتوں اور بینکوں کی گرفت سے آزاد ہو۔ ہر شخص کے کنٹرول میں ہو، کا تصور آیا۔ جبکہ کرنسی کا مطلب ہوتا ہے سونے (Gold) کا حکومتی متبادل۔ بٹ کوائن کا مطلب حکومتی کرنسی کی موت ہے۔ جس کا مطلب خود حکومت کی موت ہے (یعنی بٹ کوائن کنٹرول کرنے والے بینکار ہی اب دنیا پر حکومت کریں گے)۔

(https:ur.wikipedia.org/wiki/ بٹ_کوئن)

کرپٹو کرنسی انٹرنیٹ کی ترقی کا ثمر یعنی کمپیوٹرائزڈ تخلیق ہے۔ دنیا کے سکڑنے (Globalization) کا نتیجہ ہے، جس کا پاس ورڈ چوری ہو گیا، سافٹ ویئر ناکارہ ہو گیا یا کر دیا گیا، تمام کی تمام کرپٹو کرنسی عنقا ہو گئی۔ میڈیا کی بے پناہ تشہیر کے ساتھ ایسی دلکش مراعات وثمرات سامنے لائے جاتے ہیں کہ مالکان اور صارفین دونوں کا پتہ چلانا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرف انسانی کی توجہ ہی نہیں جاتی۔ اس کا غیر قانونی استعمال روکنا امر محال ہے۔ کرپٹو کرنسی میں سرمایہ کاری کے منفی اور مثبت پیچیدہ پہلوؤں کے بارے میں معلومات تک رسائی دشوار ہے۔ کسی حکومت یا مالیاتی ادارے کی گارنٹی مفقود ہے۔ شرعی احکام جیسے پیپر کرنسی کے ذخائر میں دولت (سونا) پر شرعی زکوۃ وغیرہ ہیں۔ پھر یہ ملکی قوانین کی دست برد سے محفوظ ہے۔ دراصل حکومتیں اپنے پاس موجود سونے کے ذخائر کی مالیت سے کہیں زائد پیپر کرنسی چھاپ کر افراط زر پیدا کر رہی ہیں۔ اس حقیقت کے باوجود بطور رسید پشت پر حکومت وقت کی گارنٹی ہمہ وقت موجود ہوتی ہے۔ کرپٹو کرنسی ایسی ہی مالی بدعنوانیوں اور جعل سازیوں کو طشت از بام کرتے ہوئے فقط عالمی سطح پر عوامی اعتماد ہی اس کی اصل قدر کی بناء پر معرض وجود میں آئی۔ جو بین الاقوامی مالیاتی نظام کے مقابلے میں کمپیوٹر میں محفوظ ڈیٹا کی صورت میں ایک بھرپور مکمل نظام ہے۔ ایک ایسا نظام جسکے صارف عوام ہی اس کی بقاء کے ضامن ہیں۔ ایسی آن لائن کرنسی جس میں نقدی کے تمام خصائص موجود ہیں۔ یہ برسوں پر محیط کرنسی نظام کی پیچیدگیوں سے بچنے کی ایک طویل ذہنی جدوجہد ہے۔ جو کرنسیوں کے موجودہ نظام کی پابندیوں سے آزاد ڈیجیٹل کرنسی بنانے کی کوششوں میں صرف

ہوئی۔ وہ آج ہمارے سامنے ہے۔ القصہ کوئی بھی ڈیجیٹل کرنسی حقیقی شرعی کرنسی کے بنیادی اوصاف وشرائط پورے نہیں کرتی۔ کرپٹو کرنسی کسی ادارے (Authority) یا حکومت کے دائرہ اختیار میں نہیں۔ موجودہ کرنسی کا تمام ریکارڈ اوراس کی منتقلی کی اجازت سٹیٹ بینک کے پاس ہوتی ہے اور منتقلی کے دوران فیس، ٹیکس اور کئی اقسام کے معاوضوں کی کٹوتی بھی ہوتی ہے۔ جس کا ریکارڈ بینک کے لیجر میں ہوتا ہے جسے باآسانی ٹریک کیا جاسکتا ہے کرپٹو کرنسی میں ایسا معاملہ نہیں۔ یہ محض کمپیوٹر میں ڈیٹا کی صورت ہوتی ہے۔

2013ء میں غیرقانونی سرگرمیوں میں ملوث ویب سائٹ سلک روڈ کو امریکی ایف بی آئی نے بند، اور 144000 بٹ کوئنز کو منجمد کر دیا، اس وقت اس کی قیمت 28.5 ملین ڈالرز تھی۔ تاہم امریکی حکومت بٹ کوئن کے معاملہ میں دیگر حکومتوں سے زیادہ فراخ دلی سے کام لیتی ہے۔ امریکہ، یورپ اور جاپان میں یہ قانونی کرنسی کے طور پر قبول کی جاتی ہے۔ لیکن ابھی تک کرپٹو کرنسی کو حکومت پاکستان نے قبول نہیں کیا۔

کرپٹو کرنسی موبائل اپلی کیشن اور کمپیوٹر پروگرام ہے۔ ڈیجیٹل کرنسی کا کوائن نیٹ ورک ایک عوامی لیجر (بہی کھاتہ) میں شریک کرتا ہے جو "بلاک چین" کہلاتا ہے۔ لیجر میں تمام ٹرانزیکشن کی تفصیلات موجود ہوتی ہیں اور ہر ٹرانزیکشن کی درستی کیلئے صارف کے کمپیوٹر کی تصدیق اور جعل سازی سے بچنے کیلئے ہر ٹرانزیکشن ڈیجیٹل دستخط سے ہوتی ہے، جبکہ کمپیوٹر یا مخصوص ہارڈ ویئرز کے ذریعے یہ سروس فراہم کرنے پر بطور انعام کوائن (Mining) بھی ملتے ہیں۔

تا حال ڈیجیٹل کرنسی سے لوگ ناواقف ہیں، جس کے پاس پاس ورڈ ہو وہی رقم استعمال کرسکتا ہے کیونکہ یہ کرنسی قومی وبین الاقوامی قوانین سے مبرا اور انٹرنیٹ کی طرح غیر مرکوز ہے۔ نہ انٹرنیٹ کا کوئی وطن اور نہ ہی اس کرنسی کا۔ اس کرنسی کا وجود کروڑوں مربوط کمپیوٹروں میں ہے۔ "ڈیجیٹل کرنسی" "انکرپشن (خفیہ کاری) ہی کی تخلیق اور انکرپشن سے ہی اس کی مانیٹرنگ ہوتی ہے۔ کرپٹو کرنسی کی مالیت میں برق رفتار اتار چڑھاؤ سے صارفین لمحہ بہ لمحہ خدشات کا شکار رہتے ہیں۔

19 اگست 2018ء کے اعداد وشمار کی روشنی میں دنیا میں تقریباً 1600 کرپٹو کرنسیاں انٹرنیٹ پر موجود ہیں جن میں سب سے مشہور بٹ کوائن (Bitcoin) کی کل مالیت دنیا بھر میں

137million$ ہے اور پیداواری صلاحیت 1800 Coins روزانہ ہے۔ بٹ کوئن کا آغاز 2009ء میں ہوا۔

کرپٹوکرنسی سے کی جانے والی Transactions دنیا بھر میں اوسط 150Miliion روزانہ ہے۔ اسی طرح بٹ کوائن کو بھی دس کروڑ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ ایک بٹ کوائن کے ایک ہندسے کے آگے آٹھ صفر تک لگ سکتے ہیں یعنی اگر ایک بٹ کوائن کے آپ مالک ہیں تو آپ مجازی طور پر دس کروڑ ساتوشی کے مالک ہیں۔ اب بٹ کوائن کی حد کو 2020 میں بڑھایا جائے گا۔ 2140ء کے بعد کوئی بٹ کوائن جاری نہیں ہوگا کیونکہ دو کروڑ 10 لاکھ بٹ کوائن کی آخری حد ہوگی۔

کرپٹوکرنسی سے خریداری کریڈٹ / ڈیبٹ کارڈ سے زیادہ سہل ہے۔ دنیا بھر میں کسی بھی جگہ کسی بھی وقت رقوم کی منتقلی اور وصولی فوراً ہوجاتی ہے۔ کیونکہ حکومتی پالیسیوں کی قید سے آزاد ہے۔ ڈیجیٹل کرنسی سے کی جانے والی ادائیگیوں پر کوئی فیس نہیں، تاہم اسے پیپر کرنسی میں تبدیل کروانے یا صارف کے بینک اکاؤنٹ میں براہ راست جمع کرانے پر فیس لی جاتی ہے۔

کرپٹو کرنسی مکمل طور پر (Open source and decentralized) ہے، اس کا مطلب ہے کہ کوئی مکمل سورس کوڈ چوری کر لے تو لاکھوں افراد اپنی متاع حیات سے محروم ہو سکتے ہیں۔ اور کسی عدالت سے رجوع بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ (Algorithms Cryptographic) پر مشتمل ہونے کی بنا پر ایسا ہونا بظاہر تو ناممکن ہے، کہ کوئی تنظیم یا فرد ڈیجیٹل کرنسی پر مکمل طور پر کنٹرول حاصل کر لے۔ تاہم اسکے باوجود Google سے اخذ کردہ معلومات کی روشنی میں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بٹ کوائن (Hack) ہو جاتے ہیں۔

بٹ کوائن کو دیگر رائج کرنسیوں مثلاً ڈالر اور یورو کے حوالہ سے مطالعہ کیا جائے، تو اسے امریکہ نے غیر مرکزی کرنسی (Decentralized Currency) قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس کرنسی کو ایک شخص براہ راست دوسرے شخص کو منتقل کر سکتا ہے، اس کے لیے کسی بینک یا حکومتی ادارہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تاہم انٹرنیٹ کے ذریعہ بٹ کوئن کو دیگر رائج کرنسیوں کی طرح ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سارا ڈیٹا نیٹ ورک پر ہوتا ہے اس لیے ہر ایک اسے دیکھ سکتا ہے۔ عام طور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بٹ کوائن کی لین دین کا ریکارڈ کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا مگر ایسا نہیں ہے۔ ہر لین دین ایک کوڈڈ ایڈریس سے منسلک ہے اور یہ ایڈریس ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔ ان ایڈریس کا ریکارڈ رکھنے والوں نے انکشاف کیا ہے کہ دنیا میں صرف 1000 لوگ ایسے ہیں جو دنیا بھر کی مارکیٹ کا 40 فیصد حصہ کنٹرول کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو "بٹ کوائن وھیل" کہا جاتا ہے۔ جس طرح بینک کے پاس صارف کی پوری معلومات ہوتی ہیں۔ اسی طرح کرپٹوکرنسی ایکسچینج کے پاس کرپٹوکرنسی صارفین کی پوری معلومات ہوتی ہیں۔

مصر میں بٹ کوائن ایکسچینج نے اگست 2017ء سے کام کا آغاز کیا تھا۔ لیکن 3 جنوری 2018ء کو مصر کے مفتی اعظم نے بٹ کوائن کو حرام قرار دے دیا اور اس کی تجارت پر پابندی کا مطالبہ کیا۔ مذہبی امور ترکی کی وزارت نے بھی بٹ کوائن کو اسلام کے منافی قرار دیا ہے۔

(https:ur.wikipedia.org/wiki/بٹ_کوئن)

نیز ایک سعودی عالم دین نے بھی کرپٹوکرنسی بٹ کوائن میں کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے اس میں سرمایہ کاری کو حرام قرار دے دیا ہے۔

لینڈ لائن ذرائع و وسائل کا ایک وہ دور تھا جب وائرلیس سسٹم تک عوامی رسائی قومی خطرہ تصور کی جاتی تھی لیکن یہ تصور محال ہے کہ اب کسی کے گمان میں بھی ہو، بعینہٖ امکان ہے کہ کرپٹوکرنسی اس قدر عام ہو جائے اور تمام ممالک اسے بھی اسی طرح قبول کر لیں جیسے موبائل کمپنیوں کو قبولیت عامہ حاصل ہو چکی ہے لیکن جب تک قبولیت عامہ کا اسے درجہ نہیں ملتا اس وقت تک یہ ایک جدید ہولناک خطرہ تصور ہو گی خصوصاً ترقی پذیر ممالک اس کی مصنوعی کشش کا تر نوالہ ثابت ہوں گے۔

اسلامی معاشی نظام کے ماہرین بھی دنیا میں ایسے دجالی فتنوں کو اپنے لئے اس لئے خطرہ تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ دشمنان دین وایمان دنیا کی تمام دولت پر اپنا تصرف چاہتے ہیں اور اسے قابو میں رکھنے کے لئے وہ روایتی سونا، چاندی یا جائیداد وغیرہ (Hard) صورت میں دولت محفوظ رکھنے کے بجائے ایسے جدید (Soft) طریقے اپنا رہے ہیں کہ ساری دولت ان کے ہاتھوں

میں آجائے۔ پھر وہ ارتکاز دولت کے بل بوتے پر اپنے دجالی عزائم بروئے کار لائیں اور اہل اسلام ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن جائیں اور پھر تمام اسلامی مالیات کے نظام کو ایسے بکھیر کر رکھ دیں کہ امت مسلمہ انہی کی دست نگر بن کر رہ جائے۔ البتہ مسلم معاشی ماہرین اگر اسے فقہی قواعد کی روشنی سے منور کر دیں تو یقیناً وہ دنیا کیلئے رحمت کا پیغام بھی بن سکتی ہے۔ اسلام ایک باقاعدہ نظام کا متقاضی ہے۔ کرپٹو کرنسی کو اسلامی ممالک اپنے کنٹرول میں لیکر بٹ کوائن کے بالمقابل انٹرنیشنل اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ یا اسلامی حکومتوں میں موجود مالیاتی ادارے (Icoin) کے نام سے عالمی مارکیٹ میں اپنی جدید کرپٹو کرنسی کی صورت میں متعارف کروائیں اور بٹ کوائن سے بھی زیادہ اسے محفوظ، منافع بخش اور سہل الحصول سرمایہ بنالیں تو یقیناً صاحب ثروت افراد اسے خریدنے کو ترجیح دینگے۔ اس طرح بٹ کوائن ڈالر، یورو وغیرہ کرنسیوں کی اجارہ داری کو دنیا کو آزاد کروایا جاسکتا ہے۔ ڈالر کے مقابلے میں یورپی یونین اپنی یورو کرنسی لے کر آئی اور آنے والے سالوں میں یورو شاید ڈالر پر برتری بھی حاصل کر لے۔

انٹرنیشنل اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کے آٹھویں اجلاس منعقدہ بندر سیری بیگاؤں (برونائی) 21 تا 27 جون 1993ء میں اسلامی بینکاری کی راہ میں پیش آنے والی دشواریاں اور ان کے قانونی، فنی اور تنظیمی حل سے متعلق مقالات کی روشنی میں ترجیحات قرارداد نمبر 76: ''اسلامی بنکوں کو آمادہ کرنا کہ وہ ایک ڈیٹا بینک تیار کریں جس میں اسلامی بنکوں کے ساتھ معاملہ کرنے والوں کے متعلق تمام ضروری معلومات اکٹھا ہوں، تا کہ وہ سارے اسلامی بنکوں کے لیے مرجع ہو اور اس کی روشنی میں وہ صرف قابل بھروسہ لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے اور دوسروں سے دور رہنے میں اس سے استفادہ کیا جائے۔'' پر عمل کرتے ہوئے اسلامی بینک راقم السطور کی مجوّزہ کرپٹو کرنسی Icoin کے اجراء اور اس کی بھرپور مہم چلائیں تو یہ تمام کرپٹو کرنسیوں پر فوقیت لے جائے۔

ؔ صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

دولت کی انتہائی غیر منصفانہ تقسیم
یاجوج ماجوج کا وسائل رزق پر قبضہ

Wealth proportion by population by year
(including homes)

Year	Bottom 99%	Top 1%
1922	63.3%	36.7%
1929	55.8%	44.2%
1933	66.7%	33.3%
1939	63.6%	36.4%
1945	70.2%	29.8%
1949	72.9%	27.1%
1953	68.8%	31.2%
1962	68.2%	31.8%
1965	65.6%	34.4%
1969	68.9%	31.1%
1972	70.9%	29.1%
1976	80.1%	19.9%
1979	79.5%	20.5%
1981	75.2%	24.8%
1983	69.1%	30.9%
1986	68.1%	31.9%
1989	64.3%	35.7%

1992	62.8%	37.2%
1995	61.5%	38.5%
1998	61.9%	38.1%
2001	66.6%	33.4%
2004	65.7%	34.3%
2007	65.4%	34.6%
2010	64.6%	

can be illustrated by the fact that the three wealthiest individuals in the world have assets that exceed those of the poorest 10 percent of the world's population.[citation needed] The net worth of the world's billionaires increased from less than $1 trillion in 2000 to over $7 trillion in 2015 so the gap is growing up dramatically.

Wealth distribution pyramidEdit

Personal wealth varies across adults for many reasons. Some individuals with little wealth may be at early stages in their careers, with little chance or motivation to accumulate assets. Others may have suffered business setbacks or personal misfortunes, or live in parts of the world where opportunities for wealth creation are severely limited. At the other end of the spectrum, there are individuals who have acquired a large wealth through different ways. In Western countries, the most typical way of becoming wealthy is entrepreneurship(estimated three quarters of new millionaires). Other typical way (covering most of the remaining quarter) is pursuing a career with the end goal of becoming a C-level executive, a leading professional in a specific field (such as a doctor, lawyer, engineer) or a top corporate sales person. Only around 1 % of new millionaires acquire their wealth via other means such as professional sports, show business, art, inventions, investing, inheritance

or lottery.
The wealth pyramid below was prepared by Credit Suisse in 2013. Personal assets were calculated in net worth, meaning wealth would be negated by having any mortgages.[7]. It has a large base of low wealth holders, alongside upper tiers occupied by progressively fewer people. In 2013 Credit-suisse estimate that 3.2 billion individuals - more than two thirds of adults in the world - have wealth below 10,000 USD. A further one billion(adult population) fall within the 10,000 - 100,000 USD range. While the average wealth holding is modest in the base and middle segments of the pyramid, their total wealth amounts to USD 40 trillion, underlining the potential for novel consumer products and innovative financial services targeted at this often neglected segment.
The pyramid shows that:

☆ half of the world's net wealth belongs to the top 1%,

☆ top 10% of adults hold 85%, while the bottom 90% hold the remaining 15% of the world's total wealth,

☆ top 30% of adults hold 97% of the total wealth.

Pyramid of global wealth distribution in 2013

Photo

خلق خدا کیا کہتی ہے؟

ملٹی نیشنل ازم کی عالمی حکومت کا دوسرا نام

New World Order

New World System

Muhammad Faheem

Temar Garah

عصر حاضر میں ایک عالمگیر حیوانی تہذیب کسی بھی ایک ملک کے عوام کی اُمنگوں اور خواہشوں کے تسلسل اور تکمیلی شان کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تہذیب عالمی صہیونی استعماری گروہ کے عالمی غلبے کے خواب کی تکمیل کے لئے ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق انسانیت کو بس ایک ایسا حیوان جو اپنی جسمانی (بطن وفرج کی) خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر دم کوشاں ہو بلکہ مشغول اور دیوانہ بن کر رہے تاکہ عالمی سطح پر ہر صہیونی استعماری قوت اپنی بنائی ہوئی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے اپنی مصنوعات فروخت کر کے ان انسان نما حیوانوں کی جیبوں کو صاف کرتی رہیں۔

آج انسان کے جسم میں پاؤں کے تلووں اور ناخنوں سے لیکر سر کے بالوں تک بناوت وسجاوٹ کیلئے سینکڑوں ملٹی نیشنلز ہیں جو مصروفِ کار ہیں جنہوں نے میڈیا کے ذریعے اشتہار بازی کر کے، فلموں، ڈراموں اور بے حیائی کے دیگر ذرائع کو استعمال کر کے اولادِ آدم کو اپنی مصنوعات خریدنے کیلئے دیوانہ بنا رکھا ہے۔ یہ عالمی تہذیب یہودی گروہ کے زیر اثر ہے اور مغربی ممالک کے عوام بھی اس تہذیب سے اتنے ہی نالاں ہیں جتنے ہم مسلمان۔ امریکہ میں کچھ لوگ اس مقصد کیلئے عوام کی بیداری کا کام کر رہے ان کی ایک ویب سائٹ سے یہ مواد اختصار کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے جو ایک امریکی باضمیر شہری نے 1969ء کے ایک لیکچر کو اپنی یادداشت کی بنیاد پر 1989ء میں لوگوں کے سامنے رکھا کہ نیو ورلڈ آرڈر جو دراصل جیو (JEW) ورلڈ آرڈر ہے اس کے خدوخال اس صہیونی ٹولے کے ذہن میں 1969ء میں بھی اُتنے ہی واضح تھے جتنے آج امریکی عوام اور دنیا کے پڑھے لکھے مخلص، طبقے کے سامنے آ گئے ہیں پڑھیں اور صہیونیت کو داد دیتے جائیں اسلئے کہ GIVE THE DEVIL HIS DUE یہ بھی انصاف کا ایک تقاضا ہے۔ مکمل مواد اس ویب سائٹ پر دیکھا جا سکتا ہے:

Http://www.rense.com/general94/nwoplans.htm (ادارہ)

Startling Revelations by an Insider

Consequent upon the dismemberment of the then USSR in late 80s, there was a great outcry that the world was no more a bipolar entity and America has to be recognized as the lonely superpower without hesitation. At the same time the invisible forces had sent across an ambiguous message to acquaint the world with the secretly planned New World Order, a new system that was to replace all that was old and traditionally adopted by the world communities at large. The terminology New World Order, though widely known, had yet not so far been clearly understood as to what it really meant, what its objectives and target were and who the forces behind it were. Surprisingly, there were some startling revelations by a man named Dr. Richard Day, who was an insider and one of the important promoters of the New World System as they called it. The revelations he made have mostly come to fore so far and the changes that were forecast are unfolding as the time goes forward.

(Edited by Muhammad Faheem)

It was the 20th of March 1969 when Dr. Richard Day had delivered a lecture to an audience of about 80 doctors connected with the Pediatric Society in Pittsburg . One of the participants in that gathering, Dr. Lawrence Dunegan, a one time student of Dr. Richard, had transcribed from his memory the contents of the lecture some 20 years afterward in 1988. Dr. Richard Day who died in 1989 was a professor of Pediatrics in the Mount Sinai Medical School in New York and had been a medical director of the Planned Parenthood Federation of America previously. The transcript of the 2 tapes is presented herewith after some editing.

Every agenda item in the lecture had a basic and real

objective and a second ostensible one so as to make the things acceptable under its cover. The lecture is in fact an embodiment of some prophesies which were to occur in the future. As earlier mentioned the man was one of the 'insiders' and promoters of the future system named as the "New World System". He had a categorical mention of a well organized and influential force behind this program. His very foretells in his lecture had mostly come into fore within 20 years. He had also foretold that the total changes will reach completion within 30 years, before the end of the 20th century. He had ardently declared that they would enter into the 21st century with all the things to have undergone complete change and the New World System would be fully in place by then. Mr. Day had spoken that necessary things were in place and that there was no obstacle in the way to switch over to the new system. He spoke of the East West reconciliation and of people's ignorance about the real power centers where decisions were finalized and governments made and policies approved. These were familiar personalities and organizations, he argued, but mostly in private capacities and not so conspicuous in public life.

During his talk he was stressing not to use any recorder and take no notes as he feared a negative reaction if the contents were made public. His tune and way of talk was clearly marking his unhappiness with the 'change' albeit himself being a part of the game. He seemed to be wishing people's opposition to the-would- be New-World-System and that the people should not accept it with easy acquiescence.

Talking on the family planning he said the purpose was

to control population, stressing on food, living space and other necessities. There will be no bar on free sex but births should be controlled through the use of contraceptive and abortions. Sex education was to be popularized in schools and augmented with contraceptives, and demonstration of practical methods of birth control. School-based clinics system was in place already for the purpose. The real objective was to cut off legal marriages and promote environment for free sex. Prior to 1969 such things were not considered illegal but still few people were there who were against them on moral or religious ground. They were, anyhow, helpless to yield to the practice in case their own children were involved. Few orthodox people could not be a matter of much concern since they were very few in numbers and were to be eliminated soon.

Homosexuality would be boosted up. The old age people would also be enticed to practice sex till last. Environment will be eased for free sex. Clothing will be designed and fashioned in a way to inspire sexual emotions. Females will be making their bodies more attractive and sexy and will display themselves more by wearing jeans that will fit more conspicuously in the crotches. Nipples will be provided with very fine covering material to attract attention and enhance sexual sensation. Diabolically reproduction will be the job of laboratory while sex will be a free game with no reproduction. Importance of family will be minimized. Nobody will be allowed to have more than two children so as to keep the family undersized. Divorce will be made easy and marriages difficult. Most of the people will tend to live in hotels and apartments without legal bondage. Women will

be provided more opportunities for work outside their homes and husbands will be transferred far away from homes. Such measure will be aimed to perturb family life and to curtail on the tendency for more births. At the start traveling facilities will be abundantly made available so that to allure people to accept far away transfers. If both wife and husband were employed, they would be transferred at different stations resulting very soon in giving up the job by one of them. This will create joblessness and frustration at the end.

Things will be manipulated for the extermination of old-age people since they will be considered as burden on the society. Health care facilities for such people will be very much costly and such people will have little support from their families because of complete disintegration of the institution of family. Such people will be left to end their life by taking the 'Demise Pill' which will be made easily accessible. Medical care will be attached to working capability with no facilities for those who have run out of working physically. These people will prefer to die rather than living a hapless life. There will be little facilities of insurance for old and weak people and they will be unable to visit hospitals where security will be tightened enough to make entry impossible for them. Hospitals will be turned into the dens of criminals rather than places for patient treatments. The criminals kept in the hospital abodes will be deployed for other secret activities. Doctors will be mostly tightened under the corporate administration to enslave them under the New System and opportunities for their private practice will diminish.

Cancer, AIDS and other fatal diseases will be used as tools for controlling population growth. Professor Day admitted that the cancer could be cured right then but preference would be given to comforts availability to the patients rather than cure.

New diseases and ailments will be 'created' which will be difficult to diagnose and cure. Professor Lawerence was of the view that AIDS was a 'created' and propagated. Heart Attack will be used as tool for killing humans. Fatty diets available in much more mushrooming burger houses and readymade food restaurants will make people easygoing. Plenty availability of readymade foods will lessen the importance of home foods and kitchens will fall cool and barren. This will end the taste of family union and affinity round food table. Less exercise and more fatty and easy eating will make people ill and lazy to fall easy victim to different diseases. Education will be used as a means of getting earlier into puberty stage. How would it be used, Professor Lawerence could not recollect what was exactly narrated in the lecture.

Religions will be amalgamated into a single mixture. The Professor confessed that he was making this atheistic declaration despite knowing that people do have an attachment to the religion since their secrets and social attachments stand connected with religion. Since the religions, particularly Christianity will not be able to cope with the future changes therefore, they have to fad away. The way to do away with all sheds of Christianity is to fell the Roman Catholic Church one way or the other. Thereafter a consensus religion on the international level could be

drafted with portions of the old religions embodied therein. This very artificial type of religion is to be made acceptable to people at all levels. Eventually majority of the people will remain unconnected with the religion since they would realize that they did not really need any religion.

Changes will be done in the Bible so as to make it compatible with the newly evolved religion. Only basic erminologies and key terms of the Bible have to be altered as the whole book will need no redrafting. Professor Day claimed that the Church will fully cooperate with the endeavors of bringing change in Bible and the religion.

Schools will be used as centers for indoctrination. Classics in the literature will be changed alongside changes in Bible and religion. These changes will be of such a subtle nature that they could not be detected by common readers. Of course the changes will be of very basic nature which will help in convincing people to adopt the New System. Schooling timings will be of long duration but students will return homes with very little learning. Summer vacations will not be limited to summer but can be announced at any time of the year. What previously was to be learnt in Bachelor program could then be done only in degrees courses, meaning thereby long duration and little education with wastage of time! Studies will be made very intensive but very narrow with little extensive approach. There will be more specialization but the so-called specialists in one line will be quite ignorant of anything in other disciplines. Access to books and computers will be checked so as getting information on subjects out of one's own field will be very difficult. Any one who wants to do so will have to justify his

request with very convincing reasons.

Schools would be used as centers for social gatherings of different nature and various functions will be held in these centers. Elderly people will also have frequent visits to these schools to attend functions. They will encounter there new and unfamiliar activities, with which they will have little compatibility and as such they would start feeling disgusted and thinking about themselves to be worn-out individuals and a burden on society. Hence they better take the demise pills and vacate the space. In the same way students will be overburdened with all these multifarious activities along with education and they will fall short of competing in any one line. They will also fall prey to discontent and frustration. A great number out of this lot may leave schools and fall victim to drugs and alcohol and embrace death by taking demise pills.

Certain books will be stolen out from libraries through people specifically deployed for the purpose. At the same time a ban will be imposed that nobody could possess any book as one's own property. Rules related to Sundays will also undergo changes. Gambling rules will be modified and made easy so that this menace is flourished. Governments will participate in gambling activities along with individuals. Lotteries were already run under the patronage of governments with a view to getting maximum of the income which otherwise would go into private pockets. Anti-trust laws and bankruptcy laws will be changed or reinterpreted anew. Use of drugs and alcohol will be encouraged and strange enough that at the same time laws pertaining to these things will be further intensified and made more

effective. The real objective was that with easy availability of drugs the whole population will get addicted to them and laws will become operative against the week sections of the society to be eliminated as the principle of survival of the fittest will operate. There will be more need for constructing more jails and hospitals will be constructed keeping the requirements of jail in view so that in future they can be used for this purpose.

The second tape:

The sense of insecurity will be boosted up in people through various tactics. Names of the streets will be changed and ghost buildings will be allowed to remain unoccupied. Bridges and buildings will be constructed with very inferior material to be a threat to life. Such things will force people to leave the places and migrate elsewhere to live with everlasting frustration. "Not long time had passed after we attended this lecture when a number of incidences of bridges and building collapse were reported at different locations." Slums will be created to be good venues for criminal activities. Some people will leave these slums for some better place with no sympathy for the people remaining there, understandably for the criminal activities, so much characterized with these slums. The other places will better be secured through watch and ward and proper policing services. The professor was arguing that if insecurity was let loose in one place, there was enough arrangement for proper security in other places.

American industrial pre-eminence will be curtailed and different parts of the world will be given roles in industry and commerce in a global setup. He expressed that demolishing

of the existing building becomes imperative if somebody wants to construct a new one on a certain location. In the same analogy the American industry can be accounted for. In this reference he was particularly mentioning the motor car industry of America which should be made dubious to give a chance to other countries to come forward in this field. Similarly the national American game Baseball had to be reversed and instead Soccer had to be promoted because the former had been much more 'Americanized'. This can be done by arousing a biased attitude towards the players of the national game by enhancing their salaries to the frustration of people. The teammates and other getting less will find themselves forced to leave the game. At the end the owners and organizers of the clubs will feel the burden of these heavy salaries and the game will face a fateful end. In case of football, the Professor was admitting that it was difficult to finish it easily since it was quite popular in Europe and so many other countries. Also the element of violence in the football makes it sustainable as the psychology of people is inclined to the kind of vicarious violence. Soccer will be promoted to the international level and America will be made part of the international games. The game is already popular in South America , Europe and Asia . America will be seated on the bandwagon of the game after getting into this club.

Weapon like guns will not be allowed to go into the hands of common people on the pretext of hunting. Alternately guns could be obtained on loan from the centers opened by the 'System' for this purpose. Such weapon has to be returned after the game is played.

Girls will be inspired to come out in the open and play with young boys instead of remaining indoors and playing with dolls. To fulfill this sort of agenda, girls will be provided more facilities and opportunities in order to match and excel males in all male activities. It is now 20 years passed as we see the scoring tables for girls with those of male players and athletes. (And now in 2014 we are used to witnessing almost naked females performing on the international playgrounds.) These types of females are now considered to be the role models of the time. As long as such females are advancing in age, they would prefer to be seen as athletes rather than a mother or a housewife.

Much more facilities and opportunities will be at hand where sexual and violent activities will be encouraged on the pretext of entertainment and leisure. Sex and rough language will openly be used. Lot of pornographic and sexual material will be available on the TV and cinema screens. VCR was not around by the time Professor Richard Day was lecturing. However, he vividly expressed that it would soon popularize on a wider scale. "You will see all that on the screens, of which you can imagine." The professor said, all this was meant to rouse sexual sensations and inspire sexual sensitivities coupled with the element of violence to stir up the whole social environment and force the people to reconcile with the situation. The element of violence will be intensified to the maximum so as cases of killing become common to the extent whence these will not be taken so serious a matter. Dr. Lawrence was quoting such a bloody accident which he had happened to see along with his teenager son and which he could not

shun off his memory afterward. He was angry with Dr. Richard Day who admitted to be a part of this movement.

Music will be modified to vulgarity with lyrics to sensitize sexual sensations and hedonism. It will be popularized among the young folk simply to lead them to sexual jubilations. The old music will only be left on certain stations only for old people with no attraction for the new generation. These entertainment facilities will be made available to the old people so that they could forget the afflictions of the World War 2nd and certainly such people will be very few beyond 90's. The vulgarity embedded music will flourish onward with much more vigor and intensity.

There will be ban on traveling. Everybody's movement will be watched by making him carry at first an ID card and later on to be undergoing an implanting under skin codification of personal data. Artificial shortage of food will be created so that the public become more sensitive to the population growth. Growing food stuff on private level will be controlled on the excuse of such products being contaminated with diseases and hence injurious to health. All such things will have to be procured from the sources and channels provided under the New World System.

Professor Richard also spoke of controlling weather. He was confidently telling the audience that they had got full control over weather or at least they had reached the point where they would be able to do it very soon. This, he said was not confined simply to the mixing of iodide crystal into the atmosphere to make artificial rain but actually the weather would be harnessed. We would be able to stop rain on areas we want and will bring untimely rain on areas we

want. Thus we will be able to hold back rain at the sowing time and will allow it to rain at the harvest which will greatly damage production of crops.

Professor Richard was endorsing World War 1 and 2 with the plea that population would have gone beyond bounds if billions of people had not been killed in these two wars. However, he was arguing against any nuclear weapon since it could be catastrophic to the whole world. Terrorism will prevail in Europe and the rest of the world. America has to accept the New World System without hesitation soon lest it should face the same fate of encountering wave of terrorism for which all the global conditions will be made very much conducive. America had no choice but to admit that the world was going to be a dreadful place if the world affairs were not given in appropriate hands. (The New World System)

The New System envisages full control of the economic domain where individual economies will also be controlled alongside with the collective enterprises. Your salaries will be disbursed through the electronic banking which will take up all the banks into a One Body management, albeit seemingly the banks to be separate and independent. Your total economic edifice will be liable to very easy checking with a single push of a button from somewhere not known to you. Excessive private savings will not be allowed and heavy taxation will stop people from hoarding more wealth. It will be done because there will be a possibility of challenging the new system by economically powerful people. You will be given a piece of leather in the shape of credit card which will be your property vulnerable to fall easy

prey to the totalitarianism of the New System. You will be chased and followed with implants and radio-signals and at times monitored by audio-monitors to be connected to one of the wires in your drawing rooms to fully watch your movements.

Private home ownership should be a dream of the past. Price will be raised to the skyrocketing stage and the sources for making houses will be made very difficult to get. Purchase of house will remain nobody's job with the passage of time, with the result that people will become renters and forced to live in apartments and condominiums which will not be accommodative for big families. Many houses will fall vacant for want of purchasers since prices will be too high to afford. House owners will gradually decrease in number to attain the status of minority while renters living in apartments will increase in number to become majority. The apartment dwellers will have no sympathy with the building dwellers and vice versa. Later on the house dwellers will be forced to leave the houses by levying heave taxes which will not be affordable for the owners. Such measures will be detrimental to the minority owners but will be acceptable rather a welcome measure for the majority apartment renters. The people will be forced to accept living in places provided by a Central Housing Authority instituted by the New System. These places will be inadequate for housing the family and will be insecure due to living of alien people in attached dwelling lacking privacy.

A global system of totalitarianism will dominate to which all people will have to make allegiance to never revert to the old system. There will be no room for those who do not wish

to toe with the system. People indulging in cluttering will be shifted to special places. They will not be able to live there long as death will be the only alterative for them, never to be called martyrs of any cause. The new system will start on a weekend of winter season. People will hear declaration for the system on the morning of Saturday after every activity would close on the previous evening of Friday. People will be too preoccupied to know anything of their surroundings.

The methods and procedures for official investment will undergo drastic changes with repeated alteration in the interest rates. People will not know profits of their investments. Motor vehicles will seem to be of different kinds but they will actually be the same manufactured by different industries.

The point to be pondered is that all this stuff was spoken out in one sitting by a single person which were the endeavors of so many actors, and many of them have actually come to fore within a period of 20 years. Planning for lot of others has been done signifying thereby that all these are very cunningly planned under great conspiracy.

CONCLUSION

For us the serious question is what to do now? The simple answer is to strengthen our belief in Allah and implore upon Him to guide us to the right path and help us against this diabolic agenda. At the same time every one of us should try to pass on this information to as many people as possible. We should long for a system that can guarantee freedom and justice for all the people on this globe.

باب 2

انسان اور وسائل رزق

1۔ حیاتِ انسانی اور رزق کی اہمیت

2۔ انسان کی حقیقت اور بنیادی ضرورتیں

3۔ ناگزیر انسانی ضروریات

(i) روٹی (ii) کپڑا (iii) مکان

(iv) ناگزیر تعلیم اور متعلقہ تربیت (v) علاج معالجہ

4۔ انسانی اجتماعیت اور ناگزیر باہمی انسانی حقوق

5۔ ناگزیر انسانی ضرورتوں کی تکمیل ___ اور ضرورتوں کا پھیلاؤ

6۔ خوب سے خوب تر کی تلاش کی دوڑ

7۔ ....خواہشات کی ایک لمبی نہ ختم ہونے والی فہرست

8۔ وسائل رزق پر جائز و ناجائز قبضہ

9۔ قناعت ایک دولت ہے

10۔ مغرب اور مشرق کے تصورات میں بنیادی انسانی ضرورتوں کا فرق

باب 2

1۔ حیاتِ انسانی اور رزق کی اہمیت

انسان اور وسائل رزق کا تعلق ایک ایسی اٹل حقیقت ہے کہ اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ وسائل رزق سے مراد صرف کچن اور ڈائننگ ٹیبل کے متعلقات اور اس پر سجائی جانے والی اشیاء نہیں ہیں بلکہ انسان کو زندہ رہنے اور اس کے لیے مقاصد تخلیق کو پورا کرنے والے ناگزیر لوازمات بھی شامل ہیں۔ اس فہرست میں ہوا اور پانی کے علاوہ روٹی، کپڑا، مکان، ناگزیر تعلیم اور علاج معالجہ بھی شامل ہیں بلکہ قرآن مجید کے مطابق اس انسان کی مادی ضروریات پر مستزاد اس کی روحانی ضروریات ہیں جسے آسمانی ہدایت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کسی انسان، گروہِ انسانی یا طبقہ کے پاس آسمانی ہدایت ہو اور وہ اس کو عام کرنے کی بجائے اپنے تک محدود رکھے یا چھپائے تو یہ حرکت یا عمل بھی انسان دشمنی قرار پاتا ہے اور قرآن مجید اسے کتمانِ حق کہتا ہے اور دیگر جرائم کی طرح یہ بھی ایک گھناؤنا جرم ہے۔ کسی انسان کے لیے ہوا اور پانی روک دینا یا روٹی، کپڑا اور مکان پر ڈاکہ ڈالنا یا اس تک پہنچنے میں رکاوٹ بن جانا (یا رکاوٹیں کھڑی کرنا) سب شیطانی اعمال اور انسان دشمنی کی علامت ہیں۔

آیئے اشاروں کی زبان میں کہی گئی ان انسانی ضروریات کو قدرے تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

2۔ انسان کی حقیقت اور بنیادی ضرورتیں

آج دنیا تقسیم در تقسیم کے عمل سے گزر رہی ہے آج سے صرف ایک ہی صدی قبل تک مشرق و مغرب کے تمام معاشروں میں ایسے اہل علم کثرت سے موجود تھے جو انسان صرف اُسی کو سمجھتے تھے جو باضمیر ہو گویا انسانی جسد (جسم) اور ضمیر (روح یا DIVINE SPARK)

مل کر ہی ایک حقیقی انسان بنتا ہے مگر افسوس کہ گزشتہ پانچ چھ دہائیوں سے مادیت پرستی (MATERIALISM) کی ایسی گہری چھاپ معاشرے پر آئی ہے کہ ہر جگہ اب مذہب کو زندگی سے قریب قریب نکال دیا گیا ہے۔ دنیا میں غالب تہذیب مغرب کی تہذیب ہے جس کے نزدیک مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے گویا مذہب (RELIGION) اور لامذہبیت یا لادینیت (SECULARISM) دو علیحدہ ENTITIES شمار کی جا رہی ہیں۔

ہم مسلمان ہیں۔ ہم کائنات کی تخلیق اور انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا وہ تصور رکھتے ہیں (اور اسے ہی صحیح سمجھتے ہیں) لہٰذا ہمارے نزدیک انسان جسد اور روح کا مجموعہ ہے۔ رُوح کا اپنے وجود میں احساس ہمیں اپنے ضمیر کے ذریعے ہوتا ہے چنانچہ ایک صدی پہلے تک پوری دنیا میں اور اب صرف مسلمانوں میں ضمیر کا لفظ اپنے معنی رکھتا ہے اور بولا جاتا ہے اور اس کے کئی استعمالات ہماری زبان اُردو میں عام ہیں۔ مثلاً زندہ ضمیر، روشن ضمیر اور مردہ ضمیر کی صفات انسان کے لیے بولی جاتی ہیں اور ہمارے نثر اور شاعری میں عام مستعمل ہیں۔ اسی ضمیر کو انگریزی میں CONSCIENCE کہتے ہیں۔ دنیا کی ہر قابل ذکر زبان میں انسان کی اس ایک باطنی حقیقت کی پہچان کے الفاظ موجود ہیں اور مستعمل ہیں۔ تاہم آج مغربی علوم زیادہ تر انگریزی میں ہیں اور لوگ انگریزی خوب سمجھتے ہیں (ہمارے ملک پاکستان میں غیر مادری زبان میں تعلیم کا سکّہ رواں ہے اور پرائمری بلکہ PREP کی جماعت سے ہی انگریزی ذریعہ تعلیم ہے۔ کس قدر نحوست کی بات ہے کہ بچے کو تین سال کی عمر میں غیر مادری زبان کے الفاظ سنائے جاتے ہیں اور اسی زبان میں اس کا معیار جانچا جاتا ہے۔ فیاحسرتا)

اس ضمیر کے لیے CONSCIENCE کے لفظ پر غور کریں۔ انگریزی میں CON کا لاحقہ کئی ایک جیسی باتوں کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کے لیے آتا ہے۔ جیسے CONTRACT, CONVERGE, CONGRESS وغیرہ۔ SCIENCE کے لفظ کا معنی اب ہم سب جانتے ہیں۔ گویا جس نقطے پر سب معیاری علوم (SCIENCES) جمع ہو رہے ہوں وہ CONSCIENCE ہے۔ آج مغرب میں تمام انسانی علوم کو بھی SOCIAL SCIENCES کا نام دے دیا گیا ہے مگر CONSCIENCE کا لفظ

گزشتہ دو تین دہائیوں سے مغربی لٹریچر میں تلاش کرنا ایک کارِ عبث ہے۔ بحیثیت مسلمان ہم انسان کی تعریف جسد اور رُوح (ضمیر) کے مجموعے کے لیے ہی استعمال کریں گے۔

انسان کی تعریف (DEFINITION) سامنے آنے کے بعد اب ہمارے لیے آئندہ صفحات میں یہ بات کھول کر بیان کرنا بھی آسان ہو جائے گا کہ ایک حقیقی انسان کی ضروریات اس کے لیے روح اور جسد دونوں سطحوں کی ضروریات کے پورا ہونے سے ہی پوری ہوں گے۔ جس انسان میں روح مردہ ہو جائے یا وہ عام محاورے میں بے ضمیر ہو جائے یا 'سیکولر' کہلانے پر فخر کرے تو بھی ہمارے نزدیک اس کی ضروریاتِ جسد کے ساتھ روح کی ضروریات بھی ناگزیر ہیں کہ کسی طرح اس کو ایسا ماحول فراہم ہو سکے کہ اس کے جسد کی بہبود کے ساتھ اس کے اندر کا انسان (ضمیر) بھی بیدار ہو سکے اور وہ ایک حقیقی انسان بن سکے۔

3۔ ناگزیر انسانی ضروریات

ابن آدم چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم یا مسلمان ہو کر بے عمل اور دینی اخلاقی تعلیمات سے دُور، امیر ہو یا غریب، عورت ہو یا مرد، کالا ہو یا گورا، کسی علاقہ کا رہنے والا ہو، کسی زبان کا بولنے والا ہو اور کسی (جائز) پیشے سے متعلق ہو ان سب انسانوں کی بنیادی ناگزیر ضروریات صد فی صد یکساں ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کی رو سے مذکورہ بنیادی ضروریات حسب ذیل ہیں:

☆ روٹی، ☆ کپڑا، ☆ مکان، ☆ صاف ہوا، ☆ صاف پانی

☆ ناگزیر تعلیم اور متعلقہ تربیت، ☆ علاج معالجہ۔

آیئے ان ناگزیر ضروریات انسانی پر ہم ترتیب وار گفتگو کرتے ہیں۔

ان ناگزیر انسانی ضروریاتِ زندگی کو سمجھنے کے لیے دو حصوں میں تقسیم ضروری ہے:

(i) خالق کائنات کی طرف سے مفت انتظام کردہ ضرورتیں۔

(ii) ضروریاتِ زندگی جس کے حصول کے لیے انسانی محنت اور مشقت درکار ہے۔

(i) خالق کائنات فطرت کی طرف سے مفت انتظام کردہ ضروریات انسانی

اہل علم ذرا غور فرمائیں کہ خالق کائنات اور فاطر فطرت کتنا اعلیٰ ظرف اور فیّاض ہے

کہ اس نے انسانی ضروریات کا ایک حصہ زمین پر مفت انتظام کردیا ہے مزید یہ کہ انسانی تصوّر سے بھی زیادہ وافر مقدار میں انتظام کردیا ہے وہ ہے: (ا) صاف ہوا (ب) صاف پانی

(ا) صاف ہوا: سانس لینے کے لیے انسان کو صاف ہوا کی ضرورت ہے خالق کائنات نے اس کا ایک ذخیرہ جو مخلوقات کی ضرورت سے لاکھوں گنا زیادہ ہے، اس کا مفت اور آسان قابل حصول (EASILY ACCESSIBLE) انتظام کردیا ہے۔ اگر انسان اندازہ کرنا چاہے کہ اس کے لیے 'ہوا' کتنی ضروری ہے تو ذرا ایک ہاتھ سے ناک بند کرے اور دوسرے ہاتھ سے اچھی طرح منہ بند کرے تو شاید سو تک گنتی گننا ناممکن ہو جائے۔ صاف ہوا اتنی ناگزیر ہے، عام ہے، فری ہے اور انسانی عملداری کے 99.9% مقامات پر ناک کے پاس موجود ہے۔ اگر صاف ہوا بھی خریدنا ہوتی تو مصنوعی سانس کے مریضوں سے اس کی اہمیت اور حصول اور فراہمی کی مشکلات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ گویا خالق کائنات اپنی مخلوق انسان سے ایسا ناگزیر تعلق رکھتا ہے کہ ہر لمحے شاہ رگ سے بھی قریب سانس لینے کے لیے ہوا میسر کردی ہے اور انسان کسی خاص تگ و دو کے بغیر بالعموم سانس لے سکتا ہے۔

(ب) صاف پانی: قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (30:21)

''اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں''

گویا پانی کا وجود انسانی زندگی کے لیے ناگزیر ہے۔ خالق کائنات نے اس انسانی ضرورت کا بھی وافر ذخیرہ پیدا فرمایا ہے اور تھوڑی سی تگ و دو سے قابل حصول بنادیا ہے۔ زندہ رہنے کے لیے پیاس کی ضرورت کو پانی ہی تسکین دیتا ہے۔ انسانی جسم میں 70% پانی ہے اس کی کمی کو پورا کرتے رہنا انسانی ضرورت ہے۔ مزید برآں ایک صاف ستھری زندگی کے لیے پاکیزگی اور طہارت کے لیے بھی صاف پانی درکار ہے جس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور ناممکن ہے۔ روئے زمین پر اندازاً 2/3 حصّہ پانی ہے 1/3 حصہ خشکی ہے۔ سمندروں کے علاوہ زمین پر بھی برف، چشمے، دریا، ندی نالے اور بارشوں کے علاوہ شبنم کا انتظام خالق کائنات کی تخلیقی بلند شان اور انتظامی حُسن کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ ضرورت اور اس کی تکمیل کے لیے پانی بالعموم مفت فراہم کردیا گیا ہے۔

(ii) ضروریات زندگی جن کے حصول کے لیے انسانی محنت ومشقت درکار ہے

اس عنوان کے تحت جن ناگزیر ضروریاتِ انسانی کا تذکرہ مقصود ہے وہ یہ ہیں:

(ا) روٹی (ب) کپڑا (ج) مکان

(د) ناگزیر تعلیم اور تربیت (ہ) علاج معالجہ

ان ضروریات کا کسی مخصوص فردِ انسانی تک پہنچنے کے لیے انسانی محنت کی ضرورت ہے تاہم ذرا سے غور وفکر سے یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ خالق کائنات نے انسان کی ان بنیادی ضروریات کے اسباب کا ایک وسیع انتظام (NETWORK) بنا رکھا ہے، انسان اپنی محنت، عقل اور تجرباتی علم کی بنیاد پر ان کے حصول کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ مشاہدہ یہی ہے کہ کچھ انسان دشمن گروہِ انسانی ان وسائل زندگی پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور اپنے جیسے دیگر فرد نوع بشر کا حق چھین کر اپنے پاس (گھر، گودام، دکان، بینک وغیرہ میں) ذخیرہ کرتے ہیں اور دوسرے کے لیے ناگزیر رزق اور وسائل کے لیے مشکلات اور موانع پیدا کرتے ہیں ورنہ خالق کائنات نے تو مخلوق کی مناسبت سے مناسب اور احسن انتظام قائم کر رکھا ہے تاکہ مخلوق اپنے مقصدِ حیات کو بھلائے بغیر ان بنیادی ضروریات کا حصول ممکن بنا سکے۔

(ا) روٹی: 'روٹی' کہنے اور لکھنے کو تو ایک لفظ ہے مگر زندگی کی گاڑی کو رواں دواں رکھنے کے لیے اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ یہ ایک لفظ تصورِ انسانی میں ایک جہان کو محیط ہے۔ اگر روٹی کا حصول مشکل ہوتا تو یقین جانیے انسان کے لیے تفنّن طبع، شغل میلے، راگ ساز، ENTERTAINMENT، کھیل کود، میک اپ، ذوقِ لباس، ذوقِ خود آراستگی، شعرو شاعری، فلمیں، ڈرامے، عشق ومستی، بے حیائی، عریانی، بے راہ روی وغیرہ وغیرہ سب بے معنی الفاظ رہ جاتے ہیں۔ بقول شاعر ع اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا

اور ع تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

اور ے چوں افتد قحط سالے اندر دمشق

کہ یاراں فراموش کردند عشق

(ترجمہ: جب دمشق میں قحط سالی ہوئی تو دوستوں کو محبت بھول گئی)

یا ع پیٹ نہ پیّاں روٹیاں تے سبھے گلاں کھوٹیاں

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ یہاں روٹی سے مراد صرف ایک چپاتی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ایک صحت مند انسان کے لیے اس کی عمر، مصروفیات، ماحول اور صحت کے مطابق غذا (IN-TAKE) ہے۔ آج انسانی علم میں انسانی غذا، غذائی ضروریات، غذائی جزئیات اور مشروبات کا ایک وسیع میدان ہے۔ پھر ملٹی نیشنلز (MULTI-NATIONALS) نے فاسٹ فوڈ اور JUNK FOOD کا ایک طوفان کھڑا کر رکھا ہے کہ انسان اسی میں گم ہو جاتا ہے۔

(ب) کپڑا: کپڑے سے مراد بھی کوئی کپڑا نہیں کہ انسان کے پاس ہو بلکہ اس سے مراد ہے لباس۔ انسانی ضروریات دنیا بھر کے موسموں، جغرافیہ، مصروفیات اور کارگاہوں کے اعتبار سے بڑی پھیلی ہوئی اور متنوع ہیں۔ بنیادی طور پر کپڑے سے مراد وہ ناگزیر لباس ہے جو انسان (عورت ہو مرد) کی ستر پوشی کر سکے۔ یہ بات بڑی حیرت کی ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ انسان صرف حیوان نہیں ہے اس میں ایک روح ملکوتی یا روحِ ربانی بھی ہے۔ بقول علامہ اقبال

ے اس پیکرِ خاکی میں اِک شئے ہے، سو وہ تیری
میرے لیے مشکل ہے اس شئے کی نگہبانی

لہٰذا تمام حیوانوں کے برعکس انسان میں ستر پوشی اور لباس کا تصور ہے اور تمام معلوم انسانی معاشروں میں لباس اور ستر پوشی کا تصور موجود ہے حتیٰ کہ وحشی، غیر متمدن اور جنگلی انسانوں میں بھی لباس کا تصور ضرور ملتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ڈارون کی مہربانی سے جب سے انسان نے اپنے آپ کو حقیقی انسان اور اقبال کے مردِ مومن اور شاہین کے مقامِ بلند سے گرالیا ہے اور اپنے آپ کو صرف ترقی یافتہ حیوان سمجھ لیا ہے اور بندروں سے ترقی کر کے موجودہ رُوپ میں آنے کا تصور اپنا لیا ہے اس وقت سے اپنے آباء و اجداد (یعنی بندروں) میں کسی لباس اور ستر پوشی کا تصور نہ پا کر خود بھی بے لباس بننے کی راہ اپنالی ہے اور اس کے لیے فلسفے تراش لیے ہیں، NUDE-CLUBS بنالے ہیں، عریانی، فحاشی، بے راہ روی کوئی عیب نہیں بلکہ اپنے آباء و اجداد بندروں کی رسم اور رواج ہے تو انسان کے لباس کو غیر ضروری اور اضافی چیز سمجھ لیا ہے۔

تاہم ہمارے نزدیک حقیقی انسان جو جسد اور رُوح کے ساتھ ہی تمام تقاضے پورے کر کے انسان بنتا ہے، کی ناگزیر ضرورت 'کپڑے' یعنی لباس اور ساتر لباس ہے جو انسانی جسم کو اچھے طریقے پر ڈھانپ لے کہ انسان کے ظاہری عیوب بھی اس میں چھپ جائیں اور انسان کا صرف چہرہ، ہاتھ، اور پاؤں ہی نظر آئیں اور یہی انسان (عورت، مرد) کی پہچان ہے۔ خالق کائنات کی طرف سے اضافی طور پر عورت کے لیے گھر کے اندر دوپٹہ لینے اور گھر سے باہر نکلنے پر حجاب یا ایک چادر اوڑھنے کا حکم دیا ہے وہ بھی عورت کے لباس کا لازمی (UNDERSTOOD) حصہ ہے۔

انسانی معاشروں میں جب آسودگی اور خوشحالی آتی ہے تو اسی لباس میں رنگوں کا انتخاب، موسموں کا لحاظ، شادی، خوشی، غمی کے لحاظ سے لباس، لباس کی وضع وقطع، فیشن ڈیزائن وغیرہ بھی اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔ اس لباس میں مردوں کے لیے سر ڈھانپنے کی کوئی چیز (ٹوپی، پگڑی، صافہ، ہیٹ، قراقلی وغیرہ وغیرہ) بھی ضروری ہے۔ اسی لباس میں موسموں اور علاقوں کے لحاظ سے غریبوں امیروں کے لباس میں نمایاں فرق ہوتا ہے تاہم ستر ڈھانپنے اور ستر وحجاب کے احکام ناگزیر ہیں۔ الغرض ـــــ ایک مہذّب، ساتر، صاف ستھرا، موسم کے مطابق، عمر کے مطابق، موقع کی مناسبت سے لباس (زیر جامہ، قمیص، سر کا کپڑا وغیرہ) انسانی ضرورت ہے۔ اس لباس کا ایک حصہ ضرورت کے مطابق جوتا ہے جو انسان اپنے پاؤں کی زینت بناتا ہے۔

(ج) مکان روٹی اور کپڑا کی طرح 'مکان' کی اصطلاح میں بھی کوزے میں دریا بند کر دیا گیا ہے اور اس کے مفہوم اور معانی میں بہت وسیع حقائق پوشیدہ ہیں۔

روٹی اور کپڑا جیسی بنیادی ناگزیر انسانی ضروریات کے لیے انسان کو محنت کرنا پڑتی ہے پھر انسان تھک جاتا ہے تو اس کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ رات کو سونا ہے، آرام، تفریح، دوستوں کے ساتھ بیٹھک کے لیے ایک باسہولت گھر یا مکان کی ضرورت ہے جہاں انسان آرام کر سکے۔ اس کی شرائط میں سے چار دیواری (علیحدہ یونٹ) یعنی ایک علیحدہ مکان کی ضرورت انسانی ضروریاتِ زندگی کا لازمی جزو ہے۔ اسی طرح انسان روزمرہ کے استعمال کی ناگزیر چیزیں اپنی تحویل میں رکھنا چاہتا ہے ان چیزوں کی خریداری، سٹوریج اور تحفظ کے لیے ایک جگہ کی ضرورت ہے وہ جگہ اسی مکان کا حصہ ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ایک علیحدہ باسہولت مکان ہر ذی روح

انسان کی حقیقی ضرورت ہے۔ اسی مکان کی نسبت سے دنیا میں انسان کے لیے چیزوں وسائل رزق اور اس کے متعلقات کی ملکیت (OWNERSHIP) کا تصور جنم لیتا ہے۔ اسی مکان کی مناسبت سے ہر انسان کے لیے شادی کا حق (عورت ہو یا مرد) اس کے والدین کے ذِمے ہے۔ (اہل مغرب نے بنیادی انسانی ضروریات کا جو تصور دیا ہے وہ اُن کی سیکولر، لادین، خدا بیزار سوچ کا آئینہ دار ہے اور مغرب اور وہاں کی مقتدر قوتوں کی طے شدہ پالیسی کا حصہ ہے۔ اسلام کے تصور انسان اور مغربی افکار میں تصور انسان کا بنیادی فرق ہے اور اسی سے بہت سے مناقشات جنم لیتے ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا)۔

(د) ناگزیر تعلیم و تربیت خالق کائنات لاریب بہترین کارساز، مُربّی اور معلّم ہے۔ اس نے حیوانات کی وسیع دنیا (ANIMAL KINGDOM) پیدا کی ہے اور ان کو تعلیم و تربیت کے لیے خارجی ذرائع سے بڑی حد تک بے نیاز کر دیا ہے۔ جنگل کے جانور پیدا ہوتے ہیں زندگی گزارتے ہیں اور دنیا سے چلے جاتے ہیں ان کی زندگی کے ہر مرحلے کی تعلیم اور تربیت ان کے GENES میں شامل ہے اور معمول کی زندگی میں انہیں کسی کمی کا احساس بھی نہیں ہے۔

اس کے برعکس انسان ـــــ ایک منفرد مخلوق ہے یہ انسان جسد اور روح کا مجموعہ ہے جسد کی ضروریات کے لیے بہت کچھ اس کی فطرت میں موجود ہے اور انسانی جسد کی ضروریات حیوان کی ضروریات سے مشابہ ہیں جبکہ روحانی پہلو سے انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ضمیر یا CONSCIENCE چھپا دیا ہے اور اس کا احساس ہر انسان کو ہے اس ضمیر کے مطابق اضافی تعلیم و تربیت کی ضرورت، حالات اور خارجی ظروف و احوال کے مطابق انسانی اجتماعیت کے ذمے ہیں۔ لہٰذا مختصر الفاظ میں ہر انسانی بچے کو ایک اچھا، مہذب اور کامل انسان بنانے کے لیے روح اور جسد کے ساتھ کامل انسانوں کی صحبت اور تربیت کی ضرورت ہے۔ اس پہلو سے تربیت کی کمی معاشرے میں برائیوں اور جرائم کو جنم دیتی ہے اور اگر انسانی معاشرہ یا اجتماعیت اپنے فرائض ادا نہ کرے تو رفتہ رفتہ وہ معاشرہ حیوانی معاشرہ بن جاتا ہے اخلاقی گراوٹ، بے حیائی، بے لباسی، آزادروی، آزاد خیالی وغیرہ کے نظریات جنم لیتے ہیں اور ایسے معاشروں میں مہذب ہوتے ہوئے بھی جنگل کا قانون رائج ہوتا ہے۔ اس لیے اس معاشرے کے افراد انسانی سطح کے

اخلاقی قوانین کو ہضم ہی نہیں کر سکتے یعنی قبول کرنے کی صلاحیت سے ہی عاری ہوتے ہیں۔لہٰذا انسانی تعلیم و تربیت کا یہ شعبہ بہت اہم ہے۔

(۶) علاج معالجہ انسانی غذائی ضروریات کی اونچ نیچ، پیشے، ماحول اور کام کے ماحول کے فرق و تفاوت کی وجہ سے انسان بیمار ہو جاتا ہے۔کچھ بیماریاں سطحی، وقتی اور عارضی ہوتی ہیں جبکہ بعض بیماریاں دائمی بن جاتی ہیں اور ان کا علاج بڑا مہنگا اور طویل عرصے تک احتیاط کا متقاضی ہوتا ہے۔بعض بیماریاں متعدی بھی ہوتی ہیں جو گھر کے ایک فرد کو لگ جائے اور دوسرے افراد بھی میل جول اور رابطے کے ذریعے اس مرض کا شکار ہو جاتے ہیں۔اسی طرح بعض عوارض اور بیماریاں موروثی اور خاندانی یا پیدائشی بھی قرار پاتی ہیں۔لہٰذا ــــ ایک صحت مند معاشرے کی ضرورت ہے کہ اس کے تمام افراد صحت مند ہوں اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی ذمہ داریاں احسن طریقے پر ادا کر رہے ہوں۔لہٰذا ــــ یہ ضروری ہے کہ اچھے معاشرے کا کوئی ایک فرد یا افراد بیمار ہو جائیں یا طویل بیماری کا شکار ہو کر کام کے قابل نہ رہیں تو ان کو معاشرتی سطح پر احساس کمتری کا شکار ہونے سے بچایا جائے اور اجتماعی ذمہ داری ہے کہ ہر انسان کا بیماری کی صورت میں ہر ممکنہ علاج کرایا جائے اور اس کو یہ سہولت فراہم کی جائے۔معذور بیمار اور اپاہج افراد کی دیکھ بھال اور علاج معالجہ بھی اس کے عنوان کے تحت آتا ہے۔

4۔ انسانی اجتماعیت اور ناگزیر باہمی انسانی حقوق

اوپر درج بنیادی انسانی ضرورتوں کے علاوہ ہر انسان کے اپنے قریبی رشتہ داروں، دوستوں اور عزیزوں پر بھی کچھ حقوق بنتے ہیں ان کا احساس کرنا، ان کی پاسداری اور اہتمام کرنا بھی زندہ اور مہذب معاشروں کی پہچان ہے۔زندگی کے ختم ہو جانے پر بعض انسانی حقوق لازم آجاتے ہیں یہ اَن دیکھے (UNSEEN) اور نہ پہچانے جانے والے (UN-APRERECIATABLE) حقوق بھی بہت اہم ہیں۔

محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ نے ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق بتائے ہیں

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيلَ: مَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ؟، قَالَ: اِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَاِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ،

وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللهَ فَسَمِّتْهُ، وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ

(مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

’’مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں، پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: (۱) جب تو اس سے ملے تو اس کو سلام کہہ (۲) اور جب وہ تجھے بلائے تو اس کو جواب دے (۳) اور جب تجھ سے خیر خواہی طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کر (۴) اور جب اُسے چھینک آئے پھر وہ الحمدللہ کہے تو اسے یَرْحَمُكَ اللّٰہ کہہ (۵) اور جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کر (۶) اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شریک ہو‘‘۔

ان حقوق کا اہتمام کرنا اور ان کی ادائیگی و اہمیت کا شعور اجاگر کرنا بھی ایک معاشرتی ضرورت ہے اور انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ آپ تصور نہیں کر سکتے کہ ان حقوق کو ادا نہ کیا جائے تو معاشرے کا حلیہ اور پہچان کیا رہ جائے گی۔ انسان نہ صرف شرفِ انسانی سے گر جائے گا بلکہ حیوان سے بدتر شمار ہونے لگے گا۔

5۔ ناگزیر انسانی ضرورتوں کی تکمیل ___ اور ضرورتوں کا پھیلاؤ

انسان اور انسانی زندگی کے معاملات بڑے عجیب اور حیران کن ہیں اور شاید انسانی زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ انسانی ضرورتوں کی ایک درجہ اور سطح تک تکمیل انسان کو مطمئن، کام چھوڑ کر بیٹھ جانے والا، ذمہ داریوں سے سبکدوش سمجھنے والا یا اپنی نظروں میں ہی گر جانے کا احساس رکھنے والا نہیں بنا دیتی بلکہ ضرورتوں کی ایک حد تک تکمیل ___ تکمیل کے آخری مراحل سے پہلے ہی نئی ضرورتوں کا ایک بڑا اور پرکشش پیکیج (ATTRACTIVE PACKAGE) انسان کے سامنے ہوتا ہے۔ کچھ احساسات انسان کے اندر سے جنم لیتے ہیں اور کچھ ضرورتوں کا احساس انسان کے قریبی اعزہ واقارب اور دوست دلاتے ہیں اور کچھ ضرورتوں کا ادراک انسان کو ماحول میں جاری ایک خوب سے خوب تر کی تلاش میں بگٹٹ دوڑ سے ہوتا ہے کہ کیوں نہ وہ بھی اس دوڑ میں شامل ہو کر اپنی قسمت آزمائی کرے۔ یہ بات انسان کی فطرت ثانیہ ہی کہی جا سکتی ہے کہ انسانوں کی غالب اکثریت ناگزیر ضرورتوں کی تکمیل پر قناعت کی بجائے خوب

سے خوب تر کی دوڑ میں شامل ہو جاتی ہے۔ مبارکباد کے مستحق ہیں وہ لوگ جو اس دوڑ میں شریک تو ہوتے ہیں مگر اپنی اُمنگوں، ولولوں اور خواہشات کی تکمیل کی منصوبہ بندی بڑی مختصر اور تھوڑی محنت سے قابل حصول اَہداف (TARGETS) تک محدود رکھتے ہیں۔

6۔ خوب سے خوب تر کی تلاش کی دوڑ

ضرورتوں کے پھیلاؤ میں انسان اکثر اوقات اپنے اَہداف بہت اونچے رکھتے ہیں اور حرص اور لالچ کا شکار ہو کر اس دوڑ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ابتداء میں یہ خواہشات بڑی معصوم اور دلآویز محسوس ہوتی ہیں اور ان کے حصول کے لیے انسان اپنے پاس پہلے سے موجود آسائشوں سے بھی پورا فائدہ حاصل نہیں کرتا بلکہ یہ فائدہ اور آرام حاصل کرنے کے معاملے کو مزید آسائشوں کے حصول کے لیے قربان کر دیتا ہے۔

مثال: کسی پرائیویٹ ادارے کا ملازم ہو یا سرکاری، جب تک وہ چھوٹے درجے کا ملازم ہے وہ صبح شام چاہے تو گھر والوں کے ساتھ مل کر کھانا کھاتا ہے، شام فراغت میں گھر والوں کے ساتھ سیر و تفریح، دوستوں، رشتہ داروں سے ملاقاتیں وغیرہ کرتا ہے کہ یہی اس کی آمدنی اور آسودگی کا تقاضا ہے، مسلمان ہے تو نماز روزہ کا اہتمام کرتا ہے، فارغ وقت میسر ہو تو دینی فرائض کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے۔ یہی آدمی جب ترقی کر جاتا ہے انتظامی عہدوں پر آ جاتا ہے تنخواہ بڑھ جاتی ہے سواری مل جاتی ہے بڑا AREA زیر انتظام ہوتا ہے اب دورے ہیں، انتظامی مصروفیات میٹنگز (MEETINGS) ہیں اب صاحب کا گھر کا کھانا، بچوں کے ساتھ وقت گزارنا، دینی فرائض اور نماز روزے کا اہتمام مسافرانہ ہو جاتا ہے۔ مگر خوش رہتا ہے کہ وسائل بڑھ گئے ہیں یوں کرلیں گے، بڑے بڑے منصوبے اس کے ذہن میں پرورش پانے لگتے ہیں وقت کے ساتھ مزید ترقی ہو جاتی ہے اور مصروفیات اسی رُخ پر بڑھتی رہتی ہیں۔ اپنی اولاد اور اعزہ و اقارب کے ساتھ اچھا وقت گزارنے کے لیے اس نے جو وسائل میں اضافہ کی دوڑ میں حصہ لیا تھا اب وہ اسی دوڑ کے چکر میں اپنے مقصدِ حیات اور نصب العین ہی کو بھول جاتا ہے۔

وسائل میں اضافہ کی معصوم سی خواہش میں پھنس کر اور اپنی عجلت پسندی کے تحت انسان اپنے دین ایمان آخرت کو بھلا کر وقتی طور پر فائدے کے لیے مستقبل بعید کی فرصتوں کے لمحات کے

لیے آج کے بہترین اوقات قربان کر دیتا ہے۔ انسانوں کی عظیم اکثریت اسی سراب کے پیچھے صبح و شام مصروفِ عمل ہے۔ مگر اکثر انسان اس سفر میں اتنے آگے جا چکے ہوتے ہیں کہ اب واپسی ممکن نہیں۔ امارات میں ملازمتوں کا حصول بہتر مستقبل کے لیے یورپی ممالک کا سفر، امریکہ اور کینیڈا کی مستقل شہریت اور گرین کارڈ کا حصول زندگی کا مطمع نظر بن جاتا ہے۔ آج قناعت پسندی اور موجودہ باعزت زندگی کے وسائل میں رہ کر اچھا مسلمان اور شہری بن کر زندگی گزارنا مفقود ہے اور اس کی مثالیں شاذ و نادر ہیں۔ صدیوں پہلے کا ہندی زبان کا شعر ہے جس میں ایک خاتونِ خانہ کی زبانی اپنے شوہر کی دوسرے ملک روانگی کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے

سونا لینے پی گئے تے سُونا کر گئے دیس
سونا ملا نہ پی ملے چاندی ہوگئے کیس

(سونا: قیمتی دھات۔ سُونا: اداس۔ چاندی ہوگئے: سر کے بالوں کا سفید ہو جانا۔ کیس: عورت کے سر کے بال)

''یعنی جوانی میں گھر کی کم سہولتیں چھوڑ کر محبوب سونا کمانے گیا تھا نہ سونا ملا نہ محبوب واپس آیا البتہ عمر گزر گئی بال سفید ہو گے''

یہی کیفیت آج ہم میں سے اکثر لوگوں پر طاری ہے۔

7۔ خوب سے خوب تر کی تلاش ___ خواہشات کی ایک لمبی نہ ختم ہونے والی فہرست

اسی سفر زندگی میں انسان خوب سے خوب تر کی تلاش میں نکلتا ہے تو اپنے موجودہ وسائل کو نظر انداز کر کے اور اپنے رب کی ناشکری کرتے ہوئے سنہرے مستقبل کی خاطر ایک دوڑ میں شریک ہو جاتا ہے، جس کا اختتام موت ہی ہے۔ ورنہ خواہشات کی کوئی انتہا نہیں۔ پیدل چلنے والا سائیکل کی خواہش کرتا ہے، سائیکل کا مالک موٹر سائیکل سواری کے خواب دیکھتا ہے، موٹر سائیکل چلانے والا چھوٹی سی گاڑی مہران ہی ہو، کی خریداری کی آرزو کرتا ہے اور تصورات ہی میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ سیر سپاٹے کا تصور کرتا ہے جبکہ چھوٹی کار والا کرولا (COROLLA) کی خواہش کرتا ہے اور کرولا کا مالک لینڈ کروزر سے نیچے اترنے کو تیار نہیں چاہے خواب ہی میں کیوں نہ ہو۔ آگے ہوائی جہاز کا مالک بننا اور سپورٹس کار خریدنا، مرسڈیز اور BMW، فراری

کاریں انسان کے دل کو لبھاتی ہیں لیکن انسان ان خواہشات کی تکمیل کا سفر مکمل کرنے سے پہلے ہی موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

صحیح کہا جاتا ہے کہ کسی انسان نے آج تک اپنی خواہشات کی تکمیل نہیں کی بلکہ مزید زندگی کی خواہش کی ہے تاکہ وہ اپنی نامکمل خواہشات کی تکمیل کی کوشش جاری رکھ سکے۔

مثال: کہا جاتا ہے کہ چند صدیاں پہلے جب ابھی مشینی زراعت کا دور نہیں آیا تھا سائبیریا سے ملحق علاقہ جات میں کوئی بادشاہ تھا اس کی مملکت کا وسیع رقبہ تھا مگر آبادی کم تھی اور زیر کاشت رقبہ جات کم تھے اس نے قریب کے ممالک میں اعلان کروادیا کہ جو کسان ہمارے ہاں آکر رقبہ کاشت کرنا چاہے وہ آجائے ہم اس کو حسب خواہش مفت رقبہ دے دیں گے۔ بہت سے لوگ وہاں بہتر مستقبل کی اُمنگیں لے کر آتے مگر کامیاب نہ ہوتے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ صبح ہر آنے والے شخص کو کہتا کہ یہ لو گھوڑا (سواری کے لیے) اور یہ بوری کنکر (پتھر کے ٹکرے) اور تھوڑے فاصلے پر یہ پتھر گراتے جانا وہ زمین کی حدود تک رقبہ تمہیں دے دیا جائے گا مگر سورج غروب ہونے سے پہلے یہاں واپسی ضروری ہے۔ ایک زراعت پیشہ شخص قریب کی ریاست میں تنگی ترشی کے دن گزار رہا تھا رقبہ کم تھا اور افراد خانہ زیادہ تھے اس نے قسمت آزمائی کے لیے اس بادشاہ کے پاس جانے کا ارادہ کرلیا ہمت کر کے وہاں پہنچا اور مدعا بیان کیا بادشاہ نے خوشی خوشی حسب روایت اس کو سواری اور کنکر مہیا کر دیے اور اس نے کہا کہ سورج غروب ہونے سے پہلے واپس چکر لگا کر یہاں پہنچنا ضروری ہے وہ شخص تازہ دم نکلا کوئی پتھر اِدھر گرایا دوسرا اُدھر گرایا۔ جوں جوں آگے خوبصورت مناظر چشمے، زراعت کے قابل رقبے دیکھ کر وہ نشان لگاتا آگے ہی بڑھتا چلا گیا دن ڈھلے اس کو واپسی کا خیال آیا اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا اس نے دل ہی دل میں سہانے مستقبل کی خاطر اس دن کا دوپہر کا کھانا بھی قربان کر دیا اور واپسی کا سفر شروع کر دیا بغیر آرام خود تو جیسے تیسے سفر جاری رکھنا چاہتا تھا مگر گھوڑے کی بے آرامی کی وجہ سے سفر ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔ بالآخر اس نے گھوڑے کو وہیں چھوڑا اور بھاگا اور پیدل چل کر واپس پہنچے کی سرتوڑ کوشش شروع کر دی۔ بادشاہ کی شرط یہ تھی کہ اگر وہ وقت مقررہ تک نہ پہنچا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ وہ قسمت کا مارا کسان تھک کر چور ہو چکا تھا مگر وقت پر پہنچنے اور قتل کے خوف سے بھوکا پیاسا دوڑتا اور چلتا رہا بالآخر وہ اس قدر نڈھال

ہوگیا کہ بادشاہ سے ملاقات کی جگہ نظر آئی مگر ہمت جواب دے گئی اور وہ منزل سے تھوڑے فاصلے پر پہلے ہی گر کر دم توڑ گیا۔ بادشاہ نے حسرت سے اس کو دیکھا، کارندوں سے کہہ کر اس کو دفنا دیا اور یہ کہا کہ ”اس شخص کو قبر کے لیے دو (مربع) گز زمین درکار تھی مگر اس کی خواہش شیطان کی آنت کی طرح اتنی طویل تھی کہ اس نے کھائے پیئے بغیر دن گزار دیا اور تھکاوٹ سے چور ہو کر جان دے“۔

خوب سے خوب تر کی تلاش اگر بے مقصدیت کا شکار ہو جائے تو نہ خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے نہ آرام ملتا ہے انسان آخرت کی جواب دہی کے لیے مر کر اپنے مالک حقیقی کے سامنے پہنچ جاتا ہے۔ یہ کہانی تھوڑے سے فرق کے ساتھ ہم سے اکثر لوگوں کی ہے اور ہم اپنے سامنے لوگوں کو ناکام ہوتے دیکھتے ہیں مگر ہائے افسوس! کہ اس سے عبرت حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

8۔ وسائل رزق پر جائز و ناجائز قبضہ

انسان کے لالچ اور مال و دولت کے حصول کے لیے ناگزیر ضرورتوں سے کہیں بڑھ کر تگ و دو جائز و ناجائز طریقے سے وسائل رزق میں اضافہ اور قبضہ اور اس کے استعمال میں بھی بخل سے کام لینا یہ انسانی کاوشوں کا عنوان ہے۔

قرآن مجید میں خالق کائنات نے اس کا نقشہ یوں ہمارے سامنے رکھا:

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُO حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَO كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَO ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَO كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِO لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَO ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِO ثُمَّ لَتُسۡـئَلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِO

”لوگو! تمھیں (مال کی) طلب میں مبالغہ نے غافل کر دیا یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پڑے۔ دیکھو تمھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا پھر دیکھو تمھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو اگر تم جانتے (یعنی) علم الیقین (رکھتے تو غفلت نہ کرتے۔ اب تو) تم ضرور دوزخ کو (اپنی آنکھوں سے) دیکھو گے پھر تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے (تو گویا وہ ہو گا) آنکھوں دیکھا یقین، پھر اس روز تم سے لازماً (ان بہت ساری) نعمتوں کی فراوانی پر تمہارے شکر یا کفرانِ نعمت (کے جذبات) کا سوال کر کے دائمی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ کر دیا جائے گا“۔

وسائل پر اس طرح قبضہ کے لیے انسانوں کی اکثریت جائز قبضے اور ناجائز قبضے میں فرق کو بالائے طاق رکھ دیتی ہے اور تمام اصول یکسر نظر انداز کر کے آنکھیں بند کر کے وسائل رزق کے اضافے کی دھن میں مصروفِ عمل رہتی ہے۔

9۔ قناعت ایک دولت ہے

وسائل رزق کے حصول میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں اگر کسی شخص کو کوئی دانا انسان یہ سمجھائے کہ بھائی تمہارے پاس عزت سے دو وقت کی روٹی کے وسائل ہیں، تھوڑا فرصت کا وقت آرام کرتے ہو، دوستوں سے ملتے ہوئے فیملی کے ساتھ وقت گزارتے ہو، یہ وہ دولت ہے جو بڑے بڑے کروڑ پتی اور ارب پتی افراد کو بھی میسّر نہیں، وہ اس کے لیے ترستے ہیں۔ یہ بات اس حریص آدمی کو سمجھ نہیں آئے گی مگر خوش قسمت ہے وہ شخص جو اس حقیقت کو پالے اور قناعت کا راستہ اختیار کر لے اپنے حصے کا رزق دنیا سے لے اور باقی دوسرے آنے والے انسانوں کے لیے چھوڑ دے۔ محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ جو ایک کامل انسان تھے، نے ایک قولِ مبارک میں ارشاد فرمایا ہے:

مَا قَلَّ وَ كَفٰى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَ أَلْهٰى (مسند احمد، عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ)

''جو کم ہو اور کفایت کرے وہ بہتر ہے اُس سے جو زیادہ ہو اور غافل کر دے''۔

کہانی: یہ کہانی ماسٹر آف بزنس ایڈمنسٹریشن (M.B.A) کے نصاب کی ایک کتاب میں پڑھی۔ یہاں اس لیے درج کی جارہی ہے کہ شاید کوئی سعید روح اس سے عبرت حاصل کر سکے۔

''میکسیکو کے ایک معروف ساحل پر ٹورسٹ حضرات کا حسب معمول رش تھا اور لوگ دُور دراز کے علاقوں سے آکر وہاں سیر و تفریح اور عیاشی کے سامان اور مواقع سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ یہ روز کا معمول تھا۔ مقامی افراد ان شائقین حضرات کے لیے خدمات پیش کرتے اور معاوضہ وصول کر کے روزی کماتے تھے اور خوش تھے۔ ایک دفعہ نیو یارک کا ایک ادھیڑ عمر آدمی اس علاقے میں آیا سیر و تفریح کی اور علاقے کے لوگوں، مقامی ہوٹلوں، کھانوں اور سرگرمیوں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ ایک دن اس نے ایک کشتی کرائے پر لی اور سمندر کی سیر کو نکل کھڑا ہوا۔ اس کے گھنٹے بھر کے اس سفر کے دوران جہاں اس سیاح (TOURIST) نے مناظر کی تعریف کی،

میکسیکو کے لوگوں اور اس علاقے کی مہمان نوازی کی تعریف کی وہاں موقع پا کر اور وقت گزارنے کے لیے کشتی کے مالک سے گفتگو شروع کر دی۔ کشتی مالک اس کشتی سے اپنی روزی پیدا کرتا تھا اور باعزت زندگی گزار رہا تھا۔

سیاح نے اس سے گفتگو شروع کی کہ تم اس کشتی کے ذریعے کتنے گھنٹے کام کر کے کتنی آمدنی پیدا کر لیتے ہو۔ ملاح نے مناسب جواب دیا کہ میں صرف چھ گھنٹے کام کرتا ہوں پھر کشتی کھڑی کر کے نہا دھو کر کپڑے بدل کر شام کو دوستوں سے ملتا ہوں۔ گھر میں وقت گزارتا ہوں اور کہا کہ مطمئن بڑی اچھی زندگی گزار رہا ہوں۔ اس نے اپنے مشاغل اور اپنی سوچ کے مطابق اپنی رنگ رلیوں کا بھی ذکر کیا۔ سیاح نے اس سے کہا کہ تم تو بڑے بدنصیب ہو تم تو کافی ترقی کر سکتے ہو اور تم اپنے وسائل میں بے پناہ اضافہ کر سکتے ہو مگر تم کم ہمتی دکھا کر کاہلی کی زندگی گزار رہے ہو۔ ملاح کے سوال پر کہ اُسے کیا کرنا چاہئے؟ اس سیاح نے کسی کاروباری انسان اور کسی سیلز منیجر کی طرح مستقبل کے سہانے اور سنہرے دنوں کا نقشہ اس کے سامنے کھینچ کر رکھ دیا۔ اس نے کہا تم روزانہ بارہ گھنٹے کام کرو۔ تمہاری آمدنی میں اضافہ ہو جائے گا۔ اچھا کھاؤ اچھا پیو پیسے جمع کرو۔ ملاح نے سوال کیا: پھر کیا ہوگا؟ اس نے کہا پھر تم ایک اور کشتی خرید لینا اور کوئی ملاح ملازم رکھ کر اس کو اسی طرح کام میں لگا دینا حتیٰ کہ تم دیانتداری اور لگن سے کام کرو تو دو سال کے اندر کئی کشتیوں کے مالک بن سکتے ہو۔ پھر؟۔ اس نے کہا پھر تم بہتر مشینی کشتیاں لے لینا اور اپنے کاروبار کو بڑھا لینا، پھر تم کشتیوں کا کاروبار شروع کر دینا، پھر تم اپنا سرمایہ دوسرے کاروباروں میں لگا دینا پھر تم نیویارک SHIFT ہو کر وہاں بڑا سارا دفتر بنا کر ایک اعلیٰ پائے کا بزنس شروع کر دینا۔ پھر نیویارک میں ہی اچھا سا مکان بنا لینا پھر تمہارا کاروبار اتنا پھیل جائے گا کہ تمہارے ملازمین اور منیجرز کام کریں گے تم اطمینان سے گھر میں وقت گزارنا، سیر و تفریح کرنا اور تھوڑا وقت کاروبار کی نگرانی بھی کرتے رہنا۔

ملاح نے ساری گفتگو سن کر کہا یہ سارا کچھ تو میں اب بھی کر رہا ہوں کہ تھوڑا وقت کاروبار کو دے کر باقی وقت دوستوں عزیزوں اور فیملی میں گزار رہا ہوں۔ فرصت کے اوقات میں پرانے دوستوں کو ملنے چلا جاتا ہوں اور اطمینان سے رہ رہا ہوں۔ اتنی لمبی سالہا سال کی شب و روز

کی محنت کے بعد جو ملنا ہے وہ تو مجھے ابھی میسر ہے۔ سیاح نے بات ختم کر دی ساحل قریب آ چکا تھا سیر کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ رقم کا لین دین ہوا وہ سیاح چلا گیا ملاح پر تو اس کا اثر نہیں ہو مگر وہ سیاح جو کسی ملٹی نیشنلز کا سیلز منیجر تھا اور سیلز کے ٹارگٹ پورے کرنے پر کمپنی کے خرچ پر دوسرے ملک سیر و تفریح کے لیے وقت گزارنے آیا تھا، اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

اس کہانی میں بھی بہت سے مصروف اور آخرت برباد کر کے دنیا کے لیے ہمہ تن وقف کرنے والے لوگوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔

10۔ مغرب اور مشرق کے تصورات میں بنیادی انسانی ضرورتوں کا فرق

☆ آج کے دور میں عالمی مغربی نظام تمام کرۂ ارض پر پھیلا ہوا ہے اور اسی کی بالادستی ہے۔ اقوام متحدہ کا ادارہ عالمی سطح کی اس حکومت کو کنٹرول کر رہا ہے۔ پرانے وقتوں کی غیر حاضر زمینداری کی طرح آج دنیا پر اس اقتصادی قبضے کے پیچھے ایک غیر حاضر طاقت ہے اور وہ طاقت ایک مؤثر قوت ہے جس کے غلبہ اور مضبوط گرفت کا انکار آسان نہیں۔ امریکہ یورپ اور روسی عیسائی دنیا سب اس عالمی طاقت کے سامنے براہِ راست پہلی صف میں سجدہ ریز ہیں اور اس عالمی قوت کے فیصلوں، خواہشات، اشاروں اور ترجیحات میں ذرّہ بھر اِدھر اُدھر کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ صف دوم کے ممالک میں باقی دنیا کے ترقی پذیر ممالک (DEVELOPING COUNTRIES) ہیں جو مغربی ترقی یافتہ ممالک کی دی گئی ترجیحات اور خطوط پر اور ان کی جامعات سے حاصل شدہ انداز فکر اور انداز نظر کے تحت انہی مغربی طریقوں کو ساری دنیا سمیت اپنے ممالک کے مسائل اور معاشی استحکام کا واحد ممکن طریقہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ تیسری صف میں غیر ترقی یافتہ ممالک آتے ہیں اور یہ بالعموم مشرق کے مسلمان ممالک ہیں۔

☆ اگر حالات کو سمجھنے کے لیے مغرب اور مشرق کی تقسیم کر دی جائے اور یہی اصطلاحات استعمال کی جائیں تو مشرق کی سب سے بڑی طاقت جو مغرب سے ملحق اور براہِ راست متأثرہ قوت ہے وہ اسلام ہے۔ چین اپنے معاشی استحکام و ترقی کے ساتھ مغرب کے لیے ایک معاشی جن کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ تاہم اصل مقابلہ مغرب اور مشرق میں ہے اور اس کے معنی چاہے زبان سے ادا کریں یا نہ کریں مفہوم مغرب کے مقابلے میں اسلام ہی ہے۔ مغرب کی ساری قوت

واستحکام کی پشت پر مؤثر طاقت صیہونیت اوراسرائیل کی ہے اور مسیحی یورپ کہنے کوایک الگ شناخت رکھنے کے باوجوداوپر جا کرایک ہی قوت بنی اسرائیل کی قوت بن جاتے ہیں جس کا نمائندہ اسرائیل ہےاور یہودی(ZIONS) ساری مسیحی دنیااورتیسری دنیامیں عملاً بہت موثر ہیں۔

☆ یہاں ہم مغرب ومشرق یا مغربی فکراوراسلام کےافکار کےفرق کوواضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں، مغربی دنیا کی جامعات میں پڑھائی جانے والی کتابیں ہوں یا میڈیا کے ذریعے نشر ہونے والے افکار، وہ مسیحی اور یہودی ہونے کے باوجود عملاً مذہب سے دور، خدا بیزار، وحی دشمن، انسان دشمن اورعلم واخلاق دشمن ہیں جبکہ اس کے مقابل اسلام کی تعلیمات اورافکارایک واضح الگ معیاراورشناخت رکھتے ہیں۔

☆ اس پس منظر میں دنیا میں انسانی حقوق کے دوچارٹر (CHARTER) ہیں: ایک مغرب نے پیش کیا ہے جوسیکولراورلبرل مزاج رکھتا ہے۔UNO نے اس کوسرکاری دستاویز قرار دے کراپنارکھاہےاوراس طرح UNO اپنے تمام ممبران کو مذہب کی آزادی دے کربھی سیکولر بنارہاہےاورمردوزن کےحقوق کےنام پرانسان دشمنی کررہاہے۔

دوسراچارٹراسلام نے دیاہے جوغیرمبدّل ہےاور چودہ صدیوں سے دنیامیں عمل درآمد ہوکرانسانیت کا آزمودہ ہے۔وقفوں وقفوں سے آمریت،شہنشاہیت اورمطلق العنان بادشاہوں نے مسلمان ہوتے ہوئے بھی ان حقوق کوغصب کرنے کی کوشش کی ہے مگروہ تعلیمات ابھی باقی ہیں گزشتہ دوصدیوں سے مسلمان دنیامیں کمزور،محکوم اورشکست خوردہ(BACK FOOT پر) ہیں لہٰذااس چارٹرکی VALIDITY مشکوک بنادی گئی ہے تاہم اسلام کےاس چارٹر کے انسان دوست،خداشناس،وحی شناس اور ماحول دوست ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

انسانی حقوق کے بارے میں مغربی تصورصرف یہ ہےاور یہ مغرب کے حقیقت انسان کے ادھورے تصورات پرمبنی ہے یعنی روٹی، کپڑا اور مکان، اظہار رائے کی آزادی، مذہب کی آزادی وغیرہ۔جبکہ اسلام کاانسانی حقوق کاتصوروسیع ترہےاورحقیقی انسان کےتصور پرمبنی ہے یعنی روٹی کپڑا،مکان،ناگزیرتعلیم وتربیت اورعلاج معالجہ۔

باب 3

تاریخ انسانی میں
وسائل رزق کا کنٹرول
(قرآن مجید کی روشنی میں)

تمہید

7000 ق م سے 3500 ق م تک

3500 ق م سے 2000 ق م تک

2000 ق م سے 610 عیسوی تک

☆ انبیائے کرام علیہم السلام کی مخاطب قوموں کی خصوصیات

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت............

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل اور جہاد

☆ بنی اسرائیل کا عروج وزوال

☆ ......تاریخ انسانی کی اہم 12 صدیاں

610ء سے 1258ء تک

باب 3

تمہید

☆ روئے ارضی پر انسان کی آباد کاری اور تہذیب وتمدن کے ابتدائی مراحل میں زندگی بہت سادہ تھی، وسائل رزق کی کثرت اور انسانی آبادی کم تھی لہٰذا حرص، لالچ، وسائل کو جمع کر کے رکھنا وغیرہ کے نظریات فطرتِ انسانی ہی کے داخلی داعیات ہونے کے باوصف عملاً انسان قناعت پسند تھا۔ مغربی نظریات انسانی تاریخ کی ابتداء مختلف اور اپنے اندازِ فکر اور سوچ کے مطابق کرتے ہیں جبکہ قرآن مجید کا بیانیہ حالیہ تہذیب اور نظریات کے بیانیہ سے مختلف ہے۔ قرآن مجید کے نزدیک اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے مطابق انسانی زندگی کا آغاز جہالت اور آوارگی سے نہیں بلکہ ہدایت اور زندہ ضمیر کے ساتھ ہوا ہے۔ آسمانی ہدایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام پہلے مکمل انسان (روح اور جسد کے ساتھ اور مسجودِ ملائک) تھے اور پہلے نبی بھی تھے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ روئے ارضی انسانی معاشرت کا آغاز بے راہ روی سے نہیں بلکہ ایک مہذب انسان کے طور پر CULTURE AND MANNERS کے ساتھ ہوا ہے (اچھے آدابِ زندگی کے لیے انگریزی میں MANNERS کا لفظ غالباً MAN ہی سے بنا ہے کہ وہ چیزیں جو انسان کو عالم حیوانات (ANIMAL KINGDOM) سے ممیّز کرتی ہیں وہ طرز بود و باش، تہذیب اور MANNERS ہی ہیں)۔

☆ صدیوں بعد انسانی آبادی کے بڑھنے اور انسان کے اندر EVIL اور منفی جذبات کے تجربات سے اچھے اور بُرے انسان میں فرق کیا جانے لگا اور ملکیت (OWNERSHIP) کا تصور پیدا ہوا جس سے وسائل رزق یعنی رقبہ اور احاطہ، جانوروں کی ملکیت، ناگزیر انسانی ضرورت کی اشیاء (TOOLS) کو جمع کرنے اور ان کی حفاظت کا تصور اُبھرا ہے۔

☆ ابتداء میں یہ تصورات بھی باہمی اکٹھے رہنے کے جذبے سے متصادم نہیں تھے بلکہ بڑے معصوم اور بے ضرر تھے۔ باہمی ضروریات کی چیزیں ایک دوسرے سے مانگ کر استعمال کر لینا یا ادھار لے لینا ان ابتدائی اَدوار ہی کے تصورات ہیں۔

☆ انسانی معاشرے کی ترقی وارتقاء کے ان مراحل میں کام کی تقسیم کا تصور پیدا ہوا۔ اسی تصور نے آگے بڑھ کر SPECIALISATIONS کی شکل اختیار کی اور نسلوں کے باہمی تعامل میں مختلف پیشے اختیار کر لیے گئے۔

☆ مختلف پیشے اختیار کرنے سے نسلوں بعد زرعی پیشے اور غیر زرعی پیشے کی تقسیم پیدا ہوئی، اسی تقسیم سے زرعی اجناس کو غیر زرعی پیشے والے افراد تک پہنچانے کے لیے اصول وضع کیے گئے، زراعت سے متعلق خدمات (SERVICES) کے تصور نے جنم لیا، ان خدمات کے عوض ان خاندانوں کے لیے ضرورت کی اجناس کا معاوضہ طے پا گیا۔ یہ نظام دیہاتی زندگی میں آج بھی کامیابی سے چل رہا ہے۔

☆ معاشرہ کی اجتماعی زندگی میں چیزوں کے آپس میں تبادلہ کے لیے بھی قدم بقدم اصول وضع ہوتے چلے گئے۔ کسی خاندان کے پاس گندم زیادہ ہے، دوسرے خاندان کے پاس گھی اور دودھ کی کثرت ہے لہٰذا اشیاء کا ادھار لے کر اسی جنس (SAME COMMODITY) میں واپسی کرنے کی بجائے اشیاء کے تبادلہ (EXCHAGE) کے تصور نے جنم لیا ہے۔

☆ اشیاء کے باہمی تبادلہ کی ضرورت کے احساس سے بھی مختلف اشیاء کی اہمیت اور تیاری میں محنت کے مطابق ایک غیر مرئی قیمت (VALUE) کا اندازہ مقرر کر لیا گیا۔ اس تجربے سے پہلے مختلف خاندانوں میں اشیاء کے باہمی تبادلہ کا طریقہ رائج ہوا۔ کپڑا اور اجناس کے علاوہ کارپینٹر، لوہار، کمہار، حجام، معمار اور مزدور کی ضروریات اور STATUS کے حساب سے معاوضہ مقرر رہوا۔ لہٰذا کپڑے کے عوض اجناس، گھی اور معمار، لوہار، کمہار اور حجام کی خدمات کا عوض مقرر ہو کر رواج بن گیا۔ زراعت پیشہ افراد وسائل رزق پیدا کرتے تھے دوسرے بعض پیشہ ور افراد خدمات پیش کرتے تھے۔ ان خدمات کے عوض ان کے خاندان کی ضروریات کی اجناس انھیں دے دی جاتی تھیں۔

☆ مختلف خاندانوں کی ضروریات گھر کے افراد کی تعداد کے مطابق گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں انسانی معاشرہ میں پیدائش واموات کا سلسلہ ناگزیر اور اٹل حقیقت ہے۔ کسی خاندان میں کچھ افراد کے فوت ہو جانے سے افراد خانہ کم ہو گئے۔ کسی خاندان میں بچے زیادہ ہو گئے یا کسی خاندان میں اولاد کم ہوئی یا بالکل نہیں ہوئی لہٰذا ناگزیر ضروریات میں کمی بیشی روزمرہ کا تجربہ اور مشاہدہ بن گیا۔

☆ اگلے مرحلے میں کسی خاندان میں افراد خانہ کم ہو گئے اور خدمات کا معاوضہ حسب سابق آرہا ہے تو اس خاندان میں SURPLUS وسائل رزق سے زندگی میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے اضافی کپڑے، زیورات، اضافی جوتے وغیرہ کا رجحان ناگزیر تھا لہٰذا اس رجحان نے کئی اور پیشوں کو جنم دے دیا۔

☆ ان ضروریات پر مزید انسان کی دینی اور مذہبی ضروریات ہیں دینی تعلیم، ناگزیر تربیت۔ علاج معالجہ کی ضروریات کی تکمیل کے لیے طب کا شعبہ قائم ہوا اور اسی شعبہ کی کوکھ سے پھر جرّاحی (SURGERY) کے پیشے نے جنم لیا۔ انسان کو چوٹ لگ گئی زخمی ہو گیا ہڈی ٹوٹ گئی FRACTURE ہو گیا لہٰذا یہ پیشہ بھی ناگزیر ضرورت کے طور پر ساتھ ساتھ پروان چڑھتا چلا گیا۔ دینی تعلیم اور عبادات کے نظام کے لیے مختلف درجہ بندی کے ساتھ کئی افراد اور خاندانوں کی ضروریات کا احساس ہوا جس کا معاشرے نے اپنی اشد ضرورت سمجھ کر اہتمام کیا۔ اسی طرح بچوں کی پیدائش اور اموات کے مسائل کے لیے بھی کئی خاندانوں نے ان ضروریات کی تکمیل اور ادائیگی کی ذمہ داری سنبھالی۔

☆ شادی، خوشی، غمی پر خطابت، تقریریں، شاعری، قصیدے اور موقع کی مناسبت سے کئی پیشوں کی ضرورت کا احساس ہوا اور اس میں تخصّص کے رجحان نے خوب سے خوب تر کی تلاش میں مختلف درجہ بندیاں بنا کر معاشرے کی ضرورت کو پورا کر دیا۔

☆ اس معاشرتی ارتقاء کا حاصل چیزوں کے باہمی تبادلہ کے لیے ان کی حقیقی قیمت (VALUE) کا تعین تھا۔ اس قیمت کی تعیین میں یقیناً اس خدمت یا شئے (COMMODITY) کی اہمیت، کم یا زیادہ دستیاب ہونے (AVAILABILITY) اور ناگزیر ہونے کی وجہ سے کم یا زیادہ مقرر ہو کر رواج بنتی چلی گئی۔

7000 ق م سے 3500 ق م تک

مختلف اجناس، وسائل رزق اور خدمات کے عوض 'مبادلہ' کے اصول وضوابط بننے میں بڑی سست رفتاری کے ساتھ معاشرے آگے بڑھتے رہے۔ اس عرصۂ زیر بحث میں ابھی کانسی، لوہا، تانبا اور سونا زیر استعمال نہیں تھا لہٰذا ضروریات بھی سادہ تھیں اور پیشے بھی محدود تھے۔ دینی اور مذہبی ضروریات انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد سے پوری ہوتی تھیں۔ اس عرصہ میں مکان بنانے کا فن، برتن بنانے کا فن، کپڑے بنانے کا فن اور زراعت کے طریقے بھی بڑے سادہ (PRIMITIVE) تھے ان میں کوئی پیچیدگیاں نہیں تھیں۔ رہن سہن میں بھی گلیاں، سڑکیں، مارکیٹیں وجود میں نہیں آئی تھیں۔ اب تک انسانی آبادیوں میں قبیلوں تک بات محدود تھی، قصبوں اور شہروں کا تصور بھی نہیں تھا۔ جرائم کا تصور بھی کم ہوگا اور جھگڑے قبیلہ کا سردار ہی طے کرادیتا تھا۔

ان 3500 سالوں کے طویل عرصہ میں انسان میں وسائل رزق کے اتکاز کی سوچ پیدا ہوگئی تھی اور دوسرے کے وسائل رزق کو غصب کرنا، دوسرے کا حق مارنا، خدائے واحد کی بندگی سے جی چرانا، اپنے لیے باطل معبودوں کا نام نہاد تصور بنالینا جیسی منکرات کا چرچا ہو چکا تھا۔

قرآن مجید کے بیان کے مطابق کوئی پانچ ہزار سال ق م میں عراق میں دو دریاؤں (دجلہ اور فرات) کی سرزمین میں پہلی انسانی آبادی بنی اور اس میں مشرکانہ اوہام اور بت پرستی کے تصورات بھی آگئے تھے۔

تاریخ انسانی میں پہیہ (WHEEL) کی ایجاد بہت بڑا اہم LANDMARK ہے جس نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں دُور رَس تبدیلیاں پیدا کردیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے تقریباً ہزار سال کی زندگی پائی 950 سال دعوت وتبلیغ کا کام

کرتے رہے۔ مگر اخلاقی بُرائیاں، شرک، وسائل رزق کی لوٹ مار، ناجائز قبضہ، دوسروں کے حقوق ادا نہ کرنا وغیرہ جیسی غلط حرکات عام ہوگئی تھیں۔ برائی کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ انسانی آبادی کے کم ہونے کی وجہ سے نیکی کی طرف آنے والوں کی تعداد بھی انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی۔ برائی کی قوتوں نے جب نیکی کی قوت (حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں) پر ہاتھ اُٹھانے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے ایک کشتی بنوا کر انہیں اور ان کے ساتھیوں کو بچالیا اور باقی پوری قوم طوفان کی نذر ہوگئی۔

(یہ طوفان کب آیا تھا؟ اس کے بارے میں مغربی تحقیقات اور آثارِ قدیمہ کی معلومات مختلف ہیں جبکہ قرآن مجید کا بیان مختلف ہے۔ کشتی کب ایجاد ہوئی؟ کشتیوں کا استعمال کمرشل بنیادوں پر کب شروع ہوا؟ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی 60-70 افراد، ان کے سامان خورد ونوش، دو چار ماہ کا راشن، گھریلو پالتو جانور اور ان کا چارہ وغیرہ کے لیے بنائی گئی تھی اور اس طرح کشتی بنانے کا فن اس علاقے میں کب سے تھا؟ تاریخ اس پر خاموش ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا فن کس نے سکھایا؟ کہاں سے سیکھا؟ اکیلے بنائی یا اہل ایمان ساتھ تھے؟ یہ کشتی لکڑی کے تختوں اور لوہے کے کیلوں سے بنی تھی تو لکڑی کے تختے بنانے کا فن کب ایجاد ہوا؟ لوہا کب دریافت ہوا؟ اس کی کیلیں اس بستی میں بنائی جاتی تھیں یا قریب و دُور کہیں سے لائی گئی تھیں۔ یہ اور اس طرح کے سولات کا جواب واضح نہیں ہے۔ یہ کشتی حضرت نوح علیہ السلام کا معجزہ تھا اور پہلی کشتی تھی جس نے روئے ارضی پر وجود پایا یہ بات بھی قرین قیاس ہے۔)

حضرت نوح کی قوم کا علاقہ

کوہ ارارات عراق دریائے دجلہ دریائے فرات

3500 ق م سے 2000 ق م تک

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کے عذاب کے بعد جب آپ علیہ السلام نے اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ (جو غالباً ان کی اولاد میں سے ہی تھے) زمین پر قدم رکھا، آباد ہوئے تو عرصے تک وہ بستی ایک مثالی انسانی بستی تھی۔ جہاں خدا شناسی، وحی شناسی اور انسان دوستی اور انسانی فلاح و بہبود جیسے بھلے کاموں ہی کا چرچا رہا۔ نسلوں بعد حالات بگڑے، لوگوں میں برائیاں در آئیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے یہ افراد بھی ضرورت کے تحت جہاں زندگی کے وسائل میسر آئے وہاں منتقل ہوتے رہے۔ آگے سے آگے سفر کرتے کرتے یہ لوگ بہت دور تک زمینی راستے سے پہنچے ہیں۔ ایک طبقہ عراق سے جنوب کی جانب سفر کرتے کرتے آج کے یمن ملک میں پہنچا۔ اس وقت یہ ملک ایک زرعی علاقہ تھا اور پانی میسر تھا لہٰذا اس طبقے نے یہاں آباد ہو کر خوب وسائل رزق پیدا کیے اور ترقی کی۔ پہلے پہل آسمانی ہدایت کے مطابق اپنے جدامجد حضرت نوح علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل پیرا رہے پھر جب بے عملی پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے قوم کی رہنمائی کے لیے نبی بھیجے مگر قوم کی اکثریت نے دنیا پرستی اور دنیاوی لذتوں اور فوری فائدوں کے پیچھے پڑ کر آسمانی ہدایت کو ٹھکرا دیا نبی کی دعوت کا انکار کیا۔ اللہ نے بالآخر اس قوم کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے قوم کو سمجھایا۔ مگر قوم اپنی دنیاوی ترقی، عیاشی، وسائل رزق کی فراوانی اور قبضہ کے علاوہ لوٹ کھسوٹ، اخلاقی جرائم اور بے راہ روی اختیار کر کے راہِ حق سے بہت دور چلی گئی تھی۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق یہ قوم اس زمانے میں روئے ارضی کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھی۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ○ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ○ الَّتِیْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا

فِی الۡبِلَادِO(6-8:89)

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ (جو) ارم (کہلاتے تھے اتنے) دراز قد کہ تمام ملک میں ایسے پیدا نہیں ہوئے تھے“۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا زمانہ 3500 ق م اور 3000 ق م کے قریب ہے۔ یہ قوم اپنے زمانے میں روئے ارضی پر بسنے والی تمام قوموں سے زیادہ ترقی یافتہ تھی۔ دنیاوی ترقی کے باوجود پیغمبر وقت کو نہ پہچان سکی اور خدا شناسی سے بھی محروم رہی۔ رہن سہن، زراعت، وسائل رزق وغیرہ میں خوب فراوانی، لائف سٹائل اور ENTERTAINMENT کے طریقوں میں بہت آگے نکل گئی تھی۔ دنیاوی لذتوں، اچھی دنیاوی زندگی اور اچھی رہائشوں کے پیچھے پڑ کر آخرت کو بھلا دیا تھا۔ آسمانی ہدایت سے محروم رہے اور عذاب کا شکار ہوگئے۔

ان کے زمانے میں ابھی مادی ترقی ابتدائی درجوں میں ہی تھی۔ مغرب کے بیان کے مطابق ابھی لوہا دریافت نہیں ہوا تھا مگر یہ قوم اونچے ستونوں والی بلڈنگیں بناتے تھے۔ کیسے بناتے تھے؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ وسائل رزق کی لوٹ مار، دنیاوی معیار زندگی کی بہتری اور اس میں ایک دوسرے سے آگے نکلنا ہی ان کی زندگی کا مطمع نظر بن گیا تھا۔

بالآخر اس قوم پر بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا، قوم تباہ ہوگئی۔ پیغمبر علیہ السلام اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی مدد سے بچالیا۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا علاقہ

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے کچھ مشرق کی طرف سفر کرتے کرتے ایران، افغانستان اور پھر ہند پہنچے چنانچہ ہندو مذہب میں حضرت نوح کا تذکرہ کثرت سے ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہی ایک طبقہ افریقہ گیا ہے مصر میں آباد ہوا وہاں سے جنوب کی طرح سفر کرتے کرتے پورے براعظم میں پھیل گیا مصر سے مغرب کی طرف ساحلی پٹی پر سفر کرتے کرتے ان کے کچھ قبائل مراکش تک جا کر آباد ہوئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہی ایک طبقہ یورپ کے راستے بڑھتے بڑھتے برطانیہ، سکینڈے نیویا، گرین لینڈ اور پھر کینیڈا، امریکہ اور میکسیکو میں آباد ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم پر عذاب سے جو اہل ایمان بچا لیے گئے انھوں نے (جنوب میں سمندر کی وجہ سے) شمال کی طرف سفر کر کے (موجودہ سعودی عرب) کے شمالی علاقہ جات میں آباد کاری کی ہے اور زرعی رقبے اور پہاڑی علاقوں میں ایک نئی تہذیب کو جنم دیا۔ یہ تہذیب PETRA کی تہذیب کہلاتی ہے۔ پہلے پہل یہ صراط مستقیم پر رہے مگر نسلوں بعد غلط راہوں پر چل نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی نبی بھیجے مگر اکثریت نے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ ان کے ساتھ غیر اخلاقی اور غیر انسانی رویے اختیار کیے۔ اللہ تعالیٰ نے بالآخر اس قوم کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ ان کی دعوت اور محنت سے بھی اس سنگدل قوم کے دل نرم نہ ہوئے۔ بالآخر قوم کے مطالبے پر اونٹنی کا معجزہ ظاہر ہوا۔ اس معجزہ کو دیکھ کر بھی اس گمراہ قوم کے دل نرم نہ ہوئے۔ نتیجتاً اس قوم پر اللہ کا عذاب آ گیا اور سب کچھ تباہ ہو گیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا علاقہ

حضرت صالح علیہ السلام اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔ باقی ساری قوم ایسے ہوگئی جیسے کوئی یہاں آباد ہی نہیں تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے مخلص ساتھی شمال کی طرف اوپر جا کر فلسطین کے قرب وجوار میں آباد ہو گئے۔

اس قوم کا زمانہ قریباً 3000 ق م سے 2400 ق م کا ہے۔ مدینہ سے کوئی 200 کلومیٹر شمال کی طرف سے کویت سے موجودہ اردن کے علاقے تک اس قوم کے کھنڈرات ہیں۔ یہ قوم زرعی رقبے بھی رکھتی تھی اور نرم پتھر کے پہاڑ بھی تھے جس میں پہاڑوں کو کھود کر اندر مکان بنالیتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام کا کنواں بھی موجود ہے۔ اس قوم کے مکانات آج بھی انٹرنیٹ پر PETRA کے نام سے موجود ہیں اور ٹورسٹ پوائنٹ بنے ہوئے ہیں یہ مکانات اپنے زمانے میں بہت شاندار ہوں گے۔ اس قوم کے عروج کے زمانے میں سونا اپنی ناخالص شکل (CRUDE FORM) میں دریافت ہو چکا تھا مگر دھاتوں کی دریافت نہیں ہوئی تھی۔ پہیہ (WHEEL) ایجاد ہو چکا تھا اور اس کا استعمال ہم عصر تک شروع ہو گیا تھا۔ قرین قیاس یہی بات ہے کہ ابتدائے تاریخ میں مختلف اہم ایجادات پیغمبروں (علیہم السلام) کے ہاتھوں ہی ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم

2000 ق م سے 610 عیسوی تک

2000 ق م کا زمانہ تاریخ انسانی کے اعتبار سے آج کے ترقی یافتہ دور کی شروعات (BEGINNING) کا زمانہ ہے اور اس دور کو بجا طور پر DAWN OF HISTIORY کہا جاتا ہے۔ انسان نے لکھنا پڑھنا ایجاد کرلیا تھا، کچھ شکلیں بنا کر اپنا ما فی الضمیر بیان کر لیتے تھے، یادگاریں بناتے تھے، ان پر کتبے لگاتے تھے، اپنے کارنامے لکھتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ اس دور میں کانسی دریافت ہوچکی تھی، پہیہ ایجاد ہو چکا تھا۔ لہٰذا حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کی اقوام کے بالمقابل دنیاوی اعتبار سے یہ دور بہت آگے نکل آیا تھا۔ کانسی کے برتن، بت، نقاشی کے نمونے وغیرہ رواج پاتے جارہے تھے۔ اس دور کے عنوان کے مطابق اہم نکات (SALIENT FEATURES) یہ ہیں:

☆ 2000 ق م کا زمانہ ترقی کے نقطۂ نظر سے اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ لکھنا پڑھنا ایجاد ہونے کی طرف انسان نے قدم رکھ دیا تھا۔ قرآن مجید میں اگرچہ حضرت نوح علیہ السلام کو 'زُبُـــــر الْاَوَّلِیْـــن' (قدیم اوراق) دیے جانے کا ذکر ہے مگر دینی معلومات اور جدید آثارِ قدیمہ اور اَلسنۂ قدیمہ کے ماہرین کے بیانات میں تضاد ہے۔ یہ تضاد اجتہادی خطا یعنی HUMAN ERROR بھی ہوسکتا ہے اور مغرب اور مغرب پر سوار مافیا کی نفسیات سے کچھ بعید نہیں کہ قرآن مجید کے بیان کو گنجلک (CONFUSING) بنانے کے لیے جان بوجھ کر حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جائے تا کہ لوگ قرآن مجید کی ہدایت تک نہ پہنچ سکیں بلکہ قرآن مجید کے بارے میں شکوک وشبہات میں پڑ جائیں۔ واللہ اعلم۔ یہود کے اس رویے کی کئی مواقع کی مثالیں دی جاسکتی ہیں مگر یہ ان کا موقع نہیں ہے۔

☆ قرآن مجید میں صحف ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ یہی 2000 ق م کے لگ بھگ ہے۔ ملکِ عراق میں نمرود بادشاہوں نے طویل عرصہ حکومت کی ہے۔ انہیں کے ایک نمرود بادشاہ (جو اہل علم کے ایک گروہ کے مطابق افریقہ کے لوگ (BLACKS) تھے، خدائی کے دعویدار تھے اور ان کے ہاں عوامی سطح پر بت پرستی کا نظام تھا) کے زمانے میں آزر کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں (ممکن ہے پہلے آزر اچھا اور باضمیر انسان ہو اور ڈھلتی عمر میں انسانی مفاد پرستی کے داعیہ کے تحت حکمرانوں کا نقطۂ نظر شرک اختیار کرلیا ہو) وہ موحّد تھے اور معاشرے سے کٹے ہوئے رہتے تھے، کم لوگ ان کے قریب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کئی امتحانوں میں ڈالا مگر وہ اپنے نظریات کی حفاظت کرکے ہر موقع پر کامیاب وکامران ہوئے تھے۔

☆ ان کو بڑی عمر میں اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے دیے تھے: حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو انہوں نے حجاز (عرب) میں آباد کیا مگر اس وقت یہ کوئی آباد شہر نہیں تھا، بیت اللہ کے آثار تھے، بنیادیں تھیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

رَبَّنَـا اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِـنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ (37:14)

”اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لاکر بسائی ہے“۔

بعد میں چاہِ زم زم جاری ہوا تو آبادی ہوگئی پھر آبادی بڑھی تو مکہ مکرمہ شہر کی صورت اختیار کرگیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب قبائل کے جدامجد ہیں۔ انہیں کی نسل پھیلی اور پورے عرب پر چھا گئی اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کو جلد ہی اقتدار بھی عطا فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دوسرے بیٹے اسحاق علیہ السلام کو فلسطین کے قریب آباد کیا جہاں ان کی نسل پھلی، پھیلی اور پھولی۔ حتیٰ کہ ان کے پوتے حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ بن گئے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام جو 'اسرائیل' کہلاتے تھے، ان کے بارہ بیٹے تھے جو بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں فلسطین سے مصر منتقل ہوئے۔ تقریباً دو صدیاں کم وبیش انہیں اقتدار نصیب رہا اور انہوں نے صاجزادوں

اور شہزادوں کی سی زندگی گزاری ہے۔

ہر کمالے را زوال ـــــ جب بنی اسرائیل کو زوال آیا تو دوبارہ اہل افریقہ قبطی (BLACKS) حکمران بن گئے، فرعون ان کا لقب تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے اقتدار سے پہلے بھی یہی فراعنہ مصر کے حکمران تھے اور چند صدیوں کے وقفے کے بعد وہ دوبارہ حکمران بن گئے۔ فراعنہ کے اس عہد میں بنی اسرائیل کو غلام بنالیا گیا اور انہوں نے اگلی چند صدیاں غلامی میں گزاری ہیں تا آنکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام 1300 ق م کے قریب مبعوث ہوئے اور انہوں نے بنی اسرائیل کو فراعنہ مصر کی ظالمانہ اور جبری غلامی سے نجات دلائی۔

☆ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر پیغمبروں میں حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہے (جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور ان کے بھتیجے تھے)۔ فلسطین کے مشرق میں ایک چھوٹے بحیرہ کے قریب آباد قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ اس قوم میں جنسی بے راہ روی تھی، آج کی مغربی متمدن دنیا کی طرح GAY CULTURE تھا، مرد مردوں سے بُرا کام کرنے میں حد سے زیادہ بڑھے تھے۔ اس جنسی بے راہ روی کے ساتھ وہ تمام برائیاں بھی تھیں جو آج کے مغربی معاشرے میں ہیں، آسودہ حالی تھی، وسائل رزق کی فراوانی تھی اور لوٹ کھسوٹ سے عوام کے حقوق غصب کر کے اشرافیہ کھا رہی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت کا انکار کر دینے پر اس قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی، عذاب سے قوم تباہ ہوگئی، وہ سمندر بھی کڑوا ہوگیا اور صدیوں

بحیرۂ مردار (DEAD SEA) کہلاتا رہا کہ اب ایک عشرہ سے اسرائیل نے اسے دوبارہ آباد کر کے وہی کلچر وہاں دوبارہ فروغ دے دیا ہے (ان شاءاللہ جہاں جہاں یہ کلچر دنیا میں فروغ پذیر ہے وہاں نتیجہ بھی پہلے کی طرح تباہی والا ہی نکلے گا)۔

دوسرے ہم عصر پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ ہے وہ فلسطین اور مصر کے درمیانی علاقے مدین میں مبعوث ہوئے تھے۔ وہاں سے دو تجارتی شاہراہیں گزرتی تھیں۔ یہاں جو قوم آباد تھی وہ بھی تجارت پیشہ تھی اور اس میں ناپ تول میں کمی، مہنگا سودا بیچنا، ملاوٹ، دھوکہ، سود، رشوت، ڈاکے، مال چھین لینا، راہزنی وغیرہ (جو جرائم ایک تجارت کے مرکز میں متوقع ہو سکتے ہیں اور آج کے بڑے شہروں میں عام ہیں) عام تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر قوم نہیں مانی۔ بالآخر اس قوم پر بھی اللہ کا عذاب آ گیا اور وہ معاشرہ دنیا کے نقشے سے غائب کر دیا گیا۔ اہل ایمان اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔

☆ فرعونوں کی غلامی میں بنی اسرائیل نے بڑا کڑا وقت گزارا۔ وہ ان سے بیگار لیتے تھے اور سہولت نام کی کوئی چیز انہیں حاصل نہیں تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں پیدا فرمایا اور انھوں نے مختلف مراحل سے گزر کر وقت کے حکمران فرعون کو للکارا اور اپنی قوم کو آزادی دلائی۔ جب تک بنی اسرائیل غلام تھے تو خارجی دباؤ کی وجہ سے کچھ مذہبی عزت باقی تھی اور شناخت بھی۔ مگر جیسے ہی آزادی ملی، اُلٹا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بُت پرستی کی اجازت مانگنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت لاڈ پیار سے قوم کو رکھا، دریا سے بخیر و عافیت پار کرایا اور فرعون کو اسی

دریا میں لشکر سمیت غرق کیا۔ صحرائے سینا سے گزار کر متمدن دنیا میں پہنچایا۔

☆ تاریخ انسانی میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو انسانی رہنمائی کے لیے بھیجا۔ چھ جلیل القدر پیغمبروں کے حالات و واقعات قرآن مجید میں بار بار تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ ان چھ پیغمبروں کے حالات گویا آج کی اصطلاح میں چھ MODULES ہیں جن سے آسمانی ہدایت کے فروغ کا کام کرنے والوں کو رہتی دنیا تک معاشرے میں سابقہ پیش آ سکتا ہے۔

یہ چھ MODULES وسائل رزق پر اشرافیہ (قلیل تعداد میں معاشرے کے امیر لوگ جو وسائل پر قابض ہوتے ہیں کے جبر و استبداد معاشرے کی مزدور پیشہ اور ورکنگ کلاس اکثریت کو صرف اتنے وسائل دینا کہ وہ زندہ رہ سکیں اور اشرافیہ کی خدمت کر سکیں ان کی کارگاہوں، کارخانوں، فارم ہاؤسز پر کام کر سکیں) کا نمونہ ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی مخاطب قوموں کی خصوصیات

یعنی خالق کائنات کے تخلیقی مقاصد سے متصادم نظریات کی حامل قومیں

☆ حضرت نوح علیہ السلام ایک ایسی قوم کی طرف آئے جو آسودہ حال تھی، ایک طرح کی شہری ریاست کی شکل میں اجتماعیت کا حصہ تھی، وسائل رزق تھے، معیشت کا وافر سامان تھا اگر چہ یہ

تہذیب ابھی ابتدائی مراحل میں تھی، ہدایت سے محروم اور شرک میں ملوث تھی، صحیح بات، تنقید اور اصلاحی بات سننے کو تیار نہیں تھی، وسائل رزق کا ایک طرف ارتکاز اور دوسری طرف غریب غرباء۔ غریب اور امیر کی ایسی خلیج کہ وسائل رزق کی کمی کا شکار جو اہل ایمان حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ تھے، ان کے پاس بیٹھنے اور بات کرنے کو اپنی شان کے خلاف اور ہتک عزت سمجھتے تھے۔ آسمانی ہدایت کے مسلسل انکار پر اس قوم پر عذاب آ گیا اور پورا نظامِ زندگی تباہ کر دیا گیا۔

☆ حضرت ہود علیہ السلام ایک ایسی قوم (قوم عاد) کی طرف مبعوث ہوئے جو اپنے وقت میں دنیا میں ترقی یافتہ تھی۔ آسودگی، وسائل رزق کی فراوانی اور اس کے خاص طبقے (RULING CLASS) میں ارتکاز وسائل کا رواج تھا۔ حق کی بات سننے کو تیار نہیں تھے۔ آسودہ قوموں کے مشاغل، کھیل کود، عیاشی، سیر و تفریح، مکانوں، سیر گاہوں اور تفریحی مہمات میں یکتا تھی۔ بڑی بڑی رہائش گاہیں خاص ڈیزائن کے ستونوں کے ساتھ بناتے تھے پھر اس میں باغات بناتے تھے جو جنت کا سا منظر پیش کرتے تھے۔ خالق کائنات کو بھلا کر بت پرستی میں مبتلا تھے۔ پیغمبر وقت کا مسلسل انکار کرنے پر اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تباہی آ گئی اور اہل حق کو بچا لیا گیا اور ساری قوم نیست و نابود کر دی گئی۔ کل قیامت کے دن بھی یہ قوم ناکام ہوگی۔

☆ حضرت صالح علیہ السلام ایک ایسی قوم کی طرف آئے جو قومِ ثمود کہلاتی تھی ایک طرف یہ قوم زراعت پیشہ تھی اور وسیع رقبے رکھتے تھے پانی کی فراہمی اور تقسیم کا نظام تھا لیکن ان کے ہاں بھی زراعت پیشہ اور غیر زراعت کے فرق کی وجہ سے وسائل رزق کا زمینداروں میں ارتکاز تھا اور دوسرے پیشوں سے وابستہ افراد میں وسائل رزق کی قلّت تھی۔ پھر یہ قوم نرم پتھر کے پہاڑوں میں شاندار محلات نما مکان بنا لیتے تھے۔ اس قسم کے پہاڑ اس علاقے میں آج بھی عام ہیں۔ صدیوں بعد بھی یہ مکانات کاریگری کا نمونہ ہیں۔ جب آباد ہوں گے نوکر چاکر خدمت گار، لان، روشین، بیٹھنے کی جگہیں، باغیچے ہوں گے۔ مکان کی تزئین اور آرائش اچھے لباسوں میں ملبوس آسودہ حال گھرانے کے لوگ بیٹھتے ہوں گے۔ دعوتیں اور اجتماعی تقریبات میں ایک خاص شان ہوتی ہوگی۔ مگر رہائشی علاقوں میں بھی خدمت گزاروں کا وسائل رزق کے لحاظ سے بُرا حال تھا۔ آسمانی ہدایت کی بات سننے کو تیار نہیں تھے۔ 9 قسم کے طبقات تھے جو مختلف TRENDS رکھتے تھے اور اپنے

اپنے انداز بود و باش میں مگن تھے۔ مگر سب کے سب، پیغمبر وقت حضرت صالح علیہ السلام کی بات کو سننے کو تیار نہیں تھے۔ اونٹنی کا معجزہ بھی ظاہر ہوا مگر قوم کی اشرافیہ اور وسائل رزق پر قابض طبقات کی آنکھیں نہ کھلیں۔ بالآخر قوم پر عذاب آ گیا اور اس قوم کے تمام افراد تباہ کر دیے گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام اور اہل ایمان کو بچا لیا گیا۔ باقی پورا علاقہ تباہی کا نشان بن کر رہ گیا۔

☆ حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے وہ فلسطین کے پاس باہر سے آ کر آباد ہوئے تھے۔ سمندر (بحیرہ) سے ان کا رزق وابستہ تھا۔ علاقے میں دیگر وسائل رزق بھی میسر تھے مگر آسودہ حالی میں دیگر معاشرتی برائیوں کے ساتھ جو عریانی، فحاشی، بے لباسی، ناچ گانا، آزادانہ میل جول کے ساتھ SAME-SEX کلچر میں اس کی پہچان بن گئے۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق وہ یہ بُرا کام عرصے سے کر رہے تھے وہ اسے اپنی مجلسوں میں کرتے۔ حضرت لوط علیہ السلام ان کو منع فرماتے رہے مگر بے سود۔ بالآخر اس قوم پر فضا سے پتھروں کی بارش کا عذاب آ گیا اور نسل انسانی کا یہ جنسی بے راہ روی کا شکار حصہ تباہ کر دیا گیا تا کہ باقی نسل انسانی اس بیماری (CANCER) سے محفوظ رہے۔

نوٹ: آج کا سب سے ترقی یافتہ ملک امریکہ ہے۔ اس کے ہم پلہ ممالک نیٹو ممالک ہیں پھر G15 یا G7 ہیں۔ ان سب ممالک کا ایک ہی طرزِ فکر اور کلچر ہے۔ 1998ء میں امریکی سپریم کورٹ کے ایک جج رابرٹ ایچ بارک نے ایک کتاب لکھی جس میں اس امریکی کلچر جو گزشتہ دو تین دہائیوں سے پختہ (MATURE) ہو کر امریکہ کی پہچان بن چکا تھا، اس کا ذکر کیا اور یہ کلچر وہی قوم لوط کا عمل تھا۔ اس قوم لوط کی جو بستیاں اور مراکز تباہ ہوئے وہ سدوم اور عامورہ کے نام سے موسوم تھیں اور انہیں ناموں سے اس قوم کی بے راہ روی کو موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کا عنوان ہے:

SLOUCHING TOWARDS GAMMORAH

(امریکی معاشرہ قوم لوط کی بستی گمورا (عامورا) جیسے انجام کی طرف تیزی سے لڑھک رہا ہے)

یہ کتاب اپنے وقت کی BEST SELLER بنی اور لاکھوں کی تعداد میں بکی۔ اس قوم کی یہ حالت 1998ء سے کہیں پہلے وہی تھی جو اس کتاب میں درج ہے، آج اس کتاب کو سامنے آئے بھی دو دہائیاں گزر چکی ہیں۔ امریکی قوم (اور اس کے نقش قدم پر چلنے والی دیگر اقوام)

عذابِ الٰہی کے کتنا قریب کھڑی ہیں، حالات کے تصور سے ہی انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اعاذنا الله من ذالك

(اس کتاب پر تبصرے باب اوّل میں شائع کیے گئے ہیں تاکہ قارئین ان کا مطالعہ کر کے اُس معاشرے سے اپنے آپ کو اور دوسروں کو بچا سکیں)۔

☆ حضرت شعیب علیہ السلام ایک ایسی قوم کی طرف آئے جو تاجر پیشہ تھی۔ بالا دست طبقہ بہت آسودہ حال تھا جبکہ عوام اور مزدور پیشہ طبقات معیشت میں کمزور تھے اور دبائے ہوئے تھے، ساری سہولتیں مراعات اشرافیہ کے لیے تھیں، عوام کو محنت مزدوری کے عوض دو وقت کی روٹی ملتی تھی۔

اس قوم کی خرابیوں میں کم تولنا، پیمائش میں کمی بیشی کرنا، ملاوٹ، دھوکہ، دو نمبر چیزیں فروخت کرنا اور مہنگا سودا بیچنا عام تھا جبکہ چوری، ڈاکہ، لوٹ کھسوٹ، ناانصافی، ظلم، جھوٹ، فراڈ، معاہدات کی خلاف ورزی اور حکومتی سطح پر کوئی پوچھ گچھ اور انتظام نہ ہونا اور دیگر اخلاقی خرابیاں جیسے عریانی، فحاشی وغیرہ عام بھی تھیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر اشرافیہ اور آسودہ حال طبقہ کسی طرح بھی بات سننے کو تیار نہ ہوا اور اپنے طے کردہ پروگراموں اور راستوں پر چلتا رہا۔ ترقی، تہذیب اور جدیدیت کے نام پر قوم کو جہالت میں ڈال دیا گیا۔ تاآنکہ اس قوم پر بھی اللہ کا عذاب آ گیا اور پیغمبر علیہ السلام اور اہل ایمان کو بچا کر باقی ساری قوم نیست و نابود کر دی گئی۔ وہ قوم، اس کی رہائشیں اور اس کے تجارتی مراکز ایسے کر دیے گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار عبرت حاصل کرو! اے آنکھوں والو!

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام فراعنہ مصر کی طرف مبعوث ہوئے، ان علیہ السلام کی بعثت کے دو رُخ تھے: ایک فرعون کی طرف تھا کہ اس کو دعوتِ حق دو اور بنی اسرائیل کو اس کی جبر و استبداد کی غلامی سے آزاد کراؤ جبکہ دوسرا رُخ بنی اسرائیل کی طرف تھا کہ ان کو آزاد کرا کے اللہ کی معرفت، آخرت، احکام الٰہی اور اچھی زندگی کی طرف بلاؤ۔

فراعنہ مصر کی مثال بہت بڑے مطلق العنان، خود پرست، مغرور بادشاہوں کی سی تھی جو قوم کے وسائل رزق پر قابض تھے۔ عوام اور محنت کش طبقات کو ضروریاتِ زندگی سے بھی محروم کر رکھا تھا جبکہ خود ارتکازِ وسائل میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ ان کے دور کی جو آرٹ،

مصوّری اور تحریریں ملی ہیں ان سے ان کے کلچر پر جو روشنی پڑتی ہے کہ وہ لادینی، بے راہ روی، عریانی، فحاشی، بدکاری، ظلم، جبر و استبداد، محکوموں کا قتل، لوٹ کھسوٹ اور وسائل رزق کا چند ہاتھوں میں محدود کرنے کا کلچر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قریباً بیس سال مصر میں فرعون کے مقابل رہے۔ اس دوران وہ کئی دفعہ ایمان لانے کے وعدے کر کے پھر مکر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قومِ فرعون کو دکھانے کے لیے نو بڑے معجزات بھی عطا فرمائے مگر فراعنہ مصر اور ان کی اشرافیہ کی اکثریت اس سے بھی ٹس سے مس نہ ہوئی۔

یاد رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کے علاوہ وہ جادوگر ایمان لے آئے تھے جنہیں قتل کر دیا گیا، یا فرعون کے دربار کا ایک وزیر (جس کا ذکر سورۂ مومن میں ہے) ایمان لے آیا تھا، مزید برآں غرق ہونے والے فرعون کی والدہ جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گود لے کر بچپن میں پالا تھا (حضرت آسیہ علیہا السلام) وہ بھی ایمان لے آئی تھی۔ باقی ساری قومِ فرعون باطل پر قائم رہی، دنیاوی عیش و آرام کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور بالآخر تباہ و برباد ہو گئی زوال کا شکار ہو کر قصہ ماضی بن گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کی اہمیّت اور دو اہم باتیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دورِ مبارک ایسا اہم ہے کہ اُسے سابقہ تاریخ انسانی اور بعد کی تاریخ انسانی کے لحاظ سے ایک بڑا TURNING POINT کہا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ پہلے تاریخ انسانی نے حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں رُخ تبدیل کیا اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں ایک موڑ اور رُخ کی تبدیلی کا موقع آ گیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ O (26:57)

''اور ہم نے نوح (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور انہی کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب کو (مختص) کر دیا تو بعض تو ان میں سے ہدایت پر ہیں

اوران میں سے اکثر (ہماری) اطاعت سے روگردانی کر رہے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات بابرکت کے بعد پیغمبروں کی آمد کے بارے میں پہلی تبدیلی یہ اعلان تھا کہ اب جتنے پیغمبر تشریف لائیں گے وہ سب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہوں گے، یہ ایک بہت انقلاب آفریں اعلان تھا۔ ایک ہی خاندان میں نبوت و رسالت کی آمد سے ایک ہی نسل میں تربیت و تعلیم سے ایسا جذبہ بیدار کرنا مقصود تھا کہ ایک اُمت اور جماعت تیار ہو جو مجموعی طور پر دین کا کام کرے۔ یہ ضرورت مستقبل میں ختم نبوت کے بعد سامنے آنے والی تھی۔ اس اعلان کے ساتھ ایک اور بنیادی تبدیلی دنیا میں یہ آئی کہ پہلے پیغمبر تشریف لائے دعوت کا کام کیا قوم نے مجموعی طور پر انکار کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آ گیا اہل ایمان کو بچالیا گیا اور کافر نیست و نابود کر دیے گئے۔ اہل ایمان کی تعداد تھوڑی ہوتی تھی اہل باطل کثرت میں ہوتے تھے مقابلہ کا امکان نہیں تھا لہٰذا معجزات کے ذریعے عذابِ الٰہی آ گیا اور نافرمان قومیں تباہ کر دی گئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ایک ہی خاندان میں انبیاء کرام علیہم السلام بھیجنے کے بعد دوسری تبدیلی یہ آئی اب پیغمبروں کی نافرمانی پر قوموں پر آسمانی عذاب کم آئے گا۔ اب اہل ایمان میدان میں نکلیں گے کافروں کا مقابلہ کریں گے جہاد ہوگا جنگ ہوگی اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدد کرے گا وہ غالب ہوں گے لیکن اہل ایمان کو بہرحال دین حق کی حمایت میں جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے نکلنا ہوگا تب اللہ تعالیٰ کی نصرت آئے گی اور فتح مبین بھی ہوگی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل اور جہاد

پیغمبروں کے آنے سے پہلے معاشروں میں جو فساد برپا ہوتا تھا وہ وسائل رزق کی لوٹ مار اور غیر منصفانہ قبضے ہی کے منطقی نتائج ہوتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے، بنی اسرائیل کو آزادی دلائی، قوم نے بچشم سر بہت سے معجزات دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے قوم کو جہاد کے لیے تیار کیا مگر قوم نے جہاد کی پکار پر لبیک کہنے کی بجائے اپنے وقت کے پیغمبر کو کورا جواب دے دیا کہ آپ جاؤ اور اپنے ربّ کو ساتھ لے جاؤ اور جہاد کرو، فتح ہو جائے تو ہمیں بلا لینا (24:05)۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس قوم سے سخت ناراض ہوا اور انہیں

40 سال کی صحرانوردی کی سزا دی۔ اس کے بعد دوبارہ مواقع آئے اور قوم نے جہاد کیا اور کئی نسلوں بعد اس جہاد کے مثبت نتائج نکلے اور بنی اسرائیل کا حقیقی اقتدار قائم ہوا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی شاندار حکومتیں قائم ہوئیں جو آسمانی ہدایت کے مطابق تھیں اور عدل و انصاف، منکرات کے خاتمہ کے ساتھ وسائل رزق کی منصفانہ اور عادلانہ تقسیم پر مبنی تھیں۔ تاریخ بنی اسرائیل میں 1000 ق م سے 900 ق م کی صدی مثالی آسمانی بادشاہت کا دور ہے جیسے مسلمانوں میں خلافت راشدہ کا دور مبارک ہے۔

بنی اسرائیل کے اس دورِ عروج میں ان کا ایک بڑا حصہ دنیاداری میں لگ گیا اور آخرت کو بھلا کر، تورات کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر آسمانی بادشاہت کے راستے سے ہٹ گیا۔ ہدایت کی بجائے گمراہی کا راستہ اختیار کیا۔ وسائل رزق کی تقسیم میں عدل و انصاف کی بجائے لوٹ مار اور دھونس دھاندلی کی راہ اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے کہ ان کو راہِ راست پر لائیں اور جس عظیم مقصد کے لیے بنی اسرائیل کو چنا تھا اس کا حق ادا کریں لیکن ان کے اس بگڑے ہوئے گروہ نے قتل انبیاء جیسا گھناؤنا جرم شروع کر دیا اور ایک دو نہیں، درجنوں پیغمبر قتل کر دیے۔ سورۃ البقرہ میں ہے کہ پیغمبر جب ان کی خواہشات اور مرضی کے خلاف ان کے کرتوتوں اور وسائل رزق کی لوٹ مار، سود، رشوت وغیرہ پر ٹوکتے تھے تو وہ ان انبیاء کرام علیہم السلام کو ہی قتل کر دیتے تھے کہ ہمیں ایسی ہدایت نہیں چاہیے۔ بنی اسرائیل نے چھ سو قبل مسیح سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد تک یہ جرم جاری رکھا اور آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر بھی ان کے قتل کے منصوبے بنائے اور انہیں ناکام بنانے کے عمل کو آگے بڑھا کر مشرکین اور اسلام دشمن قوتوں کا ساتھ دیتے رہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر تھے اس لیے وہ آپ کے خلاف کسی مہم جوئی میں کامیاب نہیں ہو سکے اور حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، اللہ نے انہیں بچالیا ورنہ بنی اسرائیل کے بگڑے ہوئے گروہ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی سازشوں سے بچانے کے لیے آسمان پر زندہ اُٹھالیا اب قربِ قیامت میں وہ دوبارہ تشریف لائیں گے اور ان کی سازشوں کو بے نقاب کریں گے۔

بنی اسرائیل کا قتل انبیاء کا جرم آسمانی ہدایت سے انکار کا شاخسانہ تھا اور بہت بڑا جرم

تھا۔ انہیں شریعت موسوی یعنی تورات کو جہاد کے ذریعے قائم کرنا تھا، انبیاء کرام علیہم السلام کا ساتھ دینا تھا مگر وہ جہاد سے انکار اور قتل انبیاء کے جرم کی وجہ سے خود دین مخالف اور خدا بیزار قوتوں کے حمایتی اور پشت پناہ بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم پر سزائیں بھی دیں مگر وہ پھر بھی باز نہیں آئے۔

بنی اسرائیل کا عروج وزوال

تورات کے مطابق اور شریعت موسوی میں بھی وسائل رزق کے ارتکاز اور مالی بے عنوانی کی تمام شکلیں ممنوع تھیں اور اس شریعت پر مبنی معاشرہ قائم کرنا انبیائے بنی اسرائیل کی ذمہ داری تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں اہم رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے انہیں انجیل عطا ہوئی مگر عیسائیوں نے آسمانی ہدایت کے مطابق معاشرہ قائم نہ کیا۔

بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک 13 صدیوں میں دو عروج اور دو زوال سے دوچار ہوئے۔ پہلا دورِ عروج حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا دورِ مسعود ہے۔ آسمانی ہدایت کے عین مطابق وسیع وعریض سلطنت میں سماجی مساوات، معاشی عدل اور خدا کی حاکمیّت کی عمل داری تھی اور معاشرہ وسائل رزق کی لوٹ کھسوٹ سے پاک تھا ہر طرح کی کرپشن کا سدّ باب ہو گیا تھا۔ یہ صورت حال ایک صدی 1000 ق م سے 900 ق م تک تو اپنی مکمل ترین اور خالص ترین شکل (IDEAL) کے طور پر روئے ارضی پر موجود تھی حتیٰ کہ چرند پرند، درندے اور جن بھی اس عدل اجتماعی سے مستفیض ہو رہے تھے۔ ایک صدی بعد تک بھی اس دورِ عروج کے اثرات اس سلطنت میں باقی رہے پھر زوال آ گیا اور ہر طرح کی کرپشن کا رواج پڑ گیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ ابھی جاری تھا، وسائل رزق میں بدعنوانی اور اخلاقی وسماجی برائیاں بڑھ گئیں تھی حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے مقتدر طبقہ نے آسمانی ہدایت کا انکار اور پیغمبروں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک عراق کے بادشاہ بخت نصر نے 567 ق م میں حملہ کر کے اس نام نہاد حکومت کو تہس نہس کر دیا اور بنی اسرائیل قوم کو غلام بنا کر عراق لے گیا اور اپنے مقبوضات میں پھیلا دیا۔

150 سال یہ قوم عراق میں غلام بن کر رہی۔ حضرت عزیر علیہ السلام تشریف لائے اور ان کی زوردار دعوت سے قوم میں پھر جذبہ بیدار ہوا۔ ادھر ایران کے ایک نیک حاکم سائرس نے

عراق پر حملہ کر کے بنی اسرائیل کو غلامی آزاد کرایا اور فلسطین میں آباد ہونے میں مدد کی۔قوم میں دوبارہ دینی جذبات بیدار ہوئے، جذبہ جہاد پیدا ہوا اور کئی اُتار چڑھاؤ کے بعد فلسطین کے آس پاس دوبارہ ایک سلطنت 'مکابی سلطنت' کے نام سے قائم ہوئی۔ یہ سلطنت کوئی 150 سال کے قریب قائم رہ کر 187 ق م میں شکست وریخت کا شکار ہوگئی۔ بنی اسرائیل کے مقتدر طبقات جو دوسرے عروج کے دوران حکومت سے باہر دوسری حکومتوں کے تابع رہے شریعت کے سامنے SURRENDER نہ کر سکے۔قتل انبیاء کا جرم اس قوم کے ہاتھوں اُسی طرح چلتا رہا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَتَرٰی كَثِیرًا مِّنْهُمْ یُسَارِعُونَ فِی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ O لَوْلَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ O (62-63:05)

''اورتم دیکھو گے کہ ان میں اکثر گناہ اور زیادتی اور حرام کھانے میں جلدی کر رہے ہیں بے شک یہ جو کچھ کرتے ہیں برا کرتے ہیں۔ بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے؟ بلاشبہ وہ بھی برا کرتے ہیں''۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ یُنْفِقُ كَیْفَ یَشَآءُ وَلَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّكُفْرًا وَاَلْقَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَO (64:05)

''اور یہود کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ (گردن سے) بندھا ہوا ہے (یعنی اللہ بخیل ہے) انہیں کے ہاتھ باندھے جائیں اور ایسا کہنے کے سبب ان پر لعنت ہو، بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ جس طرح (اور جتنا) چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور (اے محمد ﷺ) یہ (کتاب) جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی اس سے ان میں سے اکثر کی شرارت اور انکار اور بڑھے گا۔اور ہم نے ان کے باہم عداوت

اور بغض قیامت تک کے لیے ڈال دیا ہے یہ جب لڑائی کے لیے آگ جلاتے ہیں تو
اللہ اس کو بجھا دیتا ہے۔ اور یہ ملک میں فساد کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ
فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا''۔

ان آیات میں بنی اسرائیل اور اس وقت کے معاشرے کی کیفیات کی طرف اشارہ ہے اور دورِ زوال کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔

قتل انبیاء کرام علیہم السلام کے قبیح فعل کا سلسلہ اس مغضوب علیہم قوم میں صدیوں جاری رہا قرآن مجید میں اس بُری عادت کا یوں بیان ہوا ہے:

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ○ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ○ (05:70-71)

''ہم نے بنی اسرائیل سے عہد بھی لیا اور ان کی طرف پیغمبر بھی بھیجے (لیکن) جب کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسی باتیں لے کر آتا جن کو ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو وہ (انبیاء کی) ایک جماعت کو تو جھٹلا دیتے تھے اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ (اس سے ان پر) کوئی آفت نہیں آنے کی۔ تو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی (لیکن) پھر ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے''۔

یہاں تک کہ دوسرا زوال اور اللہ کی طرف سے عذاب کا دوسرا وعدہ آ گیا۔ اٹلی سے رومی بادشاہوں نے حملے کر کے پہلے ان کی سلطنت کو تباہ کیا، پھر اپنے ماتحت کیا۔ پھر بھی شرارتوں سے باز نہ آئے تو مکمل طور پر براہ راست غلامی میں آ گئے۔ اس غلامی کے دور میں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہوئی مگر بنی اسرائیل کے علماء نے بالعموم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ اپنے زعم میں تو انہیں سولی پر چڑھانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ پورا پورا مقدمہ کر کے سزا سنا کر عمل درآمد کے لیے مقدمہ رومی حکمرانوں کے حوالے کر دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا مخبر سولی چڑھ

گیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ بچالیا اور آسمانوں میں کہیں اٹھالیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف یہود کے اس گھناؤنے عمل سے اللہ نے اس قوم پر عذاب بھیج دیا اور رومی حکمران ٹائٹس نے حملہ کر کے بیت المقدس تباہ کر دیا اور بنی اسرائیل (یہود) کو وہاں سے دیس نکالا دے دیا (جلاوطن کر دیا) اس مرحلے پر یہودی فلسطین سے نکل کر جہاں سینگ سمائے چلے گئے اور دنیا کے کونے کونے میں جہاں جہاں ان کے کاروباری روابط تھے جا کر آباد ہو گئے۔ اسی طبقہ میں ایک گروہ مدینہ آ کر بھی آباد ہوا تھا۔ ان کے نزدیک تورات کی پیش گوئیوں کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں اور عرب میں کھجوروں کی سرزمین یعنی یثرب (مدینہ) میں آنے والے ہیں، تو وہ یہیں مدینہ میں آباد ہو گئے۔ یہ واقعہ قریباً 150ء سے پہلے کا ہے۔

600ق م سے لے کر 610ء

تاریخ انسانی کی اہم 12 صدیاں

آسمانی ہدایت روپوش ـــــ صہیونیت بے لگام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 2000 سال قبل سے لے کر 610ء تک کے حالات تاریخ انسانی میں بہت اہم ہیں بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ صدیاں قبل اور چھ صدیاں بعد کا دور تاریخ انسانی میں روئے ارضی پر انسانی اجتماعی وانفرادی زندگی کے بگاڑ کے لحاظ سے سب سے اہم ہے۔ آج کے حالات میں جس معاشی بگاڑ اور نظریاتی سطح پر حیوانیت کا رونا صرف اسلام یا مشرق میں نہیں ہے بلکہ مغرب کے اہل دل اور اہل ضمیر انسان بھی اس ماتم میں برابر کے شریک ہیں۔ اس لیے کہ فطرتِ انسانی ایک ہے اور انسان مشرق کا ہو یا مغرب کا، قدیم ہو یا جدید ـــــ مسائل ایک جیسے ہیں اور علاج بھی بالآخر (ان شاءاللہ) گلوبل سطح پر ایک ہی نکلے گا۔

اس دور کے حالات کا صحیح صحیح تجزیہ انسان کی سمجھ میں آ جائے تو تاریخ انسانی میں تضادات، لڑائیاں، اختلافات اور قتل وغارت وغیرہ کے واقعات کی ایک معقول تشریح وتوجیہ ممکن ہے اور عقل عام (COMMAN SENCE) کے بھی قریب ہے۔

وسائل رزق کے کنٹرول کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے اس سلسلہ تحریر میں ہمارے لیے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ ہم اس موضوع پر بحث کو کھول کر بیان کریں۔اس طرح بات اصل موضوع سے ہٹ جائے گی لیکن اس موضوع کو بیان کئے بغیر گزر جانا بھی موضوع سے ناانصافی اور قارئین کرام کی حق تلفی ہوگی۔لہٰذا ہم مختصراً یہاں اس موضوع پر گفتگو کو ہر پہلو سے مفید سمجھتے ہوئے درج کررہے ہیں۔

آج سے نصف صدی قبل پروفیسر سلیم یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ معروف سکالر اور علمی دنیا میں ممتاز مقام رکھتے تھے(اور آج بھی اہل علم ان سے واقف ہیں) علامہ اقبال سے مستفیض ہونے والوں میں ان کا نام بہت اہم ہے۔علامہ اقبال کے کلام کی کئی شروح ان کے قلم سے نکلیں اور اہل علم اور متلاشیانِ اقبال ان سے آج بھی استفادہ کرتے ہیں، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے بھی ان کے خاص تعلقات تھے۔وہ کہا کرتے تھے کہ 600 ق م سے لے کر 610ء تک کی بارہ صدیاں تاریخ انسانی میں نہایت اہم ہیں۔

اس دور کے بارے میں چند حقائق کو بالترتیب کو یہاں درج کیا جارہا ہے:

☆ دنیا میں خیر وشر کی کشاکش ازلی ہے اور ابلیس ہمارے جدامجد بزرگوار حضرت آدم علیہ السلام کی برتری کو تسلیم نہ کرنے پر جب سزا کا مستوجب ٹھہرا تو اس وقت سے آدم اور ابن آدم کو چیلنج کر رکھا ہے کہ وہ ہر ممکن طریقے سے (جو انسانی نفسیات کو چھو کر بے راہ روی پیدا کرسکتا ہے) انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا اور ثابت کردے گا کہ انسان سجدہ کے قابل نہیں تھا۔

☆ اس چیلنج کے مظاہر دنیا میں تسلسل کے ساتھ ہر زمانے اور ہر دور میں انسانوں کے مشاہدہ و تجربہ میں آتے رہے ہیں بلکہ حقیقتاً اہل نظر جانتے ہیں کہ یہ جنگ مسلسل جاری ہے (24/7) کبھی سرد کبھی گرم، کبھی آسودہ گرم گرم کمروں میں میڈیا پر اور کبھی میدان جنگ میں اسلحہ کے ساتھ فوجوں کے درمیان۔

☆ یہ بات عیاں ہے کہ خیر کے غلبے کے دور مختصر اور وقفے وقفے سے آئے ہیں جبکہ ابلیسی غلبے کے دور خیر کے دو مختصر ادوار کے مابین طویل اور ہمہ گیر تھے اور نسل انسانی کے لیے گمراہ کن بھی۔وجہ اس کی یہ ہے کہ دنیا دارالامتحان ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اِتمامِ حجت کے لیے تشریف لائے

اور ثابت کرتے رہے کہ انسانی زندگی میں انسان خود خدا شناس اور وحی شناس ہو جائے تو خیر نسل انسانی کا مقدر ہو سکتا ہے۔اس کے لیے محنت بہر حال انسانوں کی ہی کرنی ہے۔خیر کے ان مختصر ادوار سے بھی یہ بہر حال روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ اصل فطرت انسانی 'نیکی' ہی ہے مگر ابلیس اور اس کے کارندے (مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ) اس انسان کو کامیاب دیکھنا نہیں چاہتے اور برائی کو مزیّن کر کے پیش کرتے ہیں اور انسان اکثر اس سے متأثر ہو جاتا ہے۔کم لوگ ہوتے ہیں جو ہمت کر کے آگے بڑھتے ہیں اور حق کے لیے جان کی بازی کھیلنے پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں۔جبکہ انسانوں کی غالب اکثریت (ابلیس کے جال میں پھنس جاتی ہے) اور وہ انہیں ترقی، فیشن اور آزادی کے نام پر گمراہ کر کے خدا شناسی کے جذبے سے دور کر دیتا ہے۔یہ عام مشاہدہ ہے اور ہر آدمی کا تجربہ بھی۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے (حضرت اسحاق علیہ السلام) کے پوتے بنی اسرائیل کہلائے۔ان میں ہی بگاڑ کے جراثیم تھے جو بار بار سمجھانے اور توبہ کے باوصف راہِ حق پر چلنے کا حق ادا نہ کر سکے۔قرآن مجید واحد کتاب ہے جو آج بنی اسرائیل کی تاریخ اور ظاہر و باطن پر کماحقہ روشنی ڈالتی ہے اور پھر دنیا میں موجود بھی ہے کہ آخری آسمانی کتاب ہے۔ورنہ بنی اسرائیل نے اپنے خلاف جو کتاب، صفحہ یا حرف لکھا گیا اس کو تاریخ سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔شخصیات کو قتل کر دیا، کتابوں کو غائب کر دیا اور اس کے اثرات بھی مٹا دیے۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری پر بنی اسرائیل پر دو دورِ عروج آئے ہیں اس کے علاوہ زوال ہی زوال ہے اور آج تک قرآن مجید انہیں مغضوب علیہم کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ پہلا دور عروج حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔1000 ق م سے 900 ق م تک، پھر زوال آ گیا اور دین سے دوری ہوتی چلی گئی۔تفصیل میں گئے بغیر عرض ہے کہ 600 ق م آنے تک ان کا یہ بگاڑ بہت گہرا اور ہمہ گیر ہو چکا تھا خود قرآن مجید گواہ ہے کہ وہ 'اِلَّا قَلِیْلًا' سب کے سب بگڑ گئے تھے۔یہ دور 600 ق م سے شروع ہوا اور ایک طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد، رفع آسمانی اور اس کے فوری بعد رومیوں کی شکل میں عذاب تک پہنچا۔ پھر یہودی فلسطین سے نکال دیے گئے۔وہ دنیا میں پھیل گئے۔

☆ 600ق م سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری تک کی چھ صدیوں میں اللہ تعالیٰ، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدے کے مطابق ان کی اولاد بالخصوص حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل میں پیغمبر بھیجتا رہا۔ بنی اسرائیل کو یہ زُعم ہوگیا کہ ہم بے عمل ہیں پھر بھی (27:29) اللہ تعالیٰ ہمارے اندر نبی بھیج رہا ہے، لہٰذا ہم اللہ کے چہیتے ہیں۔

WE ARE THE CHOSEN PEOPLE OF THE LORD (BIBLE)

بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں (معاذ اللہ) عمل کریں نہ کریں اللہ ہمارے گناہ بخش دے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔ یہ ذہن (MINDSET) یہاں تک خراب ہوا کہ بنی اسرائیل سمجھنے لگے کہ انسان صرف ہم ہیں، غیر بنی اسرائیل انسان نہیں ہیں بلکہ انسان نما حیوان ہیں GOYEMS اور GENTILES ہیں۔ اس سے بڑھ کر وہ یہ بھی سمجھنے لگے کہ ہمارے لیے غیر بنی اسرائیلی لوگوں کا مال ہڑپ کر لینا، ان کو غلام بنالینا، ان کی عورتوں کی بے حرمتی کرنا کوئی گناہ نہیں (75:03) کیونکہ وہ انسان نہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کئی مرتبہ امریکہ گئے تھے اور وہاں کے حالات سے واقف بھی تھے اور متأثر بھی۔ انہوں نے بتایا تھا (اور غالباً کسی تقریر یا تحریر میں بھی لکھا ہے) کہ امریکہ میں یہودیوں کی بستیاں عام آبادیوں سے بہت دور ہیں وہاں ٹی وی نہیں ہے کہ یہ بہت بے حیائی پھیلا رہا ہے۔ سود حرام ہے وہ آپس میں ایک دوسرے سے سود نہیں لیتے البتہ غیر بنی اسرائیل سے سود لے کر کھاتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ انسان ہی نہیں بلکہ بینکنگ کا نظام پورا دورِ حاضر میں یہودیوں (ZOINS) کا ہی بنایا ہوا ہے اور کامیابی سے چلا کر ساری دنیا کا پیسہ مفت میں اپنے ہاں جمع کر کے ڈالروں میں ارب پتی ہے۔ دنیا میں صرف آٹھ خاندانوں کے پاس اتنی رقم ہے جتنی دنیا کی آدھی آبادی 360 کروڑ افراد کے حصے میں آتی ہے۔ اُف اللہ! دولت کی یہ غیر منصفانہ تقسیم، وسائل رزق کی یہ لوٹ مار اور پھر بغیر حساب دوزخ سے بچ کر جنت میں جانے کا عقیدہ۔ انسان کے نظریات و خیالات جب DISTORT ہوجاتے ہیں تو اس کے عملی مظاہر اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ اعاذنا اللّٰہ من ذالك۔

☆ بنی اسرائیل کا یہ مائنڈ سیٹ بہت پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں ہی بن گیا تھا

اور ریلوے کے نظام میں گاڑی کا پٹری بدلنے کے لیے جیسے کانٹا بدلتے ہیں تو گاڑی ایک پٹری سے دوسری پٹری پر چڑھ جاتی ہے، شروع میں فرق بہت کم اور غیر محسوس ہوتا ہے مگر چند کلومیٹر بعد ٹرین بالکل دوسری سمت میں جاری ہوتی ہے۔ ٹرین کی سواریوں کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا اسی طرح ZIONS نے اپنا MINDSET بہت پہلے بنالیا تھا اس کے مطابق منصوبے بنالیے تھے۔ بنی اسرائیل عوام کو بھی بہت بعد میں نسلاً بعد نسلٍ پتہ چلا ہوگا اور اَلْعَوَام کَالْاَنْعَام تو ابھی بھی نہیں سمجھتے کہ موجودہ ساری خرابیوں کی جڑ ZIONISM ہے۔

☆ اس نئے MINDSET کے ساتھ دورِ زوال میں جب وہ عراق میں غلامی کے دن گزار رہے تھے انہوں نے جادو سیکھا، OCCULT SCIENCES میں مہارت پیدا کی، تورات کو بدل کر علم الاعداد کے ذریعے نمبرز کا کھیل بنا دیا اور اپنا ایک فلسفہ حیات QABALA یا KABBALAH کے نام سے موسوم کر کے ADOPT کرلیا۔

☆ اس منصوبے کے تحت انہوں نے آج تک اپنے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیروکار، تورات کا ماننے والا گروہ اور آسمانی ہدایت کا علمبردار ظاہر کر رکھا ہے اور باضمیر دنیا میں آسمانی ہدایت کا علمبردار ہونے کے ناطے اپنا ایک مذہبی مقام (GOODWILL) برقرار رکھے ہوئے ہے جبکہ عملی میدان میں انہوں نے بے عملی اختیار کر رکھی ہے اصلی تورات کو چھپا رکھا ہے یا واقعتاً وہ غائب ہوگئی ہے اب فرضی من گھڑت اور تورات کی تعلیمات کے برعکس صحیفہ OLD TESTAMENT&BIBLE کے نام سے موجود چیز کو مانتے ہیں۔

☆ اسی منصوبے کے تحت انہوں نے بہت پہلے 600 ق م کے قریب ہی یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت اور دینی احکام پر عمل ہم نے کرنا نہیں، تورات ہم نے غائب کردی ہے، صرف ماننے کی حد تک رہیں گے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ نبوت کا سلسلہ جاری ہے وہ آئیں گے، نئے احکام لائیں گے، نئے صحیفے اتریں گے جو ہماری کوتاہیوں اور BLUNDERS یا کرتوتوں کو واضح کردیں گے (اس لیے کہ اس وقت تک کسی آسمانی صحیفہ میں ختم نبوت کا ذکر ہی نہیں تھا اور اس کا تعین مشکل تھا کہ ابھی کتنے نبی اور تشریف لائیں گے)۔ اس مشکل کا انہوں نے بڑا آسان حل نکال لیا۔ وہ یہ کہ جب کوئی نبی آئے اس کی تکذیب کرو، بات نہ مانو ـــــ دوسروں کو

روکو،اس کی تعلیمات میں عیب نکالو پھر بھی باز نہ آئے تو قتل کردو۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے:

اَفَکُلَّمَا جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ (87:02)

''جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہ (انبیاء) کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے''۔

مزید ارشاد ہے:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَھُمُ اللّٰہُ بِکُفْرِھِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ (88:02)

''اور کہتے ہیں ہمارے دل پردے میں ہیں (نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے پس یہ تھوڑے ہی پر ایمان لاتے ہیں''۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَیْھِمْ رُسُلًا کُلَّمَا جَآءَ ھُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُھُمْ فَرِیْقًا کَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ O وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا کَثِیْرٌ مِّنْھُمْ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ O (05:70-71)

''ہم نے بنی اسرائیل سے عہد بھی لیا اور ان کی طرف پیغمبر بھی بھیجے (لیکن) جب کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسی باتیں لے کر آتا جن کو ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو وہ (انبیاء کی) ایک جماعت کو تو جھٹلا دیتے تھے اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ (اس سے ان پر) کوئی آفت نہیں آنے کی۔ تو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی (لیکن) پھر ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے''۔

☆ قتل انبیاء کا یہ جرم کوئی سادہ، بسیط اور منفرد عمل نہیں ہے بلکہ غور کیا جائے تو یہ نفسیاتی سطح پر ایک طویل بے عملی، ڈھٹائی ضمیر کے خلاف مسلسل نافرمانی کے بعد ردّ عمل ہے جو ہر مردہ ضمیر شخص کے دل میں پیدا ہونا لازمی ہے اور ناگزیر ہے۔

☆ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ قتل انبیاء کے علاوہ ایسے لوگ اب ختم نبوت کے بعد نیکی کی دعوت دینے والوں کو قتل کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ طرزِ عمل اسی 'قتل انبیاء' کی روش کا منطقی اور عملی نتیجہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ O اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ O (03:21-22)

''جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں اور جو انصاف کا حکم دیتے ہیں انہیں بھی مار ڈالتے ہیں ان کو دکھ دینے والا عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں (ہوگا)''

دین سے بالارادہ دُوری اور مردہ ضمیری اور ختم قلوب (دلوں پر ہدایت کے معاملے میں مہر لگ جانا) کا یہ ایسا نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں میں بھی ردّعمل اسی طرح کا ہوتا ہے۔

☆ قتل انبیاء کے جرم کے آغاز کے بعد انہوں نے صدیوں یہی روش جاری رکھی۔ قتل انبیاء کا دوسرے لفظوں میں مطلب عام فہم یہ تھا کہ ہمیں مزید ہدایت اور احکام نہیں چاہئیں، ہم نے جو کچھ کرنا ہے اس کا فیصلہ کر لیا ہے لہٰذا ہمیں نصیحت، ہدایت اور احکام درکار نہیں ہیں، ہمیں کوئی ناصح اور مصلح اور رہنما نہیں چاہیے بلکہ اب ہم اپنی مرضی کے احکام بنائیں گے اور اس پر عمل کریں گے بلکہ ہو سکے گا تو خود بعض لوگوں کو نبی بنا کر کھڑا کر دیں گے ان کے مُنہ میں مطلب کی بات ڈالیں گے اور لوگوں میں تقسیم در تقسیم اور تفرقہ ڈالیں گے۔

☆ یہ روش صدیوں جاری رہ کر حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد تک جاری رہی۔ صہیونی ذہن (ZIONS) غالباً دھوکا کھا گیا یا جان بوجھ کر یا اللہ نے ان کی مت ماردی کہ وہ اپنے ہاں کے لٹریچر میں نبی اور رسول کا فرق نہیں سمجھ سکے۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ نبی کا لفظ عام ہے اور رسول کا لفظ خاص ہے۔ مختصراً نبی تو قتل بھی ہو گئے مگر رسول بڑا مرتبہ ہے لہٰذا رسول قتل تو ایک طرف، کبھی دشمنوں

کے ہاتھ بھی نہیں آئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے اللہ تعالیٰ رسولِ وقت کو بچا لیتا تھا اور اہل ایمان کو بھی اور باقی ساری قوم کا ستیاناس کر دیتا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام، کی قوموں کے ساتھ یہی ہوا اور بنی اسرائیل اپنی خاندانی اندرونی تعلیمی نظام میں یہ حقیقت جانتے ہوں گے مگر وہ اندازہ نہیں کر سکے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف بھی قتل کے درپے ہو گئے وہ رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت ردعمل ظاہر ہوا۔ ایک مخبر شخص سولی چڑھا، رومیوں کے حملوں کی شکل میں عذاب آ گیا۔ یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے خاص حکمت کے تحت فوری طور پر نیست و نابود نہیں کیا بلکہ ان کی سزائے عذابِ استیصال دو ہزار سالوں کے لیے مؤخر کر دی۔ جواب عنقریب پورے ہونے والے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہونے والا ہے۔

☆ اس تجربے سے بنی اسرائیل کے بگڑے ہوئے طبقے (ZIONS) نے کچھ نہیں سیکھا اور دورِ انتشار (DIASPORA) کے آغاز میں ہی ان کا ایک طبقہ تین قبیلوں کی شکل میں مدینے آ کر آباد ہوا۔ اپنی کتابوں میں یثرب (مدینہ) میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی واضح پیش گوئیوں کی وجہ سے ان کے قتل کی نیت سے گھات لگا کر بیٹھے اور صدیاں گزار دیں، ہمت نہیں ہاری۔ نسل در نسل یہ منحوس مشن اگلی نسل کو منتقل کرتے رہے تا آنکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت مکہ میں ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بچپن گزارا، لڑکپن اور جوانی گزاری، جوان ہو کر بکریاں چَرائیں، کاروبار کیا، شادی ہوئی، اولاد ہوئی، اولاد کی پرورش کی، خوب کمایا اور کھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک مثالی باضمیر انسان کی زندگی تھی۔ غارِ حرا جاتے رہے وہاں قرآن جیسی نعمت عطا ہوئی، پیغمبری ظاہر ہو گئی، 13 سال مکہ دعوت دیتے رہے مگر یہودی مدینے سے مکے آ کر مسلمان نہیں ہوئے۔ وہ مسلمان تو ہونا ہی نہیں چاہتے تھے وہ تو مدینے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پورا ایک SETUP اور منصوبہ تیار کر کے بیٹھے تھے بلکہ ایک ماہر منصوبہ ساز (EVIL GENIUS) کی طرح ایک دو نہیں چار ....اوپر نیچے کئی رخ پر پیش رفت تھی کہ ایک منصوبہ فیل ہو جائے تو دوسرا اور دوسرا فیل ہو جائے تیسرا۔ علیٰ ہذا القیاس۔

☆ 571ء میں یمن کے حاکم ابرہہ کا بیت اللہ پر حملہ کر کے ڈھا دینے کا منصوبہ اور

مسلمانوں کی تعذیب کے واقعات کے پیچھے یہود ہی کارفرما تھے۔ ہجرت کے بعد اگرچہ آپ ﷺ نے یہود کو میثاقِ مدینہ میں باندھ لیا تھا مگر بدر سے قبل مشرکین مکہ کو مدینہ پر حملہ کے لیے خطوط لکھنا، اُحد سے قبل مکے والوں کو حملہ پر اُبھارنا، جنگ خندق کے موقع پر مقامی سطح پر لشکر کی مدد، رسول اللہ ﷺ کو دعوتی مقاصد کے لیے بلا کر چکی کے پاٹ سے حملہ کر دینا اور بکری کا روسٹ زہر ملا کر آپ ﷺ کو پیش کرنا، یہ سب قتل انبیاء کے سلسلے کی کڑیاں ہی تھیں۔ تین قبیلوں بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ سے صرف چند افراد کا ایمان لانا حالانکہ وہ سب (اوران کے علماء) حضرت محمد ﷺ کو اللہ کے آخری نبی کے طور پر پہچانتے تھے (جیسے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) مگر وہ ایمان کی دولت سے محروم رہے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایمان لانے کے لیے نہیں بلکہ وہ ان کا راستہ روکنے کے لیے آئے تھے۔

تاریخ میں یہی بنی اسرائیل کا طبقہ یہود (اور عیسائیوں میں سے پروٹسٹنٹ اور 1998ء کے بعد سے عیسائی کمیونٹی AS A WHOLE) مسلمانوں کے خلاف مسلسل سازشوں میں رہے ہیں اور تاریخ میں چار صلیبی جنگیں پہلے ہوئی ہیں اور آخری (پانچویں) صلیبی کا میدان کارزار گرم ہے اگرچہ مغرب موجودہ مسلمان دشمنی کو جنگ کا نام نہیں دیتا بلکہ دہشت گردی کے عنوان سے سیکولر مسلمان حکمرانوں (مغرب سے تعلیم یافتہ، مغرب پلٹ اور مغرب سے ہی مفاد یافتہ طبقہ) کو ساتھ ملا کر باعمل مسلمانوں کو FUNDAMENTALS کہہ کر مار رہا ہے اور ختم کر رہا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی بادشاہت کے دور سے ان کے بھائیوں (بنی اسرائیل) کا عالمی تجارت میں شامل ہو کر امتیازی حیثیت اختیار کرنا

اشارات:۔

☆ انسانی معاشرے میں ضروریات زندگی کی فراہمی تہذیب وتمدن کی شاہ رگ ہے جس سے انسان اپنے لیے خوراک، رہائش اور لباس وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں تاکہ زندگی میں اعلیٰ اخلاقی، اجتماعی اور روحانی تقاضوں پر توجہ دی جا سکے۔

☆ گاؤں کی دکانداری سے بڑھ کر ضروریات زندگی کی فراہمی کا یہ عمل آج سے کوئی پانچ ہزار سال قبل (3000 ق م) شہر، ملک، علاقہ سے پھیل کر بین الاقوامی یعنی بین البراعظمی تجارت بن چکا تھا۔

☆ ہر شخص جانتا ہے کہ تجارت کا پیشہ ایک طویل صبر آزما اور محنت طلب پیشہ ہے اور ہر شخص اس پیشے اپنی روزی نہیں کما سکتا۔ کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص تجارت سے وابستہ ہو کر پیسہ نہیں کما سکتا اس میں کاروباری صلاحیتیں نہیں ہیں۔

☆ تجارتی اموال کئی قسم کے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مختلف علاقوں میں مختلف اشیاء کی پیداواری صلاحیتیں رکھی ہیں گویا دنیا میں مختلف اجناس، مسالہ جات، ضروریات، طبی جڑی بوٹیوں کی فراہمی کے لیے خاص علاقے مختص ہیں۔ انہیں اشیاء کی پہلے مختلف معاشروں میں طلب پیدا کرنا (جیسے آج کل کے اشتہارات وغیرہ) پھر ان اشیاء کے لیے سفر، نقل و حمل، رقوم کی ادائیگیاں پھر ان اشیاء کا کسی علاقہ میں پہنچا کر اس کی تقسیم (DISTRIBUTION) اور پھر پرچون دکانداروں سے قیمتوں کی وصولی ایک طویل اور پیچیدہ عمل ہے، جس کے لیے صبر کے ساتھ ایک خاص قسم کا مزاج اور تجربہ درکار ہے۔

☆ یورپ میں کچھ چیزیں پیدا ہوتی ہیں جنوبی یورپ اس کا مرکز ہے کچھ ناگزیر مسالہ جات چین کے علاقوں میں پائے جاتے تھے اور استعمال ہوتے تھے۔ جنوبی ایشیا زرعی علاقہ ہونے کی نسبت زرعی اجناس کا گھر تھا اور پورے عالم کو خوراک فراہم کرتا تھا۔ مصر، عراق، یمن، وسطی افریقہ میں جو اشیاء پیدا ہوتی ہیں وہ عالمی سطح پر ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچانا ہی عالمی تجارت کہلاتی ہے۔

☆ عالمی تجارت کے لیے پہلے صرف زمینی راستے ہی استعمال ہوتے تھے، فضائی کارگو تو آج کی ایجاد ہے، سمندری سفر اور تجارت بھی ضروریات کے تحت بعد میں ہی زیر استعمال آئی۔ لہٰذا زمانہ قدیم سے جنوبی یورپ اٹلی، روم، یونان کی منڈیوں سے مال اٹھا کر چین تک لے جانا مصر سے مال لے کر ہند پہنچانا۔ ہند سے اجناس چین، مصر، یورپ اور مشرق وسطیٰ لانا آج سے ہزاروں سال پہلے ایک خوفناک پیشہ قدم قدم پر خطرات اور صبر آزما کام تھا۔

☆ آج سے پانچ ہزار سال پہلے خوفناک راستے یعنی جنگل، صحرا، دریا، پہاڑ کی صورت میں درپیش تھے۔ ذرائع نقل وحمل صرف اونٹ، خچر، گدھے ہی میسر تھے، موسموں کی شدت مال کی حفاظت، جان کی حفاظت جان جوکھوں کے کام تھے۔

☆ پہلے پہل یونان اٹلی سے مال لے کر جب تاجروں کے قافلے نکلتے تھے تو ایک عالمی ROUTE مشرق کی طرف سیدھا چین کے مشرقی شہر بیجنگ تک جاتا تھا۔ کوہ ہمالیہ کے سلسلہ سے جنوب کی طرف نیچے اترنے کے راستے افغانستان کے قریب چترال کے قریب اور نیپال کے قریب تھے۔

☆ سمندری تجارت کا دور آیا تو تبت چترال کے راستے دریائے سندھ کے ذریعے مال ساحل سمندر تک لایا جاتا اور پھر سمندری راستے یا کچھ زمینی راستے سے مشرق وسطی تک پہنچایا جاتا تھا۔ وہاں سے مصر، ترکی، ایران وغیرہ مال جاتا تھا۔ ترکی سے یورپ کا مال جاتا تھا (ان علاقوں میں پہلے آبادیوں، شہروں کے نام ذرا مختلف تھے عصر حاضر میں نام اور پہچان ذرا بدل گئی ہے)۔

فلسطین کے پاس مشرق ومغرب اور شمال جنوب کے راستے آپس میں کراس کرتے تھے لہٰذا یہ علاقہ عالمی تجارت کا مرکز بن گیا۔ یہ حیثیت فلسطین کو 2000 ق م سے حاصل ہے۔

☆ جب 1800 ق م کے لگ بھگ حضرت یوسف علیہ السلام (بنی اسرائیل) کو مصر کی حکومت ملی اور وسیع علاقہ زیر نگین آگیا۔ یہ علاقہ عالمی تجارتی مرکز تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جن قافلے والوں نے اٹھا کر مصر بیچا تھا وہ اس قسم کا قافلہ تھا۔ بنی اسرائیل اس علاقے کے لوگ تھے پھر ایک بھائی بادشاہ بن گیا باقی بھائی اور برادری شہزادوں اور پیرزادوں کی سی زندگی گزار رہے تھے۔ حکومت سے سیاسی قوت اور مالی حیثیت ملی۔ پیغمبری سے مذہبی قیادت وسیادت بھی ساتھ مل گئی۔

☆ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے عالمی تجارت میں قدم رکھا، سالہا سال مشرق و مغرب کے اسفار کئے اور جلد ہی اس عالمی تجارت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت کی وجہ سے اس تجارت پر چھا گئے۔ مشرق ومغرب کے راستوں کے ملنے کی جگہ پر حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت اور مستحکم دورِ حکومت نے تقریباً ایک صدی سے زیادہ عرصہ بنی اسرائیل کی عالمی تجارت کو استحکام اور ترقی دی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل اس دور میں بھی عالمی تجارتی مراکز میں اسفار کرتے

تھے اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت ہوئی اور فراعنہ مصر (قبطی افریقہ کے مقامی لوگ) دوبارہ برسر اقتدار آئے تو اس وقت بنی اسرائیل کو اگر چہ غلام بنالیا گیا تھا مگر ان کی عالمی تجارت میں شرکت جاری رہی۔ بنی اسرائیل کا اچھا اور مخلص دیندار طبقہ غلامی میں چلا گیا اور بگڑا ہو طبقہ عالمی تجارت کی وجہ سے کاروبار کرتا رہا اور باہر روابط رکھے۔قارون جیسا پیسے والا بنی اسرائیلی بھی بظاہر غلامی کے دن وہیں کاٹ رہا تھا مگر اس کے فراعنہ مصر سے بھی رابطے تھے۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی غلامی سے قوم کو لے کر نکلے تو صحرائے سینا میں ٹھہرے وہاں ایک قبیلے کے غائب ہونے (THE LOST TRIBE) کا بنی اسرائیل خود اعتراف کرتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور آنے تک عالمی تجارت پر مکمل قبضہ بنی اسرائیل کا تھا۔حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت میں آسودگی، امن و امان اور حکومت کی وسعت سے یہ قوم خوب پھلی پھولی مگر ساتھ ہی اللہ کی نافرمانی کی، جادو سیکھا، OCCULT SCIENCES سیکھیں اپنے ہاں ان چیزوں کے علاوہ علم الاعداد کو رواج دیا۔

☆ جب پوری قوم عراق میں دوبارہ غلام بنی اور عالمی تجارت کی وجہ سے مقتدر طبقہ اس غلامی سے باہر رہا اور اسے اپنی دینی و مذہبی روایات سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ نام کے یہودی بن کر رہے۔

اولادِ ابراہیم میں پیغمبری مختص ہونے کی بنا پر بنی اسرائیل مشرق وسطیٰ سے باہر بھی رہے تو ان میں نبی بھی آتے رہے۔مگر یہ تاریخ دنیا نہیں جانتی صرف بنی اسرائیل کے لوگ ہی جان سکتے ہیں اُنہوں نے آج تک اس راز کی حقیقت کسی کو نہیں بتائی۔ جنوبی ایشیا، تبت، افغانستان، بھارت، میں بنی اسرائیل پہنچے۔ ہندو قوم کے الفاظ اور روایات اس بات کی طرف واضح اشارہ کرتی ہیں۔ برہمن کا لفظ ابراہیم سے بگڑا ہوا ہے۔ بچھڑے کی پوجا سامری کے بچھڑے کی یادگار ہے۔ ’برہمن‘ ذات کا ممتاز ہونا، ذات کی تمیز، ’شودر‘ ذات جو سامری کی سزا کے وقت اس کو ’لامساس‘ (UNTOUCHABLE) بنا دیا گیا تھا، آج بھی وہاں موجود ہے۔ یہود اور ہنود کے روابط پرانے ہیں، ہندوؤں کا بھی تاجرانہ ذہن اور ’بنیا‘ کہلانا بنی اسرائیل کے اس عالمی تجارت میں نمایاں نام کی وجہ سے ہی ہے۔

☆ یہود ٹائٹس رُومی (TITUS) کے حملہ کے بعد دورِ انتشار میں ساری دنیا میں نکلے۔ اصفہان (دوسری عیسوی)، بیجنگ (دوسری صدی عیسوی)، یثرب (مدینہ) میں پہلی صدی عیسوی سے ہی آباد ہوئے۔ روسی علاقہ جات، پورا یورپ، آذربائیجان، جارجیا وغیرہ میں بھی پہلے سے آباد ہیں۔

☆ اسلامی دور آیا، 632ء تا 660ء دورِ خلافت راشدہ ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد وہ تجارت میں تھے۔ پہلے مکہ کے عربوں کے ساتھ مل کر عدن تا فلسطین اور بعد ازاں مسلمانوں کے ساتھ مل کر اسی زمینی تجارت پر (LAND ROUTE) تجارت کرتے رہے۔

☆ تاریخ میں مشہور یہ ہے کہ دوسرے حضرات تو اجناس، پھل، فرنیچر وغیرہ کا کاروبار کرتے تھے اور یہود خود صرف ایسی چیزوں کا کاروبار کرتے تھے جیسے سونا، ہیرے، جواہرات، موتی وغیرہ کہ مٹھی بھر سامان لے جاتے تھے اور رقم بوریوں میں لے کر واپس آتے تھے۔

بمنزل کوش مانندِ مہ نو
دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو
مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفیٰ ؐ رو!

نئے چاند کی طرح منزل کی کوشش کرو۔ اس نیلی فضا میں ہر دم آگے بڑھتے رہو۔ اگر تم اس جہاں میں اپنا مقام حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے دل لگاؤ اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلو۔ (علامہ اقبال)

باب 3

610ء سے 1258ء تک

☆ اس عرصے میں بنی اسرائیل جزیرہ نمائے عرب کے علاوہ تمام مسلمان علاقوں میں موجود رہے۔ نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے پہلے ان کو خیبر، پھر جنگ خیبر کی شکست کے بعد اوپر کے علاقہ جات اور پھر خلافت راشدہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں پورے عرب سے یہودی اور نصرانی نکال دیے گئے (ایک حدیث مبارکہ میں ایسا ہی حکم موجود ہے)۔

☆ خلافت راشدہ کے دور مبارک میں بھی یہود نے سازشوں کے جال بچھائے اور مسلمانوں کے لیے طرح طرح کے فکری و عملی مسائل کھڑے کیے۔ اس وقت بھی وہ 'مغضوب علیہم' کا مصداق تھے (سورہ فاتحہ بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو 611ء یا 612ء میں نازل ہوئی اور مسلمانوں کو یہود کے کردار، ماضی اور حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا۔ بعد ازاں ہجرتِ مدینہ کے معاً بعد سورۂ بقرہ کے دس رکوعوں میں تفصیلی تذکرہ کر کے مسلمانوں کو اس خبیث دشمن سے متنبہ رہنے کا کہا گیا)۔

☆ مسلمانوں کے عروج کے دور میں عالمی تجارت کے باوصف یہود دور انتشار میں تھے اور یورپی ممالک میں یکے بعد دیگرے سازشوں کی وجہ سے نکالے گئے۔ سپین میں مسلم اقتدار کے دوران یہود بہت پر امن رہے اور سکون کی زندگی گزاری۔ ان کے تاریخ دان 70ء تا 1948ء کے عرصے میں مسلم سپین کا دور سب سے پر امن اور یہود کے لیے موافق دور شمار کرتے ہیں۔

☆ بنی اسرائیل (یہود) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل اور اس کے بعد چھ صدیاں یونانی فلاسفہ کی سرپرستی کر کے نظام ہائے زندگی کے ابلیسی نمونے بنوائے اور یونانی اور رومی بادشاہوں کے ذریعے ان کو تہذیبی نمونہ بنا دیا۔ تاہم آغاز اسلام کے بعد 1258ء تک وہ مسلمانوں کے لیے فکری میدان میں فتنے اور یونانی، ہندی، ایرانی فلاسفہ کی گمراہوں کی بنیاد پر

مسلمانوں میں فکری اور اعتقادی انتشار پیدا کرتے رہے۔ خود مسلمانوں میں سے تو کچھ (کم بخت) ارسطو اور دیگر یونانی فلاسفہ کے معتقد پیدا ہوئے مگر قدرت کا ایسا محکم حصار تھا کہ آخری ہدایت کی حفاظت وصیانت کے لیے 1258ء میں مسلم زوال تک غیر مسلم دنیا میں کوئی نامور فلسفی پیدا نہیں ہوسکا۔

چنانچہ انٹرنیٹ پر فلاسفہ کی SEARCH کریں اور ان کی ٹائم لائن (Time Line) دیکھیں تو آپ حیران ہوں گے کہ 600ق م سے 610ء تک کی بارہ صدیوں میں (جب بنی اسرائیل قتل انبیاء کے جرم سے بے باکی سے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر کے آسمانی ہدایت سے روگردانی کررہے تھے) بے شمار فلاسفر اور ان کے امام دنیا میں آئے یونان، ایران، ہندستان، چین وغیرہ میں فلسفے کے بڑے بڑے امام پیدا ہوئے اور ان کے فلسفے بنی اسرائیل کی سرپرستی میں عام ہوئے اور محفوظ کیے گئے۔

☆ مقام حیرت ہے کہ فلاسفہ کی ٹائم لائن میں 610ء سے 1258ء تک بلکہ اس کے دو صدیاں بعد تک کوئی نامور فلسفی عالم کفر بشمول بنی اسرائیل کے، سامنے نہ آسکا۔ سقوطِ بغداد (1258ء) اور سقوطِ غرناطہ (1492ء) کے بعد کہیں یورپ میں فلسفہ کے پرستار پیدا ہوئے مگر وہ بھی صرف پرانے اساتذہ کے نوشہ چین ہی تھے۔ آسمانی ہدایت کو چھوڑ کر سیکولر اور لبرل سوچ میں ارسطو وچانکیہ، مانی کے افکار پر کوئی اضافہ نہ کیا جاسکا۔

☆ مسلمان بادشاہوں نے 750ء کے بعد دور بنوعباس میں اسلام سے آہستہ آہستہ روگردانی اور بے عملی کو رواج دیا اور بادشاہوں واُمراء کی زندگیوں میں بہت سی ممنوعہ چیزوں کا عمل دخل بڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے 1258ء میں زوال آ گیا اور عظیم سلطنت بغداد ختم ہوگئی۔ سلطنت بغداد کے اس عبرتناک انجام کے پیچھے درحقیقت مسلمانوں کی بداعمالیاں تھیں مگر عالم اسباب میں یہود کی دینی مراکز میں سازشیں تھیں اور زمینی امداد (LOGISTIC SUPPORT) کے وعدے تھے جس کی وجہ سے چنگیز خان وہلاکو خان کو مسلمانوں کی حکومت پر حملہ کی جرأت ہوسکی۔

☆ بنی اسرائیل مسلمانوں کے چھ صدیوں کے عروج میں عالمی تجارت میں نمایاں کردار کا حامل رہا۔ اگرچہ اس کا مزاج بادشاہ پرنس، امراء، متموّل افراد کی ضرورتوں کا سامان اور عیاشی کا

سامان مہیا کرنا ہی تھا اور وہ اس کے آج بھی EXPERT ہیں۔

☆ دورِ بنواُمیہ 660ء-750ء اور دور بنوعباس 750ء-1258ء میں بنی اسرئیل نے فکری سطح پر مسلمانوں کے عقائد و ایمانیات کے نظام کو خراب کرنے کے لیے سیکولر فلاسفہ کے باطل اور بے بنیاد افکار کی لایعنی بحثیں چھیڑ کر مسلمان اہل علم وصوفیاء کو نا صرف اُلجھایا بلکہ بہت سوں کو گمراہی تک پہنچا دیا۔

علامہ اقبال نے ابلیس کی مجلس شوریٰ میں جو آخری باتیں کی ہیں وہ ابلیس کے کارندوں کی حیثیت سے وہی باتیں ہیں جو دورِ بنوعباس میں وہ کررہے تھے۔ چنانچہ اشعار یہ ہیں:

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسم شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
ابن مریم مر گیا یا زندہ جاوید ہے
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عین ذات؟
آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے
یا مجدد، جس میں ہوں فرزند مریم کے صفات؟
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟
کیا مسلماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات؟
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اسکے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے، قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اسکی آنکھوں سے تماشائے حیات

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات
مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

جاوید کے نام

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ ، نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر
میں شاخِ تاک ہوں، میری غزل ہے میرا ثمر
مرے ثمر سے مے لالہ فام پیدا کر!
مرا طریق امیری نہیں ، فقیری ہے!
خودی نہ بیچ ، غریبی میں نام پیدا کر!

باب 4

(ا) عالمی تجارت اور وسائل رزق 1258ء تا 1940ء

(ب) وسائل رزق پر قبضے کے ناجائز اور حیران کن طریقے

☆ 1000ء سے 1940ء تک

جدّتوں اور تبدیلیوں کی داستان

☆ ....قیمتی پتھروں کا تصور

☆ علاقائی اور عالمی تجارتی خاندان............

☆ سود............اور بینکوں کا اجراء

(ا) عالمی تجارت اور وسائل رزق

1258ء تا 1940ء

☆ 1258ء میں سقوطِ بغداد کے ساتھ ہی مسلم اقتدار مشرق وسطیٰ میں کمزور ہوتا چلا گیا۔ طوائف الملوکی، افراتفری کی وجہ مرکز گریز قوتوں نے سر اُٹھایا اور تقریباً 200 سال بعد ترکی میں عثمانیہ سلطنت، ایران میں صفوی سلطنت اور جنوبی ایشیا میں مغل حکومت مستحکم ہوگئی۔

☆ خلافت راشدہ کے بعد سے 1500 عیسوی تک عالمی تجارت مسلمانوں کے پاس تھی اور اُصول وضوابط بھی مسلمانوں کے تھے۔ اس زمانے تک وسائل رزق کو روک کر رکھنے کے لیے سونا، چاندی، ہیرے، جواہرات، قیمتی لباس اور موتی تھے۔ سونے، چاندی کے سکّے ڈھالے جاتے تھے اور ہر تجارتی معاہدہ میں سکّے بذاتہٖ قیمت کی ضمانت ہوتے تھے۔

☆ مسلمانوں کے عروج اور زوال کے بعد سولہویں صدی میں جو مذکورہ حکومتیں بنیں اس وقت مسلمان دنیا کو LEAD کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ سپین (یورپ) میں مسلم زوال 1492ء میں ہوا اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کا سائنسی علم، تجارتی تجربہ، علمی برتری اور حکومتی شان وشوکت بھی یورپ منتقل ہونا شروع ہوگئی۔

☆ سپین میں مسلم اقتدار کے زمانہ میں یورپ کے نوجوان غرناطہ اور اشبیلہ کی یونیورسٹیوں میں اسی طرح آتے تھے جیسے آج پوری دنیا سے لوگ یورپ اور امریکہ کی جامعات میں جاتے ہیں وہاں سے علم حاصل کرکے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ سقوطِ غرناطہ کے بعد وہی سائنسی اور علمی ترقی یورپ منتقل ہوگئی۔ سپین میں ایک بھی مسلمان زندہ نہیں چھوڑا گیا (یہ ایک الگ داستان ہے جو یورپ میں انسان دوستی، علم دوستی اور مساوات کے دعوؤں کو ہوا میں اُڑا دیتی ہے کہ سپین میں مسلم

زوال کے بعد مسلمان یا تو زبردستی عیسائی بنالئے گئے یا قتل کردیے گئے یا ملک بدر کردیے گئے۔)

☆ یورپ میں علمی اور سائنسی ترقی کا ایک نیا باب کھلا۔عیسائیت اور سائنس میں جنگ ہوئی چنانچہ علم کو سیکولر کردیا گیا اور ریاست سے بھی دین و مذہب کو الگ کرکے 'بے خدا' بنادیا گیا۔ اس کے نتیجے میں ایک طرف جمہوریت کا راگ الاپا گیا اور دوسری طرف علم، سائنسی ترقی اور تجارت کو بھی مذہب سے علیحدہ کرکے اعلیٰ اخلاقی اصولوں اور انسانی ہمدردی کے جذبات سے عاری کردیا گیا۔

سائنسی علوم کی دریافت سے یورپ میں مشینی دور کا آغاز ہوا، صنعتی انقلاب آ گیا اور اب انسان کی جسمانی محنت کی بجائے مشینی طاقت کے استعمال سے صنعتی پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔

☆ اس سائنسی ترقی سے یورپ کے مقامی وسائل سے مال تیار ہونے لگا۔ یہ تیار شدہ مال (FINISHED PRODUCT) اندرونِ یورپ ضروریات سے کہیں زیادہ تھا لہٰذا یورپ میں بیرونِ ملک اپنے مال کی کھپت اور خام مال (RAW MATERIAL) کے حصول کے لیے منصوبے بنائے جانے لگے۔ ان ممالک کے لوگ سمندری راستوں سے دنیا میں کثیر آبادی والے ممالک کی تلاش میں سفر کرنے لگے اس سے ایک طرف برطانیہ، پرتگال، جرمنی اور فرانس وغیرہ کی سمندری سفر میں ترقی ہوئی تو دوسری طرف دنیا میں بے آباد علاقوں پر یورپی اقوام کا قبضہ ہوتا چلا گیا۔

☆ 1750ء آنے تک یورپی اقوام دنیا بھر کے تمام معلوم غیر آباد رقبہ جات پر قبضہ کر چکے تھے۔ جہاں کہیں علاقہ اچھا تھا اور مقامی آبادی بھی تھی وہاں فوجی حملہ کرکے مقامی آبادی کو نکال باہر کیا گیا اور اپنی حکومت اور قبضہ مستحکم کرلیا گیا۔ براعظم اسٹریلیا اور امریکہ کی مثال سامنے ہے۔ شمالی امریکہ کی مقامی آبادی ریڈ انڈینز (RED INDIANS) پر مختلف مظالم کرکے بے دست و پا کردیا گیا۔ عسکری و صنعتی ترقی کی آڑ میں ان کو ختم کرکے اپنی حکومت بنالی گئی۔

☆ یورپی اقوام کا عالمی سطح پر مختلف علاقوں پر یہ غاصبانہ قبضہ کسی انسانی فلاح و بہبود کے نظریہ اور کسی اخلاقی، تمدنی، تہذیبی برتری کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ دھونس دھاندلی اور ظالمانہ طریقوں سے روبعمل لایا گیا تھا۔ اس طرح دنیا بھر کے بے آباد اور غیر متمدن علاقے یورپی اقوام کے زیرِ انتظام آ گئے۔

☆ جہاں تک برما سے لے کر مراکش تک کی انسانی آبادی کی مسلسل زمینی پٹی کا تعلق ہے جو ایک متمدن اور مہذب دنیا کی نشانی تھی اور زیادہ تر علاقہ مسلمانوں کے پاس تھا اور جہاں مسلمانوں کی مستحکم حکومتیں تھیں وہاں یورپی اقوام کا زمینی راستوں سے جانا ممکن نہیں تھا۔ان مسلم علاقوں میں علمی، تہذیبی، اخلاقی اور امن وامان کے ساتھ خوشحالی کی برتری تھی۔ یہاں یورپی اقوام نے سازشوں اور عیاری، رشوت، بدعہدی اور غداری کے طریقے استعمال کر کے پہلے چھوٹے علاقے پر قبضہ کیا اور بعدازاں پوری پوری مسلمان سلطنتوں کو ہڑپ کرلیا۔

☆ سب سے پہلے یورپی اقوام نے براعظم افریقہ اور اس کے بعد جنوبی ایشیا کی مغل سلطنت کو ہدف بنایا اور آنے والی دوصدیوں میں 1860ء تک وہ ان علاقوں پر مکمل قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے،صفوی سلطنت میں بھی اس دور کے آنے تک بڑی کمزوری آگئی تھی اور وہ برطانوی استعمار کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگئے۔ تیسری اور سب سے بڑی مسلم حکومت سلطنت عثمانیہ جس کو گرانے میں یورپی اقوام کو نصف صدی اور محنت کرنا پڑی۔

☆ یورپی اقوام میں پرتگال، فرانس، اٹلی اور برطانیہ بھی اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں میں اضافہ کے لیے آپس میں لڑتی رہتی تھیں تا آنکہ 1800ء کے لگ بھگ برطانیہ کو باقی یورپی اقوام پر واضح برتری حاصل ہوگئی۔اس برتری کے پیچھے بھی ایک غیر مرئی ہاتھ تھا۔یوں آپس میں لڑتے رہےتو مسلم دنیا کو زیر کرنے اور محکوم بنانے کا جو ابلیسی منصوبہ تھا اس کی ناکامی کا ڈر تھا۔

اس غیر مرئی قوت نے یورپی اقوام کی آپس میں صلح بھی کرائی اور صنعتی ترقی سے آنے والے اس انقلاب کو عالمی بنانے اور آئندہ کئی صدیوں تک اس کے فوائد سے مستفیض ہونے کے لیے مختلف ممالک میں صنعتوں کی تقسیم کردی گئی تاکہ مقابلہ بازی میں قیمتوں میں کمی نہ آنے پائے اور غیر اقوام میں اثر ورسوخ کی اجارہ داری (MONOPOLY) قائم کر کے اس کو دوام بخشا گیا۔

کوئی ملک شیشہ بنا رہا ہے، کوئی ملک خوشبو اور شیشے کے برتن بنا رہا ہے، کوئی ریلوے سے انجن اور لوہے کا سامان بنا رہا ہے۔کوئی کپڑے کی صنعت میں اجارہ دار ہے۔ مثلاً آج بھی دل کے امراض اور سرجری میں استعمال ہونے والے مہنگے انجکشن سکنڈے نیویا کا ایک ملک اجارہ دار ہے اس علاوہ کوئی اور وہ ٹیکہ نہیں بنا سکتا ہے لہٰذا وہ ٹیکہ تمام ممالک

منہ مانگے داموں پر خریدنے پر مجبور ہیں۔

☆ سلطنت عثمانیہ کو پہلے کمزور کیا گیا، اس کے بعد افریقی مقبوضات اس سے چھینے گئے پھر مشرقی یورپ کے مقبوضات اور آخر میں پہلی جنگ عظیم کا فرضی اور ڈرامائی ڈول ڈالا گیا۔ جرمنی کا عثمانیہ سلطنت سے دوستی اور تجارت کا رشتہ تھا، ترکی کو جرمنی کی حمایت پر مجبور کیا تھا پھر جرمنی کو شکست ہوئی جرمنی کو سزا ہوئی جو 50 سال بعد معاف کر کے دیوار برلن گرادی گئی جبکہ سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کر کے شام لبنان، فلسطین، اسرائیل، اردن، عراق، سعودی عرب، امارات، یمن، بحرین، کویت وغیرہ کے مما لک میں تقسیم کر دیا گیا۔

اخلاقاً تو دیوار برلن کی طرح پچاس سال بعد ان مما لک کی تقسیم بھی کالعدم ہونی چاہیے تھی اور سلطنت عثمانیہ بحال ہونی چاہیے تھی مگر چونکہ سلطنت عثمانیہ کا جرم مسلمان ہونا ہے لہٰذا ان سے کسی اخلاقی اصول کی پاسداری ضروری نہیں۔

(انٹرنیٹ پر خبروں میں شنید ہے کہ معاہدہ لوزان ہوا تھا جس کے تحت ترکی حکومت کو کچھ مراعات، سو سال بعد 2023ء میں دی جانی ہیں۔ اللہ کرے کوئی ایسی شکل نکل آئے اور یورپ اپنے وعدوں پر قائم رہتے ہوئے معاہدہ لوزان پر مکمل عمل درآمد کرادے۔ آمین)

☆ حالیہ یورپی ترقی، صنعتی انقلاب، سودی نظام بینکنگ، انشورنس، عالمی تجارت اور عالمی معاہدوں کے پیچھے جو غیر مرئی ہاتھ ہے وہ بنی اسرائیل کے اسی بگڑے ہوئے طبقے کا ہے جو ZIONS کہلاتا ہے جس کا اردو کا مترادف لفظ صیہونیت ہے۔ آج کے یہودی ماضی کی طرح دو قسم کے ہیں جو دو ہزار سال سے اسی طرح اپنی روایات پر کاربند چلے آرہے ہیں: ایک مذہبی طبقہ دوسرا لبرل یہودی۔

مذہبی یہودی غیر اقوام سے کسی قسم کا کوئی انسانی میل جول بڑھانے کا روادار نہیں ہے اپنی مذہبی روایات کا سختی سے پابند ہے۔ دوسرا لبرل طبقہ یہودی رہتے ہوئے تورات کے تمام احکام اور تمام مذہبی روایات کا باغی ہے۔ وہ ہر ممکن طریقے سے طاقت اور برتری کا حصول چاہتا ہے۔ اس نے سپین میں مسلم اقتدار کے خاتمے کے بعد فرانس، سپین اور اٹلی کے درمیان ایک علاقہ یورپ میں اپنے لیے مختص کر لیا تھا وہاں ان کا اپنا قانون چلتا ہے۔ عالمی تجارت کا کنٹرول ہے

یہودی مرکز ہے،اس کا نام سوئٹرز لینڈ ہے۔

☆ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بعد دورِ خلافت میں یہود کو عرب سے نکال دیا گیا تھا۔ 750ء کے لگ بھگ ماسکو کی ریاست کے پاس ایک علاقے کے حکمران نے مجموعی طور پر یہودیت قبول کر لی حالانکہ یہودیت کوئی تبلیغی مذہب نہیں ہے پھر نہ جانے اس کو یہودیت میں شامل کیوں کرلیا گیا۔

بنی اسرائیل بارہ قبیلے تھے۔اس نئے حکمران کو 13th TRIBE کا نام دیا گیا۔(اس نام سے کتابیں بھی ملتی ہیں جو قابل مطالعہ ہیں) اس حکمران سے معاہدہ یہ تھا کہ وہ طاقت فراہم کرے گا اور ملک اسرائیل (فلسطین میں حکومت) قائم کرادے گا۔ یہودی اسے مذہبی تحفظ دے کر اسے یہودی شمار کریں گے۔ چنانچہ یہی 13th TRIBE کے لوگ ہیں جنہوں نے سلطنت برطانیہ کی سرپرستی کی اسے برطانیہ عظمیٰ (GREAT BRITAIN) بنا دیا۔اس برطانیہ کی حکومت سے اجازت لے کر 1605ء میں بنک آف انگلینڈ کا آغاز کیا جس سے دنیا بھر میں سودی نظام کا آغاز ہو گیا حالانکہ سود عیسائیت میں بھی حرام ہے اور یہودیت میں بھی حرام ہے مگر اس کے باوجود اس بینک سے سرمایہ دارانہ نظام (سودی نظام) پھیل کر اب عالمی سطح پر قابض ہے اور ہر ملک کی معیشت اس نظام کے قبضے میں ہے بینکنگ کے نظام کے ساتھ ہی کاغذی نوٹ کا اجراء ہوا۔اس کاغذی نوٹ کے اجراء سے معیشت بالکل بینک مالکان (BANKERS) کے پاس چلی گئی ہے۔

☆ یہود کے عالمی تجارت میں اجارہ داری، بینکنگ کا نظام،سودی قرضے وغیرہ سے گزشتہ پانچ صدیوں سے بنی سرائیل عالمی تجارت، عالمی معیشت، عالمی مراکز تجارت، عالمی صنعتی ترقی اور عالمی کرنسی پر قابض ہیں۔ یہ سب اسی 13th TRIBE کے لوگ ہیں یہ لوگ فرضی طور پر جنگیں کراتے ہیں۔ دونوں فریقوں کی پشت پر ہوتے ہیں،کوئی جیتے............ اپنے مقاصد اور مفادات حاصل کرتے ہیں۔ اسلحہ کی ساری صنعت انہیں کے پاس ہے اور فرضی جنگیں اور جنگی ماحول پیدا کر کے اپنا اسلحہ بیچتے ہیں اور پس پردہ کام کرتے ہیں۔ کئی مشہور نام اسی طبقہ سے متعلق ہیں، ناموں کو بگاڑ کر مشہور کرتے ہیں تاکہ پہچانے نہ جائیں کہیں شناخت ہو رہی ہو یا کوئی شخص کتاب لکھ دے مضمون لکھ دے یا ایسی کتاب آجائے جو آئندہ ان کے منصوبوں کو واشگاف کر سکتی

ہے،اس کے مصنف کو مروا دیتے ہیں اس کتاب کو خرید کر ساری کا پیاں سمندر برد کر دیتے ہیں۔

مثلاً راتھ ایک اسی خاندان کا بڑا آدمی تھا اس کی اولاد گزشتہ ایک ڈیڑھ صدی سے بڑی نمایاں ہے اس کو راتھ شیلڈ پڑھا اور بولا جاتا ہے حالانکہ لکھنے میں وہ صاف طور پر ROTHSCHILD ہے راتھ کی اولاد یا بنی اسرائیل کی طرح ''بنی راتھ'' بنتا ہے۔ واللہ اعلم

(ب) وسائل رزق پر قبضے کے
ناجائز اور حیران کُن طریقے

☆ جیسا کہ ہم اوپر واضح کر آئے ہیں بنی اسرائیل کے بگڑے ہوئے گروہ کا حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے دور سے عالمی تجارت میں شمولیت سے ان کو جلد ایک مقام مل گیا۔ ایک طرف حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر کے آس پاس کے بڑے علاقے میں بادشاہت (اور اس کے تحت مراعات) اور دوسرے مذہبیت کی وجہ سے آہستہ آہستہ آئندہ صدیوں میں انہیں اقوامِ عالم میں برتری اور قیادت و سیادت کا مقام ملتا چلا گیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت کے بعد تو ان کو تقریباً عالمی تجارت اور مشرق سے مغرب کے اسفار میں اجارہ داری کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

یونانی بادشاہت اور رومی بادشاہوں کے ادوار میں بھی بنی اسرائیل چاہے مذہبی شناخت رکھتے تھے مگر انبیاء کرام کے قتل کے جرم میں صدیوں ملوث رہنے کی وجہ سے ان کے رویے اور ترجیحات آسمانی ہدایت سے دور تھیں۔ لہٰذا عملاً بنی اسرائیل کا یہ عالمی تجارت میں شامل گروہ یونانیوں اور رومیوں سے بھی مراعات لے کر عالمی تجارت میں چھایا رہا بلکہ ان کے مفادات کا تحفظ بھی کرتا رہا۔ بنی اسرائیل رومیوں اور یونانیوں کے لیے بظاہر بے ضرر، کام سے کام رکھنے والے پردیسی، مسافر اور مظلوم کی شکل میں سامنے آتے ان کو آسمانی ہدایت کی طرف بلاتے نہیں تھے کہ مذہب انہوں نے صرف بنی اسرائیل کے لیے مختص کر رکھا تھا اور غیر اسرائیلی اقوام کو دعوت دینا اور آسمانی ہدایت سے فائدہ پہنچانا ان کے پیشِ نظر ہی نہ تھا۔

☆ اسلام کے آنے سے مشرقِ وسطیٰ میں اخلاقی سطح پر انقلاب آ گیا۔ اسلام 632ء میں خلافت راشدہ کے دور میں سرزمین عرب (جزیرہ نمائے عرب) سے باہر نکلا اور گلے 25 سالوں میں تمام متمدن دنیا بشمول انڈونیشیا اور ملائیشیا اور ہند کے ساحلی علاقوں میں پھیل گیا۔ عربوں میں اسلامی تعلیمات کی وجہ سے اعلیٰ اخلاقی اقدار اور اعلیٰ عملی برتاؤ (BEHAVIOR) دنیا کے تاجروں کو متأثر کر گیا اور اپنی تجارتی رابطوں کی وجہ سے عالمی تجارتی شاہراہوں پر اسلام پھیلتا چلا گیا حتیٰ کہ مسلمان تاجر چین جا پہنچے۔

☆ یہود نے آسمانی ہدایت کو صرف اپنی پہچان اور ASSET کے طور پر رکھا ہوا تھا عملاً وہ عام دنیاداروں کی طرح FOR ALL PRACTICAL PURPOSES صرف دنیادار ہی تھے۔ جبکہ مسلمانوں میں دور رسالت سے قربت اور اسلامی تعلیمات کی تازگی اور خلافت راشدہ کی برکات کی وجہ سے دنیاوی زندگی سے زیادہ اُخروی زندگی زیادہ عزیز تھی لہٰذا یہود (بنی اسرائیل) کو اس پہلو سے مسلمانوں سے تجارت میں آگے بڑھنے موقع مل گیا۔

☆ بنی اسرائیل نے اپنی خاندانی روایات، مذہب اور اپنے مخصوص مقاصد کو اپنے تک ہی محدود کر دیا لہٰذا وہ اپنی روایات کا تحفظ کرتے دوسروں سے بہت کم گھلتے ملتے بلکہ دوسروں سے مفاد حاصل کر کے اپنی قوم اور نسلی برتری کے زعم میں اپنی مذہبی کتابوں وغیرہ کی حفاظت کر کے اپنے مذموم عالمی مقاصد کو خاموشی سے اگلی نسل کو منتقل کرتے رہے۔ یہی ان کا کئی صدیوں خفیہ مشن رہا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس پالیسی اور STRATEGY میں بہت حد تک کامیاب رہے۔

☆ تاریخ کے اس سفر میں 1258ء میں جب مسلمانوں کو اپنی بے عملیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے زوال آ گیا تو در پردہ طاقت اور اقتدار کے اس خلا کو یہود نے ہی چنگیز خان اور ہلاکو خان کو بغداد پر حملے پر اُکسایا اور ان کو داخلی اور مقامی مدد (LOGISTIC SUPPORT) دی۔ پھر پس پردہ رہ کر چینیوں کے اقتدار سے بھی مفاد حاصل کیے۔

☆ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ چنگیز خان اور ہلاکو خان نے مسلمانوں کو فتح کر کے ان کا اقتدار ختم کر دیا مگر ڈیڑھ صدی کے اندر اندر اسلامی نظریاتی اور ایمان کی طاقت نے تیسری نسل میں ان کی اولاد فتح کر کے اسلام کے دامنِ رحمت میں جگہ دے دی۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا اور

اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی حکمرانی انہیں کو دے دی۔ جنوبی ایشیا میں مغل حکمران، ایران میں صفوی حکمران اور ترکی میں عظیم سلطنت عثمانیہ کے حکمران نومسلم تھے اور انہوں نے اسلام کے محافظ بن کر اگلی تین چار صدیاں دنیا کو اسلام کی برکات سے مستفیض کیا ہے۔

☆ اس دوران بنی اسرائیل نے اپنی عالمی تجارت پر گرفت کو مزید مضبوط کر لیا۔ اس کے لیے انہوں نے اپنے صدیوں کے خاندانی تجربات سے فائدہ اٹھایا اور یورپ کو اپنی آئندہ کی سرگرمیوں اور منصوبہ بندیوں کے لیے پسند کر کے اس میں ڈیرے ڈال لیے۔

عالمی تجارت سے وسائل رزق پر قبضے کا عنصر

خاندانی روایات کی حفاظت اور عالمی تجارت کے صدیوں کے تجربات نے یہود کو اپنے مذموم عالمی غلبے اور فلسطین پر قبضے کی طرف پیش قدمی کے لیے کئی نئے منصوبے (COMMERCIAL HORIZONS) دکھا دیے جس سے انہوں نے اپنے تجارتی طریقوں میں تبدیلیاں لا کر بھرپور استفادہ کیا۔ یہ تبدیلیاں بعض مثبت عزائم اور بہتری کے منصوبے بھی لیے ہوئے تھیں۔ مگر یہ ترامیم اور جدّتوں کا بیشتر حصہ اپنے مالی اور نسلی مفادات کو مزید مستحکم کرنے سے ہی متعلق تھیں۔ بنی اسرائیل نے عالمی تجارت میں چیونٹی کی رفتار سے آہستہ رفتار سے چل کر یہ تبدیلی کی تاکہ باہر کی دنیا کو ان تبدیلیوں اور اغراض کا علم ہی نہ ہو سکے۔

یہ تبدیلیاں، ترامیم اور جدّتیں ــــــ بنی اسرائیل نے نہایت ماہرانہ اور طویل منصوبہ بندی کے ساتھ کی ہیں۔ مسلسل ان کی نگرانی کر کے ان کی خامیوں کو دور کیا ہے۔ تاکہ دوسروں کے لیے ان کی نقل کرنا اور ان کے مدّمقابل میں اسی میدان میں ان کا حریف بننا ممکن ہی نہ ہو۔

آئندہ صفحات میں ہم انہیں جدّتوں اور تبدیلیوں کا ذکر کریں گے۔

1000ء سے 1940ء تک

جدّتوں اور تبدیلیوں کی داستان

اس عرصے میں بنی اسرائیل نے اپنی خاندانی روایات اور نسلی مذہب کے تسلسل سے جو

کچھ سیکھا اور وسائل رزق کے حصول اور اس سے زیادہ اپنے پاس محفوظ کرنے کے جو طریقے نکالے وہ وقت کے ساتھ پختہ ہو کر اب عالمی سطح پر انسانی نفسیات بن چکے ہیں۔

وہ جدّتیں اور طریقے حسب ذیل ہیں:

ذخیرہ اندوزی(HOARDING)

وسائل رزق زیادہ تر زرعی اجناس تھیں یا کچھ صنعتی اور فنی اوزار، اسلحہ اور ضرورت کی بعض دیگر اشیاء تھیں، روئی، چاول، روغنیات، اجناس، بھوسہ وغیرہ پھر دنیا کے ایک علاقے سے دوسرے علاقوں میں لے جائے جاتے تھے۔

دیگر اقوام بھی یہود کے ساتھ اس عالمی تجارت میں مقامی شراکت داریوں اور علاقائی تقسیم کنندگان کی طرح شامل رہتی تھیں لیکن یہود نے اس سلسلے میں وسائل رزق کے پیداوار کے علاقوں میں موسم میں چیزیں خرید کر اپنے پاس محفوظ کرنے اور سٹور کرنے کے ذرائع استعمال کرنا شروع کر دیے جس سے دنیا کے دوسرے علاقوں میں ضروریات زندگی کی قلّت پیدا ہو جاتی تھی یا مصنوعی قلّت پیدا کر دی جاتی تھی (آج بھی دنیا میں تاجر برادری ایسا رویہ موقع بہ موقع اپنا لیتی ہے) جن اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ممکن تھا۔ پھر مقامی تاجروں کو عالمی معاملات کا علم کم ہوتا تھا جس سے بنی اسرائیل کو اپنی مرضی کے نرخ پر چیزیں بیچنے کا موقع مل جاتا تھا اور اسی طرح وہ جائز منافع سے کہیں زیادہ منافع ذخیرہ اندوزی کے عمل سے حاصل کر لیتے تھے۔

یہ بات یاد رہے کہ صدیوں پہلے ایسی اشیاء کم تھیں جنہیں محفوظ کیا(STORE) جا سکے زیادہ تر زرعی اجناس تو جلد خراب ہو جاتی ہیں لہٰذا اس میں تو نقصان کا اندیشہ زیادہ رہتا ہے۔

سونے اور چاندی کے سکوں کا رواج

زمانہ قدیم سے ہی تاجر برادری میں یہ احساس پختہ ہوتا چلا گیا اور ہر نسل کے بعد اس کی اہمیت بڑھتی چلی گئی کہ اپنی تجارت سے حاصل شدہ منافع کو کیسے اپنے پاس جمع کیا جائے کہ وسائل رزق کا قبضہ بھی ہو جائے مگر جلد اس کو دوسروں کو منتقل کر کے اس کو اصل زر اور منافع کو کم جگہ، کم مکانیت(COVERED AREA) اور کم لاگت کے ساتھ اپنے قبضے میں رکھا جا سکے اور اگلے موسم(SEASON) میں وسائل رزق کو پھر حاصل کیا جا سکے۔

وسائل رزق، مسالہ جات، اجناس، اوزار وغیرہ کے آپس میں تبادلے اور مبادلے کے اصول آہستہ آہستہ وضع ہوتے چلے گئے ابتدائی دور میں اشیاء کی تعداد بھی کم تھی اور مبادلہ/ تبادلہ کے اصول بھی سادہ تھے مگر ذخیرہ اندوزی/ قیمتی دھاتوں کی دریافت......اس مقصد کو پورا کرنے میں مدددی۔ جب قیمتی دھاتیں دریافت ہوئیں اوران کا استعمال انسانوں نے شروع کردیا تو اس ذخیرہ اندوزی کے جذبہ نے بھی ان قیمتی دھاتوں کو مبادلہ/ تبادلہ کا ذریعہ بنالیا۔

اس مقصد کے لیے سونا جیسی دھات سب سے مناسب خیال کی جانے لگی۔ اس لیے کہ اس کے زیورات خوبصورت بھی لگتے ہیں اور لوگوں نے بنانا اور استعمال کرنا بھی شروع کردیے۔ اوّلاً سونے کی ایک معین مقدار اور وزن کے سکے بننے شروع ہوئے چاندی کے بھی سکے بننے لگے۔ اس طرح ان دھاتی سکوں کی ڈھلائی (بنانے) سے تجارت کے میدان میں ایک انقلاب آ گیا۔ سابقہ تجارتی لیول اور بعد کی تجارتی سرگرمیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ گندم کے بدلے چاول، چاول کے بدلے کپڑا، اوزار کے بدلے زرعی اجناس کا تبادلہ تھا مگر یہ محدود تھا اور صرف لوکل سطح پر ممکن تھا۔ زرعی اجناس کی منتقلی اور سٹوریج ایک مشکل عمل اور نقصان کے خدشے سے پاک نہیں تھا۔

سونے/ چاندی کے سکوں کی ایجاد سے تجارت اور تجارتی طریقوں اور رابطوں میں جو لمبی چھلانگ لگی اس میں عالمی تجارت نے نیا رخ اختیار کرلیا۔ اب باقاعدہ سونا ایک اہم دھات شمار ہونے لگا، اس کے ذریعے اجناس بیچنا اور خریدنا آسان ہوگیا۔ ان سونے/ چاندی کے سکوں کو اپنے پاس گھر میں یا جیب میں محفوظ رکھنا اجناس محفوظ رکھنے کے مقابلے میں بے حد آسان عمل بن گیا۔ ایک ٹن گندم محفوظ کرنا محنت طلب کام تھا مگر ایک ٹن (1000 کلوگرام) گندم کی قیمت کا سونا محفوظ رکھنا آسان اور اس کی حفاظت پر مقابلتاً کم محنت اور تردّد درکار تھا۔ اس سہولت کے پیش نظر سونے/ چاندی کے سکے ڈھلنے لگے اس کے لیے باقاعدہ کارخانے وجود میں آگئے اور ٹکسالیں بن گئیں۔

حکومتی/ شاہی سکوں کا تصور

انسانی مزاج اور رویوں میں مثبت اور منفی کا فرق ضرور انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ وزن کم کردینا یا سونے کی کوالٹی کا فرق آجانا یا اس میں کھوٹ ملا کر وزن بڑھا دینا تاکہ دوسروں کو

دھوکے سے لوٹا جا سکے۔ ایسے منفی رویوں نے سر اٹھایا تو ان سکوں کی بناوٹ اور ڈھلائی کے لیے ایسے نگرانی اور تصدیق کی ضرورت کا احساس ہوا۔ لہٰذا اوّل اوّل یہ کام بڑی حکومتوں اور پائیدار خاندانی حکومتوں کے سربراہوں اور بادشاہوں کے ذریعے ہونے لگا۔

سونے، چاندی کے ان سکوں پر بادشاہ کا نام درج کیا جانے لگا تا کہ دوسرا فریق سونے کا سکہ لیتے وقت اس شاہی ڈھلائی کی تصدیق کے ساتھ وہ سکے وصول کرے اور کاروباری اطمینان اور اعتماد کی باہمی فضا قائم رہے۔ وقت کے ساتھ ان سکوں کی ڈھلائی میں کوالٹی اور خوبصورتی آتی گئی۔ بادشاہوں کی تصویریں بنائی جانے لگیں پھر حکومت یا خاندان کا نام لکھا جانے لگا۔ عرصے بعد ان سکوں پر اسلامی سن یا عیسوی سن لکھا جانے لگا۔ تا کہ پہلے سکے اور نئے سکے کا فرق ملحوظ رکھا جا سکے یا کسی بادشاہ کے عہد کا اندازہ ہو سکے یا اس بات کا اندازہ کیا جا سکے کہ یہ سکہ کتنا پرانا ہے اور صاف ظاہر گھس گھسا کر زیورات کی طرح اس کا وزن کتنا کم ہو گیا ہے۔

یہ عمل بھی صدیوں انسانی زندگی کا حصہ رہا۔ مقامی علاقائی اور عالمی تجارت میں اس کا دور دورہ رہا حتیٰ کہ عالمی سطح پر مختلف براعظموں میں مختلف بادشاہوں کے سکوں کے باہمی تبادلے اور مقابلتاً درجہ بندی (RELATIVE VALUE) بھی زیر بحث آتا تھا۔ ایرانی دینار، ہندی دینار، چینی دینار وغیرہ کی کوالٹی میں فرق تھا اور اس کی وجہ سے قوت تبادلہ/ مبادلہ میں فرق رکھا جاتا تھا۔

عالمی تجارت پر قابض طبقات کی ضرورت

قیمتی پتھروں کا تصور

ازمنہ ٔ قدیم سے عصر حاضر تک

☆ وسائل رزق پر قبضے اور ارتکاز (زیادہ سے زیادہ جمع کر لینا) کا تصور تو وسائل رزق جتنا ہی قدیم ہے تاہم اس کے طریقے، تہذیب وتمدن اور تجرباتی علوم کی ترقی وانکشافات واکتشافات کی وجہ سے ہمیشہ سے وسعت رہی ہے اور ابھی آگے بڑھ رہا ہے اور یہ سفر رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

☆ اس ضمن میں قیمتی دھاتوں کے جمع کرنے کے تصور کے بعد جلد ہی ـــــ قیمتی پتھروں کو استعمال کرنے کا تصور بھی سامنے آیا ہے اور اس کو عالمی تجارت میں موجود طبقات نے ہی اہمیت

دے کر رواج دیا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ پتھر ہونے کے باوجود یہ ٹکڑے قیمت میں سونے سے کہیں زیادہ مہنگے ہوتے ہیں۔

☆ ہیرے جواہرات کا رواج بھی انسانی تہذیب وتمدن میں اسی طبقے نے دیا ہے سونے سے زیادہ قیمتی اور کم جگہ گھیرنے والی اشیاء کا استعمال اور رواج پا جانا اس طبقہ کے مفاد میں جاتا ہے لہٰذا کم از کم چار ہزار سال کی تاریخ میں ان کا استعمال بادشاہوں، راجوں، مہاراجوں، شہزادوں اور طبقہ امراء واشرافیہ میں بالعموم موجود ہے۔

☆ کسی شہزادے یا بادشاہ کو ہیرے اور قیمتی پتھروں کو اپنی تحویل میں رکھنے کا عادی بنانے کے لیے اگر براہِ راست وسائل رزق کے ارتکاز کی دلیل دے اور تو ظاہر ہے کہ کوئی آدمی ایسا نکل سکتا ہے جو کہے مجھے وسائل رزق پر قبضہ اور اس کو کم جگہ میں زیادہ وسائل رزق یا ان کا بدل نہیں چاہیے یا کسی مذہبی آدمی کے ذہن میں اس خودغرضانہ اور ظالمانہ طرزعمل کے خلاف کوئی مذہبی دلیل ہاتھ آ جائے تو اس خطرے سے بچنے کے لیے عالمی تجارت میں مناپلی رکھنے والے اس طبقے نے ان قیمتی پتھروں کے خصائص بیان کرنے کے لیے ایک شعبۂ علم (OCCULT SCIENCE) ایجاد کی ہے جو دیگر مافوق الفطرت یا ناقابل فہم علوم کی طرح ہی ہے جیسے علم الاعداد اسی طرح جواہرات کے علم کا تعلق 'علم نجوم' کی طرح انسان کی خوش قسمتی اور بدقسمتی سے نتھی کر دیا گیا ہے۔

☆ ان OCCULT SCIENCE میں 'قسمت کا حال' ستاروں کی حرکت سے معلوم کرنے کا رواج بھی پرانا ہے۔ جبکہ عصر حاضر میں فلکیات اور ASTRONOMY کا جاننے والے سمجھتا ہے کہ ستاروں کا انسان کی قسمت اس کی زندگی کے نشیب وفراز سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ بقول علامہ اقبال

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخی افلاک میں ہے خوار و زبوں

یعنی اپنی مرضی کے دخل کے بغیر فضا میں مسلسل محو حرکت کر دیے جانے والی شئے جو اس کام میں لگے ہوئے ہیں، کوئی وقفہ REST یا تبدیلی کی جرات نہیں رکھتی وہ بے جان شئے اشرف المخلوقات انسانوں کی قسمت کا کیا حال بتائیں گے یا کسی کی قسمت پر کیسے اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

☆ اس کے باوصف علوم نجوم اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ عوام وخواص کو بے وقوف بنانے میں مصروف عمل ہے اور لوگوں میں اپنے صیاد کے پاس خود چل کر جانے والے شکار انسان موجود ہیں سوائے جہالت، کم علمی، دین اسلام سے ناواقفیت (قرآن وحدیث سے ناواقفیت) کے علاوہ ایسے بامقعول علوم کے پھیلاؤ کا کوئی جواز نہیں ہے۔

☆ سال کے بارہ مہینوں کو مختلف ستاروں کے نام دے کر پھر ہر انسان کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے ان کو جوڑنا کہ تمہارا وہ ستارہ ہے۔ اور اس ستارے سے متعلق ہونے کے بعد یہ بتانا کہ تمہاری قسمت کا حال اس ستارے کی گردش سے ہے اور تمہارا ستارہ گردش میں ہے والا محاورہ ظاہر کرتا ہے آج سے صدیوں پہلے یہ علم گھڑا کیا گیا اور انسانوں پر اپنے مقاصد کے لیے تھوپ دیا گیا۔

☆ اس علم کے ذریعے عوام وخواص کو ہیرے جواہرات خریدنے پر آمادہ کرنے کے لیے کسی سائنسی تکنیک کے بجائے براہ راست قسمت کے ساتھ جوڑ کر اس شخص کو سبز باغ دکھانے آسان کر دیے گئے ہیں۔ ایسی APPEALING کہ خوش قسمتی میں جولانیاں اور HI-TIDE کے لیے متعلقہ رنگ کے پتھر کو اپنے پاس رکھنا ہی تمہارے اچھے مستقبل کی دلیل ہے۔

بنی اسرائیل ہی نے یہ علم قتل انبیاء کرام، کے جرم کے بعد ایجاد کیا اور خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسری خلق خدا کو بھی گمراہ کرنے کا ٹھیکہ حاصل کر لیا۔ کہاں گئی آسمانی ہدایت اور کہاں گئی تورات اور زبور اور کہاں گئیں پتھروں کی تعلیمات لہٰذا وسائل رزق کے ارتکاز پر کسی شخص کو آمادہ کرنے کے لیے اسے علم معقول (COMMAN SENSE) سے دور رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ وہ عقل کو پہلے ہی ایک طرف رکھ دے تاکہ اس عملی زندگی میں اب جو ماہرین خواص بتائیں پتھروں کے وہ خواص ماننے پڑیں گے۔ اور اس کا پرچاک بنانا پڑے گا

☆ بعد ازاں ان پتھروں کو اپنے پاس جیب میں رکھنے سے آدمی چھپا رہے گا اور کسی وقت بھی اس 'نئے مذہب' کا منکر ہو کر اس کو خیر باد کہہ سکتا ہے۔ لہٰذا زیورات کا تصور دیا گیا جس کے لیے چاندی سونا پہلے سے موجود تھے لہٰذا مردوں کے لئے سونے چاندی کی انگوٹھی (بھاری بھرکم) کا تصور عام کیا گیا۔

☆ اس علم کو عوام تک پہنچانے اور ان کو قائل کرنے کے لیے مذہب کو بھی استعمال کیا گیا۔

کیونکہ دو ہزار سال پہلے مذہب کی ایک حیثیت تھی اور پھر ارتکاز دولت کے مذہبی طبقات کو تشہیری مہم کا حصہ بنانے کے لیے ان کو قائل کر کے اس ٹیم کا حصہ بنایا جوان پتھروں کو خود بھی استعمال کریں اور دوسرے ان کی دیکھا دیکھی یا اس میں جہاد بالسان کے طور پر زبانی فضائل بیان کرنے کی حد تک مذہبی جذبات اور مذہبی شخصیات کو استعمال کیا گیا۔

آج عیسائیت کی جو HIERARCHY ہے اور اسی طرح یہودیت کی جو منظّم اور مستقل قیادت عظمٰی ہے وہ خود اپنے سرکاری لباس میں بالخصوص مذہبی رسومات کی ادائیگی میں جو لباس زیب تن کرتے ہیں اس میں ان تمغوں اور MEDALS کے علاوہ ان قیمتی پتھروں کا استعمال میں بہت اہمیت رکھتا ہے اور ان کو باقاعدہ ان پوپ اور پادریوں کی پہچان اور شناخت کے علاوہ درجہ بندی کا بھی ذریعہ بنایا گیا ہے۔

راجے، مہاراجے، بادشاہ، شہزادے اور قیمتی پتھر

تاریخ میں راجے، مہاراجے، بادشاہ اور شہزادے بالعموم دنیا پرست اور دنیا کے لالچی ہوتے ہیں۔ ان کے پیش نظر دوسروں سے وسائل رزق چھین کر اپنے پاس جمع کر لینے اور اپنی حدود مملکت کو وسعت دینے کے علاوہ کوئی نصب العین اور ٹارگٹ نہیں ہوتا۔ ایسے مقتدر ازاد کے لیے خزانہ سنبھال کر رکھنا ضروری ہوتا ہے اور وہ لوٹا ہوا وسائل رزق کا خزانہ جتنی کم جگہ میں رکھا جا سکے اتنا ہی محفوظ ہوگا اور وہ بادشاہ مطمئن ہوگا۔ قرآن مجید میں وارد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل کا ایک آدمی اپنی امارت میں تھا اور اس کے خزانے اتنے تھے کہ کئی اونٹ اس کے خزانوں کی چابیاں ہی لادے پھرتے تھے۔ ایسے بادشاہوں، ان کے شہزادوں اور وزیروں مشیروں کو ارتکاز دولت کے لیے قدیم زمانے میں ہیروں جواہرات کا قائل کر کے فروخت کرنا اسی لالچ اور لوٹ کھسوٹ کی نفسیات کا آئینہ دار تھا کہ وہ جلد اس کے قائل ہو جاتے ہیں۔

عالمی تاجر اور حکمران و تبادلہ تحائف

ان قیمتی پتھروں کو رواج دینے اور بڑھانے کے لیے ایک طبقہ ساری دنیا میں پھیلا رہتا تھا، عالمی رابطے رکھتا تھا، فارغ رہتا تھا قیمتی دھاتوں قیمتی پتھروں میں DEAL کرتا تھا سال دو سال کے وقفے سے کسی وزیر مشیر کے بیٹے کی شادی آ گئی اب وہ جاگ جاتا تھا اور تمام وزیروں

مشیروں بادشاہ سلامت، شہزادیوں اور گھروں کے اندر شاہی حرم کو اس شادی کے موقع پر لباس، زیورات اور تحفے دینے کے نام پر ڈھیروں پتھر بیچ دیتا تھا۔ پھر جس وزیر مشیر کے ہاں شادی ہوتی تھی اسے احسان کا بدلہ احسان کے طور پر تحائف کے لیے مزید کچھ قیمتی منہ مانگی قیمت پر فروخت کر دیتا تھا اور ڈھیروں منافع سمیٹ کر پھر دوبارہ آرام کرتا تھا یا عالمی سیاحت اور رابطوں کے لیے سفر پر نکل جاتا تھا تا آنکہ سال دو سال بعد بادشاہ کی سالگرہ، تخت پوشی کی سالگرہ کسی کے بچے کی پیدائش کا موقع دوبارہ آن کھڑا ہوتا تھا اور پھر وہی عمل دوبارہ جاری ہوتا تھا۔

عالمی تجارت پر قابض طبقہ عیاش لبرل حکام اور قیمتی پتھر

عالمی تجارت پر بنی اسرائیل کا صدیوں اجارہ داری کی حد تک قبضہ ہے۔ یہ طبقہ نہیں چاہتا کہ کوئی ایسی تحریک اٹھے یا مصلح کھڑا ہو جو اس کی اجارہ داری کے نظام کو تہ و بالا کر دے۔ یہ بات اس طبقے کے مفاد میں ہے کہ دنیا میں 'خلافت راشدہ' کا نظام زیادہ دیر نہ رہے۔ دنیا کو بادشاہ اور شہزادے ہی راس آتے ہیں اور عالمی تاجر طبقہ کو بھی اسی میں اپنا شاندار مستقبل نظر آتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں اس طبقہ نے سازشوں اور جنگوں کا ایک سلسلہ جاری رکھا اور درحقیقت دین دشمنی اور خدا بیزاری کو فروغ دے کر اپنے مقاصد کو حاصل کیا جو آج بھی صیہونیت اور ZIONS کے مقاصد ہیں۔ پھر بادشاہت اور شہزادوں کی سیاست ان کو راس آ گئی۔ ساتویں صدی سے اٹھارھویں صدی تک دنیا میں بادشاہت کا ہی نظام تھا جو مشرق و مغرب میں جاری تھا۔ اور اوپر درج مقتدر طبقہ کی لوٹ کھسوٹ کی روش اور لوٹا ہوا کم جگہ محفوظ کرنے کے لیے سونا، ہیرے اور قیمتی پتھر ہی ان حکمرانوں کی کمزوری تھی اور بنی اسرائیل (یہود) اس کمزوری سے خوب خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔ جب سلطنت کمزور ہوتی بادشاہ کو زوال آ جاتا تو یہ طبقہ ان ہیروں کو نقد رقم کی کمی اور مختلف حیلوں بہانوں سے کم قیمت پر خرید کر دوبارہ اپنے پاس رکھ لیتا۔ ہیرے اور قیمتی موتی صدیوں بعد بھی خراب نہیں ہوتے اور ضرورتمند سے اپنی قیمت پاتے ہیں۔

سلطنت مغلیہ کا زوال اور عالمی تاجر طبقہ

1857ء میں جب مغلیہ سلطنت کا جنگ آزادی کی کوشش میں ناکامی پر زوال آ گیا تو

مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو رنگون بھیج دیا گیا اور شاہی خاندان و بیگمات بے یار و مددگار در بدر کی ٹھوکریں کھاتے چھپتے چھپاتے جان بچاتے پھر رہے تھے۔ اپنے قدر دانوں اور بہی خواہوں کے پاس دیہاتوں اور دور دراز علاقوں میں سر چھپاتے پھر رہے تھے۔

خواجہ حسن نظامی نے' بیگمات کے آنسو' میں جو خون کے آنسو رُلانے والے واقعات بیان کئے ہیں اس طبقے کی اسی طرح کی قیمتی پتھروں کی تجارت کی داستان ہے شاہی دولت اب ان بیگمات کے پاس قیمتی ہاروں اور ہیروں جڑے زیورات کی شکل تھی کوئی ہیرا دو لاکھ کا ہے اور کوئی چار لاکھ قیمت کا ہے مگر دیہات میں ان پتھروں کے ٹکڑوں کو کون خریدتا۔ لہٰذا بیگمات کے پاس کھانے کو کچھ نہیں مگر لاکھوں مالیت کے ہیرے موجود ہیں یہ قیمتی پتھر دوبارہ اونے پونے میں بک گئے اور چالاک یہود کے ایجنٹوں نے THROW AWAY قیمت پر خرید کر اپنی تجوریوں کی دوبارہ بھرا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

قیمتی پتھر اور عصر حاضر

مختلف اصطلاحات

☆ بنی اسرائیل یہود ہیں اور یہود کے لیے انگریزی میں JEW لفظ استعمال ہوتا ہے۔ عالمی تجارت میں غلبے اور مناپلی کے باعث اسی نام کو برتری حاصل رہی اور قیمتی پتھر کی پہچان بھی یہودیوں کی نسبت سے ہونے لگی۔ چنانچہ انگریزی JEWEL اور جیولری JEWELLARY لفظ JEW ہی لیے مشتق ہے۔ اہل علم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں۔

☆ آج بھی مارکیٹ میں انسانوں کے استعمال کی بے شمار چیزیں موجود ہیں۔ پھر ان ہی درجہ دبندی ہے۔ مثلاً کلائی کی گھڑی ہے۔ گھڑی سازی کی پرانی صنعت صدیوں سے سوئزرلینڈ میں بنی اسرائیل (یہود) کے ہاتھ میں ہے اور کلائی کی گھڑیاں چند ہزار روپے کی قیمت سے لے کر لاکھوں روپے اور 50 لاکھ روپے اور لاکھوں ڈالر مالیت کی ہوسکتی ہیں اور یہ مہنگی گھڑیاں اس بنیاد پر مہنگی ہوتی ہیں کہ ان میں قلم کے نقطے کے سائز کے دس بیس، تیس جیولز لگے ہوتے ہیں اور گھڑی کے ڈائل پر اس کے مہنگے ہونے کی نشانی 14 جیولز اور اس طرح عبارات درج ہوتی ہے اور یہ سب انڈسٹری آج بھی یہود کے پاس ہے۔

ہیروں کی مانگ اور تراش خراش

ہیرے جب کانوں سے نکالے جاتے ہیں تو ناتراشیدہ ہوتے ہیں اور بدشکل ہوتے ہیں لٰہذا____ ان کی تراش خراش کے لیے ایک پوری انڈسٹری ہے اور بڑی مہنگی صنعت ہے۔ یہ صنعت سب یہود کی ملکیت ہے۔ چھوٹا سا نگینہ بھی آپ محدّب عدسہ (MAGNIFYING GLASS) سے دیکھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ ایک ملی میٹر لمبا اور ایک ملی میٹر چوڑا نگینہ بھی صحیح چھ پہلو یا آٹھ پہلو کی بناوٹ والا ہوگا اور اس پر بڑی نفاست سے چھوٹے چھوٹے نقش ونگار اور قوسیں اور لکیریں نظر آتی ہیں جو بڑی مہارت کے ساتھ بنائی جاتی ہیں۔ اس کے بڑے ڈیزائن ہیں اور مہنگی تراش خراش مہارت کا متقاضی ہیں۔

ذیل میں مہنگے ہیروں کے چند فوٹو اور ان کی تراش خراش کے چند نمونے درج ہیں:

تصاویر

ملکہ برطانیہ کا تاج، جو بیش قیمت
ہیرے 'کوہِ نور' سے مرصع ہے

علاقائی اور عالمی تجارتی خاندان
(BUSINESS HOUSES) کا تصور
____ عالمی تجارت میں ایک قدم اور آگے

سونے ر چاندی کے سکوں کی شکل میں زر (CURRENCY) کی ابتدائی شکل وجود میں آئی۔قوت خرید کا تعین کسی شخص کے پاس زر (سونے ر چاندی کے سکوں) کی مقدار رتعداد سے لگایا جانے لگا۔صدیوں پہلے کے دور میں اجناس کو جمع کر کے اپنے پاس رکھنا یا ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا مشکل تھا مگر زر کا سکوں کی شکل میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی کا کام مقابلتاً آسان ہو گیا۔تاہم طویل تجارتی سفری مراحل میں ڈاکوؤں اور لوٹ مار کے امکانات موجود تھے۔

اس مرحلہ پر تاجروں کے تجربے نے اس عمل کو ایک قدم اور آگے بڑھایا اور زر کی منتقلی کو قدرے آسان کر دیا کہ تجارتی شاہراہوں کے اہم مقامات ____ آغاز، اختتام، شاہراہوں، چوک (CROSSINGS) یا بڑی عالمی منڈیوں یا ملکی، بین الاقوامی میلوں (صنعتی نمائشوں) پر علاقائی یا عالمی تجارتی خاندان آباد ہوتے تھے۔انہوں نے آپس میں خاص سکوں کی وصولی کی تحریر دے کر دوسری جگہ اس رسید کو قبول کر کے اتنے سکے دے دینے کے عمل کو شروع کیا اور جیسے جیسے اعتماد بڑھا اور اس مالیاتی عمل کی افادیت تاجروں کی سمجھ میں آئی اس طریقے سے زر کی منتقلی کے عمل کو قبول عام کا درجہ حاصل ہو گیا اور تجارت کی ضرورت بن گیا۔

تجارتی معاملات میں زر کی کمی اور اس کمی کو پورا کرنے کا طریقہ

ہر با شعور انسان یہ تجارتی راز سمجھتا ہے کہ تجارت کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک زر (سرمایہ) اور دوسرا تجارتی تجربہ۔کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی تاجر آدمی کے پاس زر ہوتا ہے مگر ضائع ہو جاتا ہے اب اس شخص کو تجربہ ہے مگر فی الحال اس کے پاس سرمایہ نہیں ہے۔یا تو ایسا شخص کسی دوسرے تاجر پیشہ آدمی سے سرمایہ لے کر کاروبار کرتا ہے اور آمدنی یا منافع ایک طے شدہ اصول کے مطابق تقسیم ہونا ضروری ہوتا ہے۔اس طریقہ پر عمل درآمد کے لیے باہمی اعتماد، سابقہ تجربہ، واقفیت وغیرہ بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

محنت اور سرمایہ کے اشتراک سے رزق پیدا کرنے کا یہ طریقہ آج بھی رائج ہے اور اس کے ذریعے کاروبار ہوتے ہیں۔ تاہم محنت کرنے والے کو وقت کے ساتھ ساتھ یہ احساس ہوتا ہے کہ محنت میں کرتا ہوں اور عموماً نصف منافع سرمایہ دار کو دینا پڑتا ہے۔ یہ منافع ہاتھوں سے نکلتا دیکھ کر انسان دوسرے طریقے ایجاد کرنے کا سوچتا رہا ہے۔ صدیوں پہلے انسان نے اس کے لیے ایک قابل عمل حل نکالا اور اس کے تجربات کیے مگر یہ طریقہ ایک معقول مدت کے بعد استحصال کا ذریعہ بن جاتا ہے یہ طریقہ سرمایہ اور محنت کی شراکت (منافع کی باہمی تقسیم) کے اصول پر استوار سابقہ طریقے سے زیادہ خوفناک بن جاتا ہے۔ یہ دوسرا طریقہ سود یا INTEREST کہلاتا ہے۔

سود (INTEREST) کی قباحت اور برائی

شراکت کی بنیاد پر سرمایہ اور محنت سے حاصل کیا گیا منافع محنت کرنے والے کو اور سرمایہ دار کو عموماً برابر برابر تقسیم ہوتا ہے۔ تاہم نقصان کی صورت میں محنت کا نقصان کم اور سرمایہ کا زیادہ ہوتا ہے اس لیے کہ محنت تو صرف ہوئی ہے حالات کی وجہ سے منافع نہیں ہوسکا لہٰذا محنت کرنے والے کو نقصان کم ہوتا ہے جس کو بالعموم محنت کرنے والا نظرانداز کرکے منافع کی صورت میں سرمایہ دار کو زیادہ منافع دینے پر رنجیدہ ہوتا ہے۔ جبکہ سود کی شکل یہ ہے کہ سرمایہ دار کسی بھی شخص کو مطلوبہ سرمایہ ایک خاص طے شدہ شرح (مثلاً 15%) پر حسب خواہش سرمایہ دے دیتا ہے۔ اس سرمایہ کے عوض کوئی ٹھوس گارنٹی اپنے پاس ضرور رکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد تجارت میں محنت کرنے والے شخص کو نفع ہو یا نقصان سرمایہ دار کو صرف اپنے طے شدہ شرح سے سالانہ منافع درکار ہوتا ہے۔ شروع میں تو یہ طریقہ محنت کرنے والے کو اچھا لگتا ہے اور دلکش محسوس ہوتا ہے مگر نقصان کی صورت میں یا بیماری کی صورت میں یا موسمیاتی یا قدرتی آفات کی صورت میں نقصان پر بھی اس کو سرمایہ دار کو منافع بہرحال دینا ہوتا ہے۔ یہ طریقہ سودی کاروبار یا INTEREST BASED ECONOMY کہلاتا ہے۔

علاقائی یا عالمی تجارت میں مصروف خاندانوں میں اس کا رواج پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے۔ مگر اس طریقے سے محنت کی جو بدترین شکل میں استحصال ہوتا ہے، اس کی وجہ سے یہ طریقہ شریعت موسوی یعنی یہود کے ہاں بھی ممنوع اور حرام تھا (یعنی USURY) اور عیسائیت میں بھی

حرام تھا اور اب بھی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام میں اس کو حرام قرار دیا۔ اس وجہ سے کہ یہ انسانی محنت کا استحصال ہے اور یہ رواج پا جائے تو معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے اور مہنگائی سر اٹھاتی ہے اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔

سود کی حرمت کے باوجود تجارت میں سود کا رواج (INTEREST)

سود کی قباحت اور استحصالی طریقہ ہونے کے باوصف تجارت کے میدان میں اس کا رواج زمانہ قدیم سے ہو گیا۔ غالباً اس کی وجہ سے بنی اسرائیل کا بگڑا ہوا طبقہ ہی تھا کیونکہ وہ آسمانی ہدایت کا علمبردار ہونے کے باوصف تورات کے احکام پر عمل نہیں کرتا تھا اور آگے بڑھ کر پیغمبروں کو قتل کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا تھا اس لیے تورات کی حرام کردہ چیزوں کو منافع خوری کے لیے استعمال کرنے کو مجرمانہ طور پر انہوں نے رواج دے دیا۔

قدیم زمانے میں یہ سودی نظام رائج ہوا اور صدیوں سے یہ نظام عالمی تجارت کا حصہ ہے بلکہ علاقائی اور مقامی تاجروں میں اس چیز نے جڑ پکڑ لی ہے۔ اس سودی نظام سے بہت سے لوگ نقصان اٹھاتے ہیں اور اس نظام کی خرابیوں کے قائل ہو جاتے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے طبقے کا جو اپنے مفاد، ناجائز منافع خوری، وسائل رزق کا ارتکاز اور ناجائز قبضہ کے جنون میں اس استحصالی نظام کو جاری رکھنے کا عہد کیے بیٹھا ہے۔ اس سودی نظام کی خرابیوں کی تفہیم اور افہام کے لیے الگ سے مطالعہ کی ضرورت ہے اور دلائل کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

تورات، انجیل تو اب مسخ شدہ کتابیں ہیں۔ بنی اسرائیل نے ان عبارات کو یقیناً بدل دیا ہوگا جو اصلی نسخوں میں آسمانی ہدایت کے طور پر نازل ہوئی تھیں۔ اس کا وبال یقیناً سود کے حرام ہونے سے متعلق آیات کو مٹانے کے نتیجے کے طور پر مفاد اٹھانے والے طبقہ یعنی بنی اسرائیل پر ہوگا۔ اگر بنی اسرائیل اپنی بات میں مخلص ہوتے کہ سود حرام کہاں ہے تو تورات انجیل کے اصلی نسخوں کی عبارت کو بدلنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ روئے ارضی پر اب صرف آخری آسمانی ہدایت قرآن مجید ہی موجود ہے جو بنی اسرائیل کے سودخوری کے رویے پر سخت الفاظ استعمال کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ

لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ O (63:05)

''بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے؟ بلاشبہ وہ بھی برا کرتے ہیں''۔

لَقَدۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ وَ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰٓى اَنۡفُسُهُمۡ ۙ فَرِيۡقًا كَذَّبُوۡا وَفَرِيۡقًا يَّقۡتُلُوۡنَ O (70:05)

''ہم نے بنی اسرائیل سے عہد بھی لیا اور ان کی طرف پیغمبر بھی بھیجے (لیکن) جب کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسی باتیں لے کر آتا جن کو ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو وہ (انبیاء کی) ایک جماعت کو تو جھٹلا دیتے تھے اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے''۔

اَلَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا كَمَا يَقُوۡمُ الَّذِىۡ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَيۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (معاشرے میں) نہیں کھڑے ہوتے (یعنی چلتے پھرتے) مگر جیسے کسی کو شیطان نے چھو کر حواس باختہ کر دیا ہو۔ یہ (سزا) اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کاروباری لین دین بھی سود کی طرح ہی تو ہے۔ حالانکہ کاروبار کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام''۔

فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ فَانۡتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمۡرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ O (275:02)

''تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا۔ اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد۔ اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے''۔

يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيۡمٍ O (276:02)

''اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور

اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ O (277:02)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کو ان کاموں کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے''۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَO

''مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَO

اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہوتے ہو اور اگر توبہ کر لو گے اور سود چھوڑ دو گے تو تم کو اپنی اصلی رقم لینے کا حق ہے جس میں اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان''۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَO

''اور اگر قرض لینے والا تنگ دست ہو تو (اسے) کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت دو اگر زرِقرض بخش دو تو وہ تمہارے لیے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو''۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ O (281:02)

''اور اس دن سے ڈرو جبکہ تم اللہ کے حضور میں لوٹ کر جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی کو کچھ نقصان نہیں ہوگا''۔

سود_عالمی تجارت میں مصروف خاندان (BUSINESS HOUSES)

اور بینکوں کا اجراء BANKS & BANK INTEREST

سود (INTEREST) کے حرام ہونے کے باوصف بنی اسرائیل کے مقتدر اور عالمی تجارت میں نمایاں ترین طبقات نے اس حرام کاری کو فروغ دینے میں بنیادی رول (ROLE) ادا کیا ہے۔ ازمنۂ وسطیٰ میں دنیا کا پہلا بینک 1605ء میں انگلینڈ میں قائم ہوا اور یہ بینک نجی سطح پر قائم ہوا۔ اس بینک کے قیام کے پس پردہ بنی اسرائیل کے عالمی تاجر ہی تھے جنہوں نے اپنے ابلیسی وجود کو دنیا میں قائم رکھنے کے لیے یورپ میں سائنس کی ترقی، صنعتی انقلاب اور یورپی اقوام کے عالمی .... کے ساتھ کئی تحریکیں چلائیں۔ پہلے مذہب کو ریاست سے الگ کر دیا کہ ریاست سیکولر ہوگی پھر عیسائیت کو دو حصوں میں تقسیم کرا دیا: ORTHODOX اور PROTESTANTS۔ پھر پروٹسٹنٹس نے سوائے عیسائی نام رکھنے اور عیسائی کہلوانے کے، باقی تمام مذہبی پابندیاں ختم کر دیں حتیٰ کہ سود کو بھی حلال کر لیا۔ اس تمام عمل اور تحریکوں کے پیچھے اور اس طبقہ میں چھپے ہوئے بنی اسرائیل کے لوگ ہی ہیں۔ پہلے پہل اس بینک میں سونے/ چاندی کے سکوں کے عوض ایک تحریر (NOTE) دیے جاتے تھے جو کسی دور مقام پر اسی بینک کی شاخ میں دکھا کر مطلوبہ رقم حاصل کی جا سکتی تھی۔ بینک کے پاس لوگوں کا جمع شدہ سرمایہ بڑھا اور قرض لینے والوں کی ضروریات بڑھیں تو بینکوں سے قرض لینے اور بینک انٹرسٹ کا رواج پڑ گیا ــــــ اسی بینکنگ اور بینک انٹرسٹ کے کاروبار نے جڑ پکڑ لی اور دیکھتے دیکھتے عالمی سطح پر پھیل کر پوری دنیا اور تہذیب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

کاغذی نوٹ (PAPER CURRENCY)

بینک آف انگلینڈ کا قیام 1605ء میں انگلینڈ (لندن) میں عمل میں آیا۔ کچھ عرصے اس بینک کے ذریعے اور اس کی برانچوں اور دیگر عالمی تجارتی اداروں (BUSINESS HOUSES) کے مابین معاہدوں کے بعد سونے کے سکے وصول کر کے ایک تحریر سائل کو پکڑا دی جاتی تھی جو اسے دیگر مراکز میں حسب ضرورت جا کر اسی طرح کے مطلوبہ مقدار میں سکے یکمشت یا کئی قسطوں میں وصول کر سکتا تھا۔ یہ نظام آج کے عالمی بینکنگ نظام کی بنیاد بنا۔

کاغذی نوٹ کا ارتقاء ____ ایک ضرورت

مشہور مقولہ ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے یعنی بنی نوعِ انسان کو عام زندگی میں کسی چیز کی کمی کا احساس ہوتا ہے وہ احساس بڑھ کر بہت سے انسانوں کا مشترکہ (ایک جیسا) احساس بنتا ہے۔ پھر کوئی متعلقہ شعبے کا ماہر اس ضرورت کو پورا کرنے کا طریقہ نکالتا ہے۔ وہ طریقہ کچھ وقت میں عمل درآمد کے بعد کئی طرح کی تبدیلیوں اور ترمیموں کے بعد ایک معقول، آسان، مقابلتاً سستا ذریعہ بن کر انسان کے استعمال میں آجاتا ہے پھر زیادہ لوگ اس کے طلبگار بن جاتے ہیں۔ اس مشین/آلہ یا مطلوبہ چیز کی وضع قطع، سائز، استعمال میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ پھر اس چیز کی کئی سستی/مہنگی اور اشرافیہ کے استعمال کے لیے شاہی (ROYAL) درجے کی اشیاء بننا شروع ہوتی ہیں اور یوں ہر طبقہ کا آدمی غریب ہو یا امیر اس چیز کو اپنے استعمال میں لاتا ہے۔ پھر وہ شئے (PRODUCT) بنانے والے لوگ/ادارے اپنی مصنوعات کو عوام اور متعلقہ شعبے کے لوگوں کو متعارف کرانے کے لیے اشتہاری مہم چلاتے ہیں تاکہ اس بات کا علم دوسروں کو ہو اور وہ بھی اس چیز کے خریدار بنیں۔ آج کل ریڈیو، ٹی وی، ٹی وی چینلز، اخبارات، رسائل، بینرز، بل بورڈ، چھوٹے بڑے اشتہاری بورڈ، دیوہیکل سائز کے شاہراہوں کے بورڈ کہ کار، ریل، بس میں چلتے چلتے لوگ دیکھیں اور اس PRODUCT کی خریداری کا منصوبہ بنائیں۔

کاغذی نوٹ کا ارتقاء بھی اسی طرح ہوا ہے اور اس کے عوامی استعمال میں آج جو زبردست تیزی نظر آتی ہے وہ ان تمام عوامل کا نتیجہ ہے۔ بینکوں کے بڑے اشتہار اس 'نوٹ' کے فائدے، بینک اکاونٹ کی سہولت اور مزید بے شمار سہولتوں کی معلومات پر یہ اشیاء انسان کے اندر چاہت پیدا کرتی ہیں اور لوگ ان سہولیات کے پیش نظر اس بینکنگ کے نظام اور بالواسطہ طور پر کاغذی نوٹ کی بے شمار سہولتوں کے سحر میں گرفتار ہو کر بینک کا رخ کرتے ہیں۔

کاغذی نوٹ اور بینکنگ کا نظام

صدی دو صدی قبل بینکوں کے وجود کے باوصف بینکنگ کا نظام اتنا ہمہ گیر نہیں تھا یہ خواص کے درجے کی چیز تھی۔ مگر اوپر درج سہولتوں کے پیش نظر انسان 'نوٹ' کما کر اس کے تحفظ کی

خاطر بینک کا رخ کرتا ہے اور پھر بینک اکاؤنٹ کھولتا ہے اور پھر ایک لمبی خوشنما ترقی کی شاہراہ پر سہانے خوابوں کے سہارے اپنا سفر شروع کر دیتا ہے۔

بینکنگ اور بینک کی بیان کردہ سہولیات

بنی اسرائیل کے اس طبقے جو عالمی تجارت پر قابض ہے اور ہر طرح سے اس کی نگرانی کر رہا ہے اس کی تفاصیل کو بنظر غور مشاہدہ کر کے عوامی ضروریات کے مطابق اس کو تبدیل کر کے (TAILORING) خوشنما بنا کر اپنے کسٹمرز (CUSTOMERS) کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یہاں پہنچ کر بینک اپنی اعلان کردہ سہولیات کو مزین کر کے خوبصورت، خوشنما، دلکش اور مسحور کن الفاظ کے ذریعے دنیاوی ضروریات (حالیہ اور مستقبل) کے حل کا مؤثر ذریعہ بنا کر پیش کرتا ہے۔

بینک اکاؤنٹ کے ذریعے:

____ آپ کے پیسے کی حفاظت

____ آپ کے پیسے آپ کو واپس کرنے کے لیے چیک کا استعمال ضروری ہے۔ چیک بک ایک معاشی برتری اور تعلیم یافتہ ہونے اور آسودہ حال ہونے کی علامت (SYMBOL)

____ چیک بک کی قیمت آپ نے دینی ہے

____ رقم نکلوانے پر عائد کردہ پابندی

عام آدمی کو باور کرایا جاتا ہے کہ رقم کو محفوظ رکھنے کے لیے زیادہ استعمال نہ کریں۔ لہٰذا ضرورت کے مطابق ماہانہ یا ہفتے میں ایک یا دو مرتبہ رقم بینک سے نکالیں (WITHDRAW)

____ اگر اپنی رقم کبھی کبھی نکالیں تو بینک بچت اکاؤنٹس کا تصور دیتا ہے

____ اس بچت اکاؤنٹ پر آپ کو منافع (INTEREST) یعنی سود کی پیشکش کرتا ہے

____ اگر کوئی شخص (CUSTOMER) اپنے اکاؤنٹ میں رقم ایک معینہ مدت تک مستقلاً رکھ دیتا ہے اور WITHDRAW نہیں کرتا بینک اس عمل کو FIX DEPOSIT تصور کرتا ہے اور اس پر زیادہ منافع/سود دیتا ہے اس طرح انسانوں کو ترغیب دیتا ہے کہ زیادہ کماؤ، بینک میں رکھو، محفوظ رکھو اور زیادہ منافع/سود کماؤ۔

____ ہاں اگر کوئی کاروباری آدمی اپنی ضروریات کے پیش نظر بینک سے رقوم نکلوانے پر پابندیاں

نہیں برداشت کرسکتا تو

(ا) ایک سے زیادہ بینک اکاونٹ کھول لے۔

(ب) جاری اکاونٹ (CURRENT ACCOUNT) کھول لے۔ تاکہ بار بار رقم نکلوانے کی سہولت ہو۔ اس صورت میں بینک آپ کے اکاونٹ کی کم از کم رقم مقرر ہے ورنہ اس اکاونٹ میں آپ کو بینک چارجز کی مد میں بینک کو رقم ادا کرنا ہوگی۔ حالانکہ آپ کا پیسہ بینک میں ہے اور وہ اس کو مفت میں استعمال کرتا ہے۔

(ج) پھر بینک آپ کو کئی مالیاتی سکیمیں دے کر پر کشش منصوبے پیش کرتا ہے۔ چھ سال کا فکس ڈیپازٹ، 10 سال کا فکس ڈیپازٹ، ماہانہ آمدنی سکیم بچوں کی شادی کی سکیم وغیرہ وغیرہ۔ چند سالوں کے فکس ڈیپازٹ پر آپ کی رقم دگنی ہو جائے گی۔

(د) بینکوں سے قرضے (سودی قرضے)

بینکنگ کے نظام کا پھیلاؤ اور انسانی زندگی پر حاوی ہو جانا

بینکنگ ــــــ ایک سادہ انسانی ضرورت کی تکمیل سے شروع ہو کر چیک بک سے ترقی اور پھیلاؤ میں بڑھتے بڑھتے آج ATM کارڈ ــــــ کہ ایک کارڈ حاصل کرلیں اور اپنی رقم کسی وقت 24/7 کسی شہر میں حاصل کرلیں۔

آج ــــــ دوسری طرف مصروفیات کی وجہ سے یوٹیلیٹی بلز ــــــ فون بلز، بجلی کا بل، پانی کا بل، مختلف محکمانہ ادائیگیاں ــــــ اب بینک کارڈ کے ذریعے ہوسکتی ہیں۔

پھر ــــــ ضرورت ہے بینک میں اپنی رقم کم ہے۔ بینک سے قرض لے لیں اس کے لیے پہلے سے خصوصی کارڈ (DEBIT CARD) جاری کروالیں کہیں خرچ کرنے یا خریداری میں رکاوٹ نہیں آئے گی اور اشرافیہ کی علامت کے طور پر باعزت شہری بنیں۔

کارڈ سے خریداری ــــــ شاپنگ سنٹرز، شاپنگ مال، پٹرول پمپ، دکاندار، چیزوں کی عام خریداری ــــــ اپنا کارڈ استعمال کریں رقم اٹھاتے نہ پھریں۔

بینک اور وسائل رزق کا ارتکاز

وسائل رزق پر قبضہ کرنے اور سنبھال کر رکھنے میں چند صدیاں پہلے بے شمار خطرات اور نقصانات کے اندیشے تھے۔ وقت کے ساتھ اجارہ داری سے بڑھ کر بینکنگ کا نظام آیا۔ پھر چیک بک __ATM__ بینک کارڈ __DABIT CARD__ ہر بڑے کمرشل ادارے میں کارڈ کا استعمال، ATM مشینوں کی فراوانی، رقوم کی منتقلی اور یوٹیلیٹی بلز کی ادائیگی اب وسائل رزق کو سنبھالنا، استعمال کرنا اتنا آسان ہوگیا ہے کہ آپ کروڑوں سے بڑھ کر اربوں کا سرمایہ جمع کرلیں اور آج بینک کارڈ کے ذریعے جس کرنسی میں چاہیں دنیا کے کسی کونے میں کھڑے ہو کر رقم نکلوائیں اور استعمال کریں یا ادائیگیاں کریں ___ کوئی رکاوٹ نہیں۔

بینک ___ دولت کے پجاریوں کا دوست

بینک جس طبقے نے ایجاد کیا اور چار پانچ صدیوں کے سفر کے بعد آج جہاں کھڑا ہے اہل علم اور اہل نظر جانتے ہیں کہ عوامی سہولت اور فائدے کے باوصف وسائل رزق پر قابض طبقہ کا ایک سہولت کار با اعتبار دواست بن چکا ہے۔

اس بینکنگ کے نظام کی رازداری کے اصولوں کی اٹھان اسی رخ پر ہوئی ہے کہ عام آدمی اس کو اپنی سہولت سمجھتا ہے جبکہ کرپٹ اور منافع خور، راشی اور لوٹ مار کرنے والے طبقات بینک کو اپنی پناہ گاہ (SHELTER) اور رقوم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی کا سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ سمجھتے ہیں اور استعمال کررہے ہیں۔

سودی نظام کے معاوِن اور بینکنگ دوست ادارے

وسائل رزق پر قابض بنی اسرائیل کے بڑے لوگوں نے اس سارے نظام میں اپنی ایسی پوزیشن بنالی ہے وہ اس نظام کو عالمی سطح پر پھیلا کر اب اپنے لیے وسائل میں بے پناہ اضافہ کے ساتھ ساری دنیا سے چھپ کر یہ سارا تماشا دیکھ کر رہے ہیں اور نظر بھی نہیں آتے۔ عوام کی نگاہ سے چھپے ہوئے ایسے درجنوں شعبے اور پیشے ہیں جو اسی خاص طبقہ نے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں اور ان کے ذریعے بینکنگ سے متعلق ہر سطح کے آدمی ___ عوام سے لے کر حکمرانوں اور

بادشاہوں تک سب کو لوٹ رہے ہیں۔

دنیا میں 200 کے قریب ممالک ہیں۔ چھوٹے بھی ہیں بڑے بھی۔

☆ ہر ملک کو اپنی الگ کرنسی بینک اور تجارتی ادارے بنانے کا احساس عام کیا گیا ہے اور مقتدر طبقہ اس سمت میں پیش رفت کو اپنی خود نمائی اور دنیا کے آسودہ حال اور ترقی یافتہ طبقے کا ایک حصہ سمجھے جانے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ لہٰذا ہر ملک پر اپنی کرنسی بنانے کا بھوت سوار ہے اور عوامی ضرورت ہے۔ آج عام آدمی کو ضروریاتِ زندگی کے لیے کاغذی کرنسی کے استعمال کے علاوہ چارہ کار نہیں ہے۔

200 ملکوں کی کرنسی کی طباعت اور فراہمی دنیا کا بڑا منافع بخش مگر لوگوں کی نظروں سے اوجھل شعبہ ہے جس پر صرف ایک طبقہ بنی اسرائیل کا قبضہ ہے اور ان کا ملک سوئز رلینڈ ہے۔ ان نوٹوں کا غذ، سیاہی، تحفظ اس جگہ سے دوسری جگہ منتقلی، سکوں کی بناوٹ، ڈیزائن وغیرہ نہایت اہم شعبے ہیں اور ان کو سیکورٹی حاصل ہے

____ ہر ملک میں اوسطاً 100 ارب کے چھوٹے بڑے دس کروڑ نوٹ گردش میں ہیں تو ہر ملک کے لیے ان 20 ارب نوٹوں کی چھپائی پر کاغذ، مشین، سب کا سب بنی اسرائیل کی اجارہ داری ہے____ حتیٰ کہ قارئین حیران ہوں گے کہ امریکہ جیسے مقتدر ملک کی کرنسی کی مقدار (کہ کتنے نوٹ چھاپنے ہیں) کا فیصلہ امریکی حکومت کے پاس کم اور سوئز رلینڈ کے بینکرز کے اختیار میں زیادہ ہے۔

____ ان 30-20 ارب کاغذ کے ٹکڑوں کی حفاظت کا عوام خیال نہیں رکھتے ہیں نوٹ بوسیدہ ہو کر پرانے ہو جاتے ہیں نئے چھاپنے پڑتے ہیں ڈیزائن بدلنے پڑتے ہیں یہ کاروبار نہایت منافع بخش ہے اس پر مستزاد چیک بکس، عالمی بانڈز وغیرہ ہیں۔ یہ سارا کاروبار اربوں ڈالر کا ہے۔

____ اس طرح بینکوں سے متعلق یہ سارا نظام عالمی سطح پر ایک ہی ادارہ کنٹرول کر رہا ہے اور یوں کسی ملک کی معیشت کو کنٹرول کرنا ان کی مٹھی میں ہے اور بنی اسرائیل اپنی اس مناپلی پر خوب واقف ہیں اور اس کی اہمیت کو خود پیدا کیا ہے اور بڑھایا ہے اور اس سے آج فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

وسائل رزق پر قبضے کی علامت ہیروں کی ملکیت سیاست اور شہزادے

تجارت پر خاندانی قبضے اور اس میں صدیوں کے تعامل سے اپنی گرفت کی مضبوطی اور

مکمل کنٹرول کے ساتھ بنی اسرائیل نے اپنے مستقبل کی خوب منصوبہ بندی کی تھی۔ یورپ میں سقوط غرناطہ کے بعد یہود نے مستقبل کے لیے سیاست کے رہنما اصولوں پر مشتمل ایک کتاب لکھوائی۔ میکاولی(MACHIAVELLI) (1527ء) نے بنی اسرائیل کی مطلوبہ سیاست کی رہنمائی کے لیے کتاب لکھی اس کتاب کا نام"THE PRINCE"(شہزادے) تھا۔

مفہوم اس کتاب میں یہ بیان ہوا کہ دنیا میں شہزادوں اور شہزادگی کا مزاج چاہیے اور طبقہ اس مزاج کا ہونا چاہیے کہ ان میں مالی وسائل کی وسعت کی شدید خواہش اوران کے حصول کے لیے جتھّا(فوج) بنا کر دوسرے سے لڑنا ،لشکر کشی ، فتح و شکست سے بے نیاز ہوکر بار بار اپنے مقاصد کے لیے بدامنی پیدا کرنا اس وقت تک مصروف عمل رہنا کہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوکر کسی مستحکم حکومت کی بنیاد ڈال کر وسائل رزق پر قابض نہیں ہوجاتا۔ پھر یہودی ایسے شہزادوں کے لیے مہنگی چیزیں تعیّشات، ہیرے جواہرات، اسلحہ اورمہم جوئی کے لیے قرضے سب کچھ فراہم کرکے اپنے مقاصد میں پیش رفت کے قائل ہیں۔

اس کتاب میں جواصول درج ہیں اور میکاولی کے چند جملے اور اقوال اس طرزِ سیاست کو سمجھنے کے لیے درج کیے جارہے ہیں جو اس مغربی بالادست طبقے کے رہنما اصول ہیں اور جس پر مغربی حکمران اوراشرافیہ عمل پیرا ہے اور یہ سارے اصول اسلام سے متصادم ہیں۔

میکاولی کے جملے

1. Politics have no relation to morals.

2. If an injury has to be done to a man it should be so sever that his vengeance need not be feared.

3. It is double pleasure to deseive the deceiver.

4. The wise man does at once what the fool does finally.

5. Never was anything great achieved without danger.

6. He who wishes to be obeyed must know how to

command.

7. Before all else, be armed.

8. It is much more secure to be feared than to be loved.

9. Whosoever desires constant success must change his conduct with the times.

10. A prince never lacks legitimate reasons to break his promise.

اسی عالمی تجارت کے ان اصولوں اور اس کے پھیلاؤ کی وجہ سے ہر چیز کاروبار اور تجارت بن گئی ہے۔ سارے رشتے، تعلقات اور میل جول نے انسانی اقدار کی بجائے کمرشل فائدے کی شکل اختیار کرلی ہے۔ عوام اور اشرافیہ کی استعمال کی چیزوں میں درجہ بندی پیدا کر کے ہندو سماج جیسی ذات پات کی تمیز پیدا کردی گئی ہے۔ غریبوں کی گندی بستیوں اور تنگ گلیوں کے مکینوں سے لے کر بحریہ ٹاؤن اور جدید آراستہ پیراستہ بستیوں میں رہنے والے شہزادوں کے استعمال کی چیزوں کے درجے ہیں۔ پاؤں کا جوتا 300 روپے میں بھی مل جاتا ہے اور 3 لاکھ روپے اور اس سے زیادہ میں بھی مل سکتا ہے۔ کپڑوں کا جوڑا 1000 روپے سے لے کر ایک لاکھ روپے تک اور عروسی جوڑا 50 ہزار سے لے کر 10 لاکھ روپے تک عام میسر ہیں۔ گاڑیاں 10 لاکھ سے لے کر 10 کروڑ روپے اور ایک ارب روپے تک ہوسکتی ہیں۔ باتھ روم فٹنگز 10 ہزار سے لے کر 10 کروڑ تک کی مارکیٹ میں میسر ہیں اور آرڈر پر ملٹی نیشنلز سے منگائی جاسکتی ہیں۔

یہ تفاصیل عالمی تاجر طبقہ کے ذہن کی تراشیدہ باتیں ہیں جو انہوں نے اپنے تجربے سے دنیا کے معاشرے میں پھیلا دی ہیں اور سیاست کے میدان میں کارفرما ہیں۔ وہ ایسے لوگوں کو آکسفورڈ، کیمبرج اور امریکی یونیورسٹیوں میں تعلیم دلوانے کے لیے لے جاتے ہیں، انہیں سکھاتے ہیں اور معاونت کر کے انہیں اپنے آبائی ملکوں میں بھیج کر اَشرافیہ میں شامل کرا دیتے ہیں وہ خلائی مخلوق کی طرح عوام میں جڑیں نہیں رکھتے اور عالمی صہیونی مافیا اور اس کے اداروں کے نمائندے کے طور پر زیادہ مؤثر کام کرتے ہیں۔ کسی خطرے کی صورت میں کسی دوسرے ملک کا

کلاس فیلو حکمران اس کو سیاسی پناہ دے دیتا ہے اور اس کے خلاف کارروائی رک جاتی ہے۔ اس بھاگنے والے حکمران کی جگہ جو نئی قیادت آتی ہے وہ بھی بالآخر اُسی راستے پر چل کر وہی نتائج دیتی ہے۔ اگر کوئی قیادت اپنا ایجنڈا لے کر آئے، اسلام کی بات کرے، ریاست مدینہ اور اسلامی تعلیمات کی بات کرے تو اس کو ناکام کر کے نشانِ عبرت بنانے میں عالمی طاقتیں یکجا ہو جاتی ہیں اور خداشناسی، انسان دوستی اور اخلاق دوستی کی طرف لے جانے والی کوششوں کو DERAIL کر کے بند گلی میں پہنچ دیا جاتا ہے۔ معاذ الله من ذالك الخرافات

امریکہ میں غلامی کی صورت حال

اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے (القرآن)

باب 5

وسائل رزق کا کنٹرول

انسانی معاملات سب تجارت بن گئے

- ☆ عالمی تاجر طبقہ ____ بنی اسرائیل اور ملٹی نیشنلز
- ☆ فکرِ انسانی کی مذہبی تطہیر اور سیکولر بنا دینا
- ☆ وسائل رزق کا کنٹرول ڈالروں میں ارب پتی عالمی اشرافیہ
- ☆ موجود عالمی اشرافیہ اور دجال
- ☆ عالمی اشرافیہ ____ ملٹی نیشنلز ____ دجال
- ☆ عصر حاضر اور مسلم لٹریچر

باب5

انسانی معاملات سب تجارت بن گئے

عالمی تاجر طبقہ____بنی اسرائیل اور ملٹی نیشنلز

گزشتہ نصف صدی سے عالمی تجارت پر قابض یہ طبقہ پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہوگیا ہے اور دنیا کے تمام معاشروں اور مذاہب کے پیروکاروں کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کو ایک طرح سوچنے اور ایک ڈھب پر استدلال کرنے کے لیے بی بی سی (برطانوی ڈیفنس منسٹری کا حصہ ہے اور برطانوی انجینئر کے منصوبوں کے حق میں رائے کو ہموار کرنے کے لیے 1920ء سے کام کر رہا ہے) آزادیٔ صحافت کا نام نہیں ہے۔ وائس آف امریکہ (VOA) امریکی ادارہ CIA کے ماتحت ہے اور اس کے مقاصد کو آگے بڑھا رہا ہے اور صحافیوں، صحافت، آزادی کے نام پر دنیا بھر میں کے معاشروں میں اپنے جاسوس پہنچا کر اس ملک کی حکومت اور معاشروں کو مغربی اقدار کے قریب لا رہا ہے۔

اسی طرح کھانے پینے کی اشیاء بھی ایک برانڈ نام اور شناخت سے ساری دنیا کے ممالک میں مل رہی ہیں۔ K&Ns CHIKEN،MACDONALD،PEPSI، میڈیکل کمپنیاں، میک اَپ کا سامان بنانے والی کمپنیاں، جوتے، گھڑیاں، موبائل وغیرہ سب کاروبار پر ملٹی نیشنلز نے قبضہ کرلیا ہے اور انسان کے لیے اپنی ذاتی رائے، نظریہ اور مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا ماحول محدود کردیا گیا ہے۔

بیماریاں پیدا کرنے والی اور پھیلانے والی چیزوں کی سرپرستی کی جاتی ہے اور اس بیماری کو روکنے کے لیے UNO کی مدد اور اس کے کارندے جاسوس بن کر آجاتے ہیں پھر مہنگے علاج کے ساتھ ہسپتال بنا دیے جاتے ہیں۔ سگریٹ کمپنیاں بھی ملٹی نیشنلز ہیں اور ان سگریٹ کے ڈبوں پر تحریر ہے کہ یہ کینسر اور امراضِ قلب پیدا کرتی ہے، مگر اس کو بند نہیں کرتے کہ یہودی طبقہ کی ملکیت ہے۔ مصنوعی دودھ کی فیکٹریاں بند نہیں ہوسکتیں کہ ملٹی نیشنلز ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ انسان کے سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخن تک مختلف چیزوں کو سنوارنے، بنانے، خوبصورتی بڑھانے، گھٹانے، رنگوں کو تبدیل کرنے کے لیے تقریباً 500 ملٹی نیشنلز کام کر رہی ہیں اور وہ بڑی مؤثر ہیں۔ ان کے پاس بڑے وسائل ہیں ان کے خلاف کوئی آواز بھی میڈیا میں جگہ نہیں پا سکتی کہ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا ان کے کنٹرول میں ہے۔

صرف پاکستان میں لوگ اگر SHAVE کرنا چھوڑ دیں تو بلیڈ بنانے والی دو ملٹی نیشنلز بند ہو جائیں مگر اس بات کو پھیلانے اور عوام کو قائل کرنے کے لیے وسائل پر قبضہ انہیں ملٹی نیشنلز میں سے کسی کمپنی کا ہے جو کبھی اس کو آگے بڑھنے کا موقع نہیں دیں گے۔ قِسْ عَلٰی ذَالِكَ

فکرِ انسانی کی مذہبی تطہیر اور سیکولر بنا دینا

آج کے دور میں عالمی تجارت کی مرکزیت اور وسائل رزق پر گرفت کی مضبوطی کے ساتھ ساتھ اس کا غیر مرئی (ON-LINE) ہو جانا ـــــ ایک ایسا مہلک اقدام ہے کہ جس سے اخلاقی گراوٹ میں ایک نئی جہت پیدا ہوگئی ہے اور انسان اپنے آپ کو کسی خارجی ہدایت اور آسمانی ہدایت کا محتاج نہیں پاتا۔ حیوانوں کی طرح شعور اس حد تک ختم ہو چکا ہے کہ ایک حیوان کی طرح انسان بھی بس جسم و جان کے حیوانی اور جبلی تقاضے (ANIMAL INSTINCTS) کی تکمیل کو انسانیت کی معراج سمجھ رہا ہے۔

☆ مغربی میڈیا، تعلیم، اخبارات وغیرہ سے جو نظریات عام ہو کر اب روئے ارضی کی انسانی اکثریت کو یہ باور کرا رہے ہیں کہ انسان کی فلاح اور بھلائی مادی ترقی میں ہے اور مادی ترقی یورپ کے نقش قدم پر بنی اسرائیل (یہود) کے نظریات پر چل کر ہی ممکن ہے، وہ نظریات خدا بیزار، دین دشمن، محمد صلی اللہ علیہ وسلم دشمن، اخلاق دشمن، انسان دشمن اور علم و اخلاق دشمن ہیں۔ جس کا نتیجہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ضمیر کے بندھن اور معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی بندھنوں سے آزاد کرانے کی فکر میں ہے۔ یورپ آج سے دو صدیاں پہلے جہاں تھا عالمی معاشرے مغربی پراپیگنڈے اور میڈیا کے زور پر آج وہاں پہنچے ہیں۔ یہ مغربی افکار ہر معاشرے کے لیے آگ ہیں مگر مغربی تعلیم سے آراستہ اشرافیہ، حکمران اور سرکاری اعلیٰ عہدیدار اس حقیقت کو قبول کرنے کو تیار نہیں کہ اس مغربی افکار کی سنگینی اور آگ سے کیسے نکلا جا سکتا ہے۔ بقول علامہ اقبال جوابِ شکوہ (1913ء)

عہدِ نو برق ہے، آتش زن ہر خرمن ہے　　ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوام کہن ایندھن ہے　　ملت ختم رسلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

مغربی فکر نے اپنے زیر قبضہ نظامِ تعلیم، میڈیا (الیکٹرانک اور پرنٹ اور کتب) اور ملٹی نیشنلز کے ذریعے انسان کو حیوان بنا دیا ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر آج کا انسان مذہب، خدا، قرآن، پیغمبر، وحی اور آخرت کا منکر ہے اور ان کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا۔ مذہبی پابندیوں اور دینی تعلیمات کو انسان دنیاوی ترقی کے لیے ایک رکاوٹ سمجھتا ہے۔ اسی لیے انسان عریانیت، بے حیائی، بے لباسی کے ساتھ آزادروی (لبرل اور سیکولر) کی طرف مائل ہے اور پیش رفت کے لیے کوشاں ہے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ دنیا میں 500 ملٹی نیشنلز کمپنیاں ہیں جو گلوبل سطح پر تمام تجارت پر قابض ہیں اور انسانیت کو لوٹ رہی ہیں۔ انسان ایک معاشی حیوان بن کر رہ گیا ہے۔

بقول علامہ اقبال ؎ عصر حاضر ملک الموت ہے ترا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش

انسان کو اب آخرت، موت، حلال/حرام، ضمیر، معاشرہ، اللہ، رسول، قرآن کی پرواہ نہیں۔ صرف کمانا ہے اور کھانا ہے اور وہ بھی وہ کچھ کھانا جو ملٹی نیشنلز کھلا دیں۔ آپ پیپسی چھوڑ کر 7UP پی لیں ملٹی نیشنلز کے TRAP سے باہر نہیں جا سکتے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور حضرت محمد ﷺ سے وفاداری ہی ہمیں اس اندھے کنویں سے نکال سکتی ہے۔

اب حالت یہ ہے کہ آج کے دور کا ذرا آسودہ حال انسان جو دینی معاملات میں سنجیدہ (SERIOUS) نہیں ہے، وہ آہستہ آہستہ ملازمت کے تقاضوں، میڈیا اور تعلیمی اثرات کی وجہ سے ذہنی طور پر ایسے مقام پر آ کھڑا ہوا ہے جہاں سے واپسی بے حد دشوار ہے اسلئے کہ موجودہ دور کی پرکشش رنگینیاں اور مسحور کن و دلفریب ویڈیوز اور فرصت کے مشاغل نے اسے پاگل بنا دیا ہے اور وہ تہذیب جدید کے عشق میں مجنوں بن گیا ہے۔ اہل فکر و نظر کے لیے حیرانی اور ماتم و مرثیہ کا وقت ہے کہ انسانیت کا ایک عظیم حصہ آج سابقہ مذہبی روایات اور سماجی بندھنوں کو توڑ کر سیکولر اور لبرل

ہوگیا ہے۔ مسلمان نوجوان بھی اپنی مذہبی پابندیوں سے بے نیاز اسی سیکولرازم اورلبرل ازم کی لہر پر سوار ہے۔ آج کا مسلمان نوجوان چاہے تہذیب حاضر کی گرفت کے تحت POINT OF NO RETURN تک نہ پہنچا ہوتا ہم وہ جلد وہاں بھی پہنچ جائے گا۔ اس لیے کہ ہماری طرف سے اسے بچانے کی کوئی مثبت کوشش، ہمہ گیر اور خطرے کے متناسب کوئی اصلاحی ردّعمل معاشرے میں نمایاں ہے ہی نہیں۔ اہل مذہب صورتحال کو مبہوت ہوکر دیکھ رہے ہیں یا حالت منتظرہ میں گرفتار ہیں کہ کوئی کرامت یا معجزہ ہوگا جو ہماری نوجوان نسل کو اس قعرِ مذلّت سے نکال لے گا۔

سیکولرازم اورلبرل ازم وہ روحانی بیماری اور کیفیت ہے جو ایمان کے متضاد اور ایمان سے محروم صورت حال کو بیان کرتی ہے۔ حقیقی ایمان سے جب انسان استدراج کی کیفیت میں مبتلا ہوکر ارتداد اور واپسی کا سفر (RETREAT) کرتا ہے تو کئی مدارجِ تنزل سے سابقہ ہوتا ہے حقیقی ایمان جاتا رہتا ہے آدمی نام کا مسلمان رہ جاتا ہے عبادات خانہ پُری رہ جاتی ہے پھر ان عبادات کا اہتمام ختم ہوجاتا ہے روزے بوجھ لگتے ہیں نماز وقت کا ضیاع، زکوٰۃ مالی نقصان محسوس ہوتا ہے حج، عمرہ کی بجائے TOURISM اور مغربی ممالک کی سیر زیادہ دلکش اور دلفریب محسوس ہوتی ہے۔ روح مردہ ہوجاتی ہے پھر قرآن پر ایمان کمزور ہوکر ختم ہوجاتا ہے آخرت کا احساس بھی معدوم ہوجاتا ہے موت سے ڈر لگتا ہے یہی دنیاوی زندگی سب کچھ نظر آتی ہے۔ لباس، رشتے ناطے، شرم حیا، حلال حرام سب اضافی پابندیاں اور معاشرتی بندھن محسوس ہوتے ہیں حتیٰ کہ انسان مذہب سے نام کا بھی لگاؤ اور تعلق کاٹ لیتا ہے۔ ایمان سے ہٹ کر شرک، منافقت، بے عملی، ذہنی آوارگی، ارتداد ان سب مراحل سے گزر کر آخری مرحلہ مذہب سے کوئی ظاہری اور نام کی نسبت باقی نہ رہے تو یہ کیفیت سیکولرازم اورلبرل ازم کی ہے۔ ایسا انسان فی الحقیقت اپنی سوچ اور نفسیات، رویوں اور طرزِ عمل میں حیوان بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہوتا ہے کہ اس سے غلط سے غلط کام کا ارتکاب غیر متوقع نہیں ہوتا۔ آج ہمارے معاشرے میں بہت سارے لوگ ذہناً اس لکیر کے بہت قریب پہنچ گئے ہیں۔ مذہبی رسومات، انسانی روایات، معاشرتی رواج اور انسانی رویوں سے تہی دست انسان حیوان بلکہ اس سے بھی بدتر BEAST درندہ بن جاتا ہے۔ ایسے انسان نما حیوان ہی عصر حاضر کی مغربی ملٹی نیشنلز کی تہذیب کا حاصل ہیں۔

وسائل رزق کا کنٹرول

ڈالروں میں ارب پتی

عالمی اشرافیہ

تصویر

☆ ایک سطحی سے مشاہدے میں دنیا کی دولت کا 80% صرف 20% افراد کے پاس ہے اور باقی 80% آدمیوں کے لیے صرف 20% دولت ہے بالفاظِ دیگر 80 حصے دولت صرف 20 آدمیوں کے پاس ہے اور 20 حصے دولت باقی 80 افراد کے پاس ہے۔ 80 حصے دولت کی تقسیم میں بھی صرف 1% عالمی تاجر طبقہ کے پاس دنیا کی آدھی دولت ہے۔

☆ دولت کی یہ غیر منصفانہ تقسیم وسائل رزق کی غلط اور ظالمانہ تقسیم کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بنائی ہے انسانوں کو پیدا کیا ہے انسانوں کی ضرورت کے لیے تمام اشیاء وافر مقدار میں پیدا کی ہیں۔ مگر انسان اتنا خود غرض، ظالم اور بے رحم ہے کہ جس کا بس چلتا ہے اور طاقت واقتدار حاصل کرتا ہے وہ اپنے جیسے دیگر انسانوں کا بے تحاشہ رزق اپنے پاس جمع کر کے باقی دنیا کے ایک بڑے طبقے کو وسائل رزق سے محروم کر دیتا ہے۔

☆ انسانوں میں وسائل رزق کی تقسیم بالکل برابر اور فلیٹ تو ہو ہی نہیں سکتی کہ سب انسانوں کی صلاحیتیں اور ضروریات ایک جیسی نہیں ہیں، یہ فرق رہے گا۔ اسی لیے مذہب میں اہل ثروت سے 2.5% دولت لے کر غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے، بعض اہل دل اور اہل ثروت کو اپنی ناگزیر ضروریات سے SURPLUS ساری دولت ضرورت مند کو دینے کی تلقین کرتا ہے۔ تاہم اتنا فرق ہے کہ ایک طرف وسائل رزق کا پہاڑ لگا ہوا ہے اور دوسری طرف

مٹھی بھر راشن ہو یہ ظلم، ناانصافی ،لوٹ کھسوٹ اور غاصبانہ قبضہ ہے جس کو ختم ہونا چاہیے۔

☆ یہ ہو نہیں سکتا ہے کہ دنیا میں پیغمبر تشریف لائیں اس ظلم کو آنکھوں سے مشاہدہ کریں اور ان کی تعلیمات میں اس برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا کوئی تذکرہ اور طریقہ نہ ہو۔حضرت نوح علیہ السلام اوران کے بعد کے رسول جن کا تذکرہ قرآن پاک میں آیا، اپنے اپنے دور میں ایمان کی دولت کے ساتھ آسمانی ہدایت کی روشنی میں اس ظلم اور ناانصافی کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے رہے ہیں اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کوشش کر کے ایسا معاشرہ قائم کر دیا اور لوگوں کے ذہن بدل دیے کہ اس میں وسائل رزق پر قبضے کی یہ بدمعاشی ختم ہوگئی حتیٰ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ربع صدی بعد انسانی معاشرہ کی اخلاقی قدروں اور معاشرتی معیارات کے ساتھ اقتصادی اور معاشی عدل کا یہ حال تھا کہ معاشرے میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں تھا۔ گویا حقیقی حقدار کوئی تھا نہیں اور جھوٹ موٹ کا فرضی غریب بن کر دست سوال پھیلانے والا بھی سامنے نہیں آیا کہ اسلام ایمان کی روشنی میں آخرت کی کامیابی کے پیش نظر، معاشی عدل کے ساتھ افراد اور معاشرہ کی خصوصی تربیت کا اہتمام بھی کرتا ہے۔

☆ اسلام اور اسلام کی تعلیمات اس وقت مقتدر قوت نہیں ہے اور مسلمان حکمرانوں نے اپنی طاقت واختیار سے اسلام کی تعلیمات کو نافذ نہیں کیا اور نہ کرنے کا فوری جذبہ محرکہ ان میں بے تاب ہے نہ کوئی مؤثر تحریک حکمرانوں کو اس جانب جلدی پیش رفت کرنے کی طرف راغب کر رہی ہے۔

☆ اس وقت دولت کی انتہائی غیر منصفانہ تقسیم کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ آج کے عوامی بہبود کے سارے پروگرام اور ریاستی وحکومتی سطح پر فلاحی ریاست کے تصورات صرف کاغذوں اور یونیورسٹی لیکچرز کی حد تک ہیں ان کو نافذ کرنے کی جرأت وطاقت واختیار حکومتوں کے ہاتھ سے چھین لیا گیا ہے اور ان کے سامنے نہ بے کس عوام کے حق میں دولت کی منصفانہ تقسیم کا کوئی جذبہ، منصوبہ اور سوچ (PLANNING) ہے اور نہ ہی طاقت واختیار اور نہ ہی یہ مغرب کا میڈیا اس طرح کا ذہن بنا رہا ہے اور اور نہ ہی مغربی جامعات کا نصابِ تعلیم اس رُخ پر تعلیم دے کر اگلی نسل کی ذہنی تربیت کر رہا ہے۔ لہٰذا یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ عصر حاضر میں عالمی تجارت پر قابض لوگوں نے جو اپنے پاس دولت کے انبار لگا لیے ہیں اور اس کے بظاہر خوشنما طریقے ایجاد کر لیے ہیں جس میں دوسروں کو کئی پیکیج دے کر اپنی دولت بینکوں میں جمع کرانے کی ترغیب و

تشویق دلائی جاتی ہے حالانکہ یہی بینک، پیپر کرنسی، سونا چاندی اور قیمتی پتھر (ہیرے جواہرات وغیرہ) اس مافیا کے ڈھیروں وسائل رزق کو جمع کر کے ان کی قیمت کو اپنے ہاں جمع کرنے کا دوسرا نام ہے، یہ سارے طریقے وسائل رزق کو گندم، اجناس، بھوسہ، سبزیوں وغیرہ کی شکل میں جمع کرنے کا نام نہیں بلکہ دنیا کو اس طرح دھوکا دیا جاتا ہے کہ حکومتیں ان کے لیے ان کے ووٹ سے اور ان کی اپنی ہیں۔

GOVERNMENT OF THE PEOPLE
GOVERNMENT BY THE PEOPLE
GOVERNMENT FOR THE PEOPLE

پہلے بادشاہت کے دور میں دولت کی تقسیم غیر منصفانہ تھی اور اب بظاہر جمہوری دور ہے مگر اتنی ہی بے انصافی ہے۔ لہٰذا یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے عالمی تجارت پر قابض طبقہ دھوکے باز ہے بظاہر وہ عوام کی خدمت، ووٹ، رائے، عوامی حکومت کا نام لیتا ہے قانون ساز اداروں، عدالتوں، فوج اور میڈیا کا نام لیتا ہے مگر درحقیقت یہ سب ادارے انہیں عالمی اداروں کے پیدا کردہ ہیں اور ان کے ایجنٹ ہیں۔ بقول علامہ اقبال، ابلیس کی مجلس شوریٰ میں یوں ذکر ہے

ہم نے خود پہنایا ہے شاہی کو جمہوری لباس ؎
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

☆ عالمی تجارت پر قابض یہ دھوکہ باز (دجالی) طبقہ ازمنہ قدیم سے ہی اسی سوچ کو سینے میں دبائے ہوئے ہے اور عوام کو خدمت اور فلاح و بہبود کا احساس دلا کر دنیا بھر کے وسائل رزق کا اختیار و کنٹرول اپنے پاس رکھے ہوئے ہے اور مستقبل میں بھی اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا ہے۔ دجل کے معنی ہیں کسی کو دھوکہ دینا(TO DODGE)، دجال اسی سے اسم مبالغہ ہے یعنی بڑا دھوکہ باز۔

موجود عالمی اشرافیہ اور دجال

یہ بات اب اظہر من الشّمس ہے کہ موجودہ عالمی تاجر اور ملٹی نیشنلز ہی دھوکا بازی سے عالمی وسائل رزق پر قابض ہیں اور ان کو اپنی آزاد مرضی سے بانٹ رہی ہیں۔ یہ دجالیت ہے اور دھوکا بازی ہے۔ آج کے دور میں معلومات کا سیلاب ہے مگر اوسط درجے کے آدمی کے لیے مارکیٹ میں جا کر خالص نمبر 1 چیز کا حصول ناممکن ہے آدمی کہیں نہ کہیں دھوکا کھا جاتا ہے، اسی کا

نام دجالیت ہے۔ یہ دھوکا بازی اور دجالیت کوئی تھرڈ ورلڈ کا مسئلہ (PHENOMENON) نہیں ہے بلکہ یہ بات عالمی سطح پر تمام ممالک میں کچھ فرق کے ساتھ ہر جگہ جاری ہے۔

☆ عالمی تاجر مافیا یا ملٹی نیشنلز دراصل اپنے کچھ خاص مقاصد رکھتا ہے اور وہ بڑے منظّم اور رازدارانہ طریقے پر اپنے مقاصد میں زمانہ قدیم سے کسی طے شدہ پروگرام پر عمل پیرا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ طے شدہ پروگرام عالمی اقتصادی غلبہ اور کنٹرول ہے۔ حالات و واقعات اور مشاہدہ اس مفروضہ کی کسی حد تک ضرور تائید کرتا ہے۔

☆ اس دجالی فتنہ کا پھیلاؤ اور عالم گیریت یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ ناسور اور معاشی کینسر اتنا پھیل چکا ہے اور عالمی معیشت کو گھیر کر دبا رکھا ہے کہ دنیا کے تمام ممالک، ان کی حکومتیں، اشرافیہ اور عوام اس فتنہ کی زد میں ہیں اور عدلیہ، انتظامیہ، میڈیا، تعلیم اور فوج غرض ہر ملک میں ہر سطح پر اپنی گرفت رکھتا ہے۔ یہ ملٹی نیشنلز اتنے وسائل کی مالک ہیں کہ وہ حکومتیں خرید سکتی ہیں، پورے ملک کا بجٹ خرید سکتی ہیں، مرضی کے ٹیکس لگوا سکتی ہیں، میڈیا ان کے کنٹرول میں ہے، حکمران، اپوزیشن (متوقع حکمران) اور ہر ملک کی اشرافیہ ان کی مٹھی میں ہے۔

☆ مختصر الفاظ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ دور دھوکے کا دور ہے، دجل و فریب ہر جگہ عام ہے اور یہ دور دجالی دور ہے۔ دودھ، دہی، مشروبات، کھانے پینے کی تمام اشیاء غیر خالص اور غیر حقیقی اجزاء پر مشتمل ہیں۔ یہی دجالیت ہے۔ اگر حالات ایک عشرہ اور اسی رُخ پر چلتے رہے تو یہی ملٹی نیشنلز اتنی طاقتور ہو کر 'عفریت' کی شکل اختیار کرلیں گی کہ اس کو قابو کرنا مشکل ہو جائے گا۔ عالمگیریت کے عنوان سے ممکن ہے مقتدر عالمی طاقتوں کا نمائندہ کوئی ایک شخص بھی سامنے آجائے جو سب سے بڑا دھوکہ باز ہو اور دجّال کہلائے۔

☆ ملٹی نیشنلز اور بنی اسرائیل اور یہود کا تعلق کوئی ڈھکا چھپا اور ایسا نہیں ہے کہ مائیکرو سکوپ (MICROSCOPE) کی ضرورت ہو بلکہ حقیقت دوسری طرح بیان کی جا سکتی ہے۔ یہ تعلق اتنا عیاں ہے اور واضح ہے کہ آدمی تصور نہیں کر پاتا کہ کیسے ہو سکتا ہے۔

عالمی اشرافیہ ـــ ملٹی نیشنلز ـــ دجال

☆ عالمی حالات جس رُخ پر جا رہے ہیں اور وسائل رزق کو جس طرح جمع کرنے کے

مختلف طریقے ایجاد کر کے صدیوں کے تجربہ کے بعد ان کو ایسا فول پروف اور یقینی بنا دیا گیا ہے کہ یہ بات باور کی جاسکتی ہے کہ اب عالمی تاجر اشرافیہ یعنی ملٹی نیشنلز ہی عالمی معاملات کو کنٹرول کر رہی ہیں اور ان ملٹی نیشنلز کے مالکان اس کے برانڈ ناموں (BRANDED NAMES) کے پیچھے چھپے بیٹھے ہیں اور سامنے نہیں آتے یہی دجّالیت ہے، پھر یہ مالکان اور ملٹی نیشنلز کے ڈائریکٹرز، چیف ایگزیکٹو اور چیئر مین حضرات سب طبقہ یہود اور پراٹسٹنٹ عیسائیت کے افراد ہیں اور دراصل ایک ہیں۔گویا آج کی دنیا اقتصادیات کے گرد جمع ہے اور وہ اقتصادیات عالمی سطح پر ملٹی نیشنلز کے ہاتھ میں ہیں اور ان ملٹی نیشنلز کے ذمہ داران اور مالکان زمانۂ قدیم سے بنی اسرائیل کے بگڑے ہوئے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو یہود ہیں۔ یہود کے قریب اور ہمنوا یا فرنٹ مین عیسائیت کے کرتا دھرتا اور مذہبی اور سیاسی لیڈرشپ ہیں۔عیسائیت کے دونوں بڑے گروپس (فرقے) ORTHODOX اور PROTESTANTS ذرا سے درجے کے فرق کے ساتھ یہود سے منسلک ہیں، انہیں سے روابط رکھتے ہیں اور اس صورتحال کا منطقی نتیجہ ایک شخص دجّال ہی ہے۔

عصر حاضر اور مسلم لٹریچر

☆ اسلام اگرچہ آج اقتدار میں نہیں، تاہم اسلامی لٹریچر اور تعلیمات میں روئے زمین پر انسانیت کے خاتمے کا ذکر ہے پھر اس خاتمے کے دور کے کئی واقعات کے اشارے ہیں۔انسانیت کے خاتمے کا نام مسلم لٹریچر میں 'قیامت' ہے تو قیامت سے ذرا پہلے قیامت کی نشانیاں ظاہر ہونے کا بھی تذکرہ ہے جنہیں مسلم لٹریچر میں قیامت کی نشانیاں یا اَشراط الساعہ کہا گیا ہے۔

مسلم لٹریچر میں 'دجال' کا بھی ذکر ہے۔فلسطین میں بہت بڑی جنگ ہے اور جنگ سے پہلے مشرق وسطیٰ کے ممالک میں فساد، بدامنی، قتل و غارت وغیرہ (TURMOIL) کا بھی ذکر ہے پھر مسلمانوں کے ہاں ایک بہت بڑی جنگ اَلْمَلْحَمَةُ الْكُبْرٰی کا بھی ذکر ہے۔ اَلْمَلْحَمَةُ الْكُبْرٰی کے لفظی معنی بہت بڑی عالمی خون ریز جنگ۔اسی طرح کا ایک تصور مغربی روایات (یہودیت اور عیسائیت، BIBLE) میں بھی ہے جس کو مغربی ذہن ARMEGADON کہتا ہے۔اس جنگ کی ہولناکی اور انسانی تباہی اور عرب دنیا کے لیے ایک 'HOLOCAUST' کا ذکر ہے گویا تمام عرب ہلاک کر دیے جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔______________

باب 6

2000ء کے بعد
اس وقت وسائل رزق کے کنٹرول
کے ضمن میں دنیا کہاں کھڑی ہے

☆ ملٹی نیشنلز، یاجوج ماجوج اور UNO
1890ء کے بعد کے واقعات کا مختصر تذکرہ
☆ بنی اسرائیل کا نسلی برتری کا تصور
☆ بنی اسرائیل کا بگڑا ہوا گروہ اور یاجوج ماجوج
☆ بنی اسرائیل + GOG + MAGOG
☆ بنی اسرائیل اور عالمی خفیہ تنظیمیں
☆ اسرائیل ___ اور UNO
☆ اسرائیل کا عالمی حکومت کا خواب اور UNO
☆ اسرائیل کا عالمی غلبے کا خواب اور یاجوج ماجوج

باب 6

2000ء کے بعد اس وقت وسائل رزق کے کنٹرول کے ضمن میں دنیا کہاں کھڑی ہے

ملٹی نیشنلز، یا جوج ماجوج اور UNO

1890ء کے بعد کے واقعات کا مختصر تذکرہ

گزشتہ صفحات میں یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ عالمی تجارت میں بنی اسرائیل داخل ہوئے۔ بنی اسرائیل کا ایک طبقہ بگڑ گیا (القرآن) پھر بنی اسرائیل عالمی تجارت میں نمایاں ہوگئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں ہی انہوں نے غیر نصابی سرگرمیوں کی طرح اپنے مذہب اور تجارتی اہداف کے ساتھ ساتھ جادو، غیر مرئی علوم (OCCULT SCIENCES) میں دلچسپی لی اور انہماک کے ساتھ اس میں لگ گئے۔ اس طرح لگے کہ اس مصروفیت نے انہیں POSSESS کرلیا۔ انہوں نے دیگر سرگرمیوں میں مصروف ہوکر اپنی مذہبی پابندیوں اور احکام کو پس پشت ڈال لیا اور اس میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ 'قتل انبیاء' جیسا جرم ان کے ہاں ہوتا رہا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد میں انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم کی وارث بننے والی قوم خود ـــــ علومِ انبیاء سے نہ صرف بیگانہ ہوئی بلکہ 600 ق م سے 610ء تک قتل انبیاء جیسے جرائم میں ملوث رہے اور تورات گم کر کے خود ساختہ کتاب BIBLE لکھ کر اس کو اپنی مذہبی شناخت بنالیا۔ اس سفر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی اور بنی اسرائیل کے DIASPORA کے دور میں انہوں نے یونانیوں اور رومیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کرلیا۔ یہ گٹھ جوڑ اور قریبی روابط قتل انبیاء کے جرم کے بعد ضمیر کی خلش اور GUILTY CONSCIOUS محسوس کرنے کی تلافی تھی۔ بنی اسرائیل نے مذہبی تعلیمات اور آسمانی ہدایت NON-AVAILIBILITY اور NON-ACCESSIBILITY کے

باعث خود ہی خودسر فلسفوں اور خودرو جنگلی نباتات کے بڑھنے کی طرح دنیاوی زندگی کو منظّم کرنے کے فلسفوں کو ہوادی۔ فلسفیوں کو SUPPORT کر کے ہمت بندھائی اوران بارہ صدیوں میں یہ سیکولر فلسفے اور نظامِ حیات یونان، روم، ایران، ہنداور چین میں 'پل کر جوان ہو گئے'۔ اشرافیہ اور بادشاہ و پرنس اپنی دولت کے نشے میں شیطانی طرز زندگی کی طرف مائل ہوتے ہی ہیں بلکہ ہر انسان میں کچھ شر کا پہلو (EROTIC SIDE) ہوتا ہے، مقتدر طبقات میں زیادہ ہوتا ہے۔ آسمانی ہدایت نہ ہو تو شیطان اوراس کے زیر اثر طبقات سر اٹھا لیتے ہیں پھران نظام ہائے حیات اور شیطانی فلسفوں کو عمل درآمد اور پختگی (MATURITY) کے لیے چند صدیاں مل گئیں تو یہ EORTIC اور بے دین فلسفے ناگزیر سیکولر اور لبرل طرز حیات بن گئے۔ (اور آج تک ہیں اور آج کا مغرب اسلام کے دور کو دورِ جہالت کہہ کر ردّ کر دیتا ہے اور مغربی تہذیب اور فلسفہ حیات کا تعلق یونانی علم الاصنام اور رومی طرز حکومت سے لے جا کر جوڑتا ہے جو اسی دور (600 ق م سے 610ء تک) وجود میں آئے اور جوان ہوئے تھے)۔ ان EROTIC طرز حیات کے فلسفوں کے بنی اسرائیل ہی حامی اور اشاعت میں مددگار رہوئے اور اپنے ہاں کچھ مذہبی IDENTITY کے قائل رہے ہیں اور آج بھی ہیں مگر غیر یہودی (NON-ISRAEL) طبقات میں انہوں نے اپنی مذہب کی ہوا نہیں لگنے دی اور مذہب کو نسلی مذہب بنا کر رکھا اور SEMITIC اور ANTI-SEMETIC نسلی فرق کا حددرجہ تحفظ کیا۔

بنی اسرائیل کا نسلی برتری کا تصور

بنی اسرائیل کے ذہن میں پیغمبروں کی اولاد ہونے کا تصور اتنا راسخ ہے کہ اس کو نکالا نہیں جاسکتا۔ وہ اپنے اندر پیغمبروں کے GENES کی وجہ سے نسلی برتری کا احساس رکھتے ہیں۔ نامعلوم کیسے؟ پیغمبروں کو قتل بھی کرتے رہے پیغمبروں کو مانتے بھی۔ حضرت محمد ﷺ کو پہچانتے ہوئے بھی قبول نہ کیا، اس میں حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے نسلی برتری کا عقیدہ (DOGMA) رکاوٹ بن گیا کہ حضرت محمد ﷺ بنی اسرائیل نہیں ہیں اور آپ ﷺ اسرائیلی نہیں ہیں۔ بنی اسرائیل کا اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھ کر نسلی برتری کا عقیدہ پختہ کرنے کی وجہ سے ان میں کئی اور خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ مثلاً وہ تمام غیر یہودی اقوام اور قبائل کو اپنے

سے کم تر سمجھتے ہیں جبکہ اپنے آپ کو 'اللہ' کے بیٹے قرار دیتے ہیں جو شرک کی بدترین قسم ہے۔ پھر غیر یہودی اقوام کے مال، جان، عزت، آبرو وغیرہ کو اہمیت نہیں دیتے کہ ان کا مال کھا جانا، ان کی عزت دری کرنا، قتل کر دینا کوئی جرم نہیں کہ غیر یہودی انسان ہی نہیں ہوتے بس شکل انسانوں جیسی ہوتی ہے۔ پھر اس حیوانی تصور کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ وہ غیر یہودی سے سود کھاتے ہیں اور پوری دنیا کے بینکنگ کے نظام کے ذریعے وہ اس حرام ذریعہ معاش پر قابض ہیں۔ دنیا کے بعض برے پیشے ان کی زیرِ سرپرستی ترقی کر رہے ہیں فلم انڈسٹری، ناچ گانا، ٹی وی، ریڈیو، میڈیا، فحش رسالے، فلمیں وغیرہ انہی کی نظرِ کرم کے مرہونِ منّت ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں ہے اس لیے کہ غیر یہودی انسان نہیں لہٰذا ان کا مال، جان، عزت اور آبرو سب حلال ہیں۔

امریکہ میں بار بار جانے والے اور امریکہ سے راہ و رسم رکھنے والے بتاتے ہیں کہ یہودی امریکہ میں تمام آبادیوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں اور آپس میں سود نہیں لیتے کہ حرام ہے۔ ان کے گھروں میں ٹی وی نہیں ہے کہ ان سے اخلاق خراب ہوتا ہے۔ یہ اخلاقی گراوٹ برتری کے عقیدے ہی کی مرہونِ منّت ہے۔

بنی اسرائیل کا بگڑا ہوا گروہ اور یاجوج ماجوج

یاجوج ماجوج کی اصطلاح سے تینوں آسمانی مذاہب یہودی عیسائی اور مسلمان خوب واقف ہیں اور یہود و نصاریٰ اس الزام سے بچنے کے لیے یہود یاجوج ماجوج سے روابط سے رکھتے ہیں ان کے دوست ہیں اور وہ یہود کے مفادات کی نگرانی کرتے ہیں اور عالمی تجارتی کاروبار میں وہ آج ان کے لیے فرنٹ مین ہیں۔ دنیا یہود اور یاجوج ماجوج کو پہچان نہ سکے اس لیے ان روابط کو چھپاتے ہیں اور اپنے آپ کو سیکولر ظاہر کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل یعنی یہود کے نسلی برتری ہی کا شاخسانہ یہ بھی ہے کہ وہ غیر یہودی اقوام و قبائل کو انسان نہیں بلکہ انسان نما حیوان سمجھتے ہیں اور ان کو اپنے انگریزی لٹریچر میں GENTILES اور GOYEMS کہتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور مبارک میں ہی کچھ غیر یہودی قبائل ان پر ایمان لے آئے۔ حضرت موسیٰ نے ان کو مسلمان سمجھا اور بھائی سمجھا اور بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان اہل ایمان کی تعریف کی ہے اور ان

کی ایمانی کیفیات واقعی قابل رشک ہیں۔مثلاً

1۔ قرآن گواہ ہے کہ جس فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پالا تھا اس کی بیوی (حضرت) آسیہ (علیہا السلام) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچپن ہی دیکھ کر بعد میں ان پر ایمان لے آئی اور ان کا جنت میں بڑا مقام ہوگا کہ بڑے مخالف ماحول سے اٹھ کر ایمان لائی۔ یہ خاتون بھی غیر یہودی تھی فراعنہ مصر قبطی (افریقی نسل کے BLACKS) تھے۔

2۔ اسی طرح دوسرے فرعون رعمیسس (جو ایمان نہ لانے کی وجہ سے غرق ہوا) کے دربار میں موسیٰ علیہ السلام کو سزا دینے کی تجویز ہوئی اور قریب تھا کہ وہ منظور ہو جائے اور اس پر عمل درآمد ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دست اندازی کر دی جائے اس وقت فرعون کے دربار میں اس کا ایک باضمیر شخص جو دل میں ایمان چھپائے ہوئے تھا وہ صبر اور برداشت نہ کر سکا کہ یہی موقع STAND لینے کا ہے اگر یہ موقع نکل گیا تو پھر YOU WILL MISS THE BUS اور پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، کے مصداق وہ شخص اٹھا اور اس نے بھرے دربار میں تقریر کی اسے گمان غالب تھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا مگر اس دلیر باہمت مرد نے فرعون اور پوری کابینہ کو للکارا، کلمہ حق کہا اور نصیحت کا حق ادا کر دیا۔ ؎

خوشا رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اس شخص کو قتل کر دیا گیا مگر اس کے خاندان میں بہت سے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے ہوں گے۔

3۔ اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ کھلے آسمان تلے ہوا اور جادوگر ہار گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کامیاب قرار پائے تو جادوگر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے، اگرچہ ان کو قتل کر دیا گیا مگر ان کے خاندان میں سے بھی بہت سی سعید روحیں مسلمان ہوگئی ہوں گی۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ملکہ سبا ایمان لے آئی تھی۔

☆ افسوس بنی اسرائیل اور یہود پر ہے، وہ جب سے بگڑے ہیں غیر اسرائیلیوں کو انسان نہیں سمجھتے ان کو ایمان والا سمجھتے ہوئے بھی اپنے سے دور رکھتے ہیں اور اسرائیلی یہودی اور غیر اسرائیلی یہودی میں فرق رکھتے ہیں حتیٰ کہ عبادات تک میں فرق رکھتے ہیں۔

آج بھی یہود کے عبادت خانے ہیں، لوگ وہاں جاتے ہیں، خاص عبادت کی جگہ دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہے غیر اسرائیلی یہود کے لیے الگ ہال بنا ہوتا ہے جہاں آڈیٹوریم کی طرح کی SEATING پر بیٹھ کر وہ وعظ سنتے ہیں جبکہ اندر الگ ہال ہوتا ہے جو اسرئیلی یہودیوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے جہاں وہ اپنی عبادت اور نماز سے مشابہ کوئی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

ہمارے نزدیک اسرائیلی یہودیوں نے نسلی برتری کے گہرے احساس کے پیش نظر غیر اسرائیلی یہودیوں کو حقیقی یہودی کبھی نہیں سمجھا اور ان کو اپنے دل میں اسرائیلیوں سے کم تر سمجھتے ہیں۔ ایک طبقہ LOT وہ تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایمان لے آئی اس کے بعد کچھ اور غیر اسرائیلی حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے وہ قدیم غیر اسرائیلی یہودی ہوئے اور دوسرا طبقہ آٹھویں صدی عیسوی میں روسی علاقہ جات کے ایک بادشاہ اور اس کے عمائدین سلطنت کا ہے جنہوں نے اجتماعی طور پر یہودیت قبول کر لی۔ وہ واقعہ بھی تاریخ کا ایک دلچسپ واقعہ ہے اور وہ جدید غیر اسرائیلی یہودی کہلائے۔

ہمارے نزدیک غیر یہودی انسانوں کے لیے اسرائیلی یہودی جو الفاظ استعمال کرتے ہیں GOYEMS & GENTILES اسی کا مخفف ہے GOG اور بعد والے جدید یہود کے لیے MAGOG کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ MA کا قدیم عبرانی زبان میں دور والے یا بڑے کے لیے استعمال ہوتا ہے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں ایمان لانے والے غیر اسرائیلی یہودی GOG ہیں اور آٹھویں صدی عیسوی (750ء کے لگ بھگ) روسی ریاست کے قریب کسی ریاست کا حکمران عمائدین سلطنت سمیت ایمان لے آیا وہ MAGOG ہیں۔

اس MAGOG کے ساتھ کئی معاہدات ہوئے تھے اور شرائط تھیں جس کے تحت ان کو یہود میں شامل کیا گیا۔ ان کو تاریخ میں یہود کے بارہ قبائل میں اضافہ کے ساتھ THE 13th TRIBE کہا جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت بنیامین تو ایمان پر مضبوط رہے اور ان کی اولادیں بھی۔ مگر باقی دس بھائیوں کی اولادیں بگڑ گئیں جنہیں قرآن مجید حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کی طرف منسوب کرتا ہے کہ بنی اسرائیل ہی بگڑے گئے تھے۔ واللہ اعلم

ہمارے نزدیک یہ گاگ میگاگ عربی میں آ کر قرآن پاک میں یاجوج ماجوج کے

الفاظ کے ساتھ آیا اور یہ تصور یہود کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ہی یا اُن کی وفات کے بعد جلد ہی پیدا ہو گیا تھا کہ یہ قبائل اور گاگ میگاگ ہیں۔ انہیں الفاظ کے مترادف الفاظ ہندو لٹریچر میں کاک وی کاک ملتے ہیں۔ اسی کاک سے کاکیشیا ہے جسے عرف عام میں کوہ قاف کہتے ہیں اور انگریزی CAUCASIA لکھا جاتا ہے اور تلفظ میں کاکیشیا ہے۔ آریہ لوگوں کے ہندوستان آنے کے اثرات ہوں گے کہ پنجاب میں بھی گھگھ اور مگھگھ کے الفاظ کے ساتھ ذاتیں اور قبیلے موجود ہیں۔ واللہ اعلم

☆ حاصل کلام یہ ہے کہ عالمی تجارت پر اجارہ داری بنی اسرائیل کی ہے ان کے تعلقات ازمنہ قدیم سے یاجوج ماجوج سے ہیں اور آج بھی یہی یاجوج ماجوج (یاجوج سے زیادہ ماجوج یعنی MAGOG) اسرائیل اور اسرئیلی یہودیوں کی حمایت میں کھڑے ہیں۔ اس طبقے کے پاس دنیا کی دولت کا اکثر حصہ ہے۔ یہی یہود اور MAGOG دنیا کی ملٹی نیشنلز کے مالکان ہیں انہی میں بہت سے دانشور سائنسدانوں اور فلسفی گزرے ہیں۔

☆ یہی ملٹی نیشنلز آج اپنے دجل وفریب سے اور اپنی حقیقت چھپا کر رکھنے کے عمل سے دجل و فریب کے مرتکب ہیں اور یوں دجالی کلچر اور دجالی تہذیب کے موجد، مؤید اور PROMOTER ہیں اور شاید انہی میں سے کوئی شخص دجال بھی آئے گا۔

☆ مسلمانوں کی روایات میں ہے کہ دجال (دھوکے باز شخص معین) اصفہان شہر سے نکلے گا اور ستر ہزار یہودی اس کے پیروکار ہوں گے (سیاہ پوش)۔ (مسلم شریف باب الفتن)

لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں عالمی تجارت پر قابض حالیہ مافیا کا دجالی تہذیب کے ساتھ دجالی ہونا اور دجال کی حمایت میں بالآخر کھڑے ہونا اس کا منطقی تقاضا ہے اور اسی طبقے میں یاجوج اور ماجوج سے تعلق دار بھی شامل ہیں۔ عین ممکن ہے کہ دجال بذات خود یہود یا MAGOG میں سے ہی ہو۔ واللہ اعلم

بنی اسرائیل + GOG + MAGOG

☆ بنی اسرائیل، GOG اور MAGOG کا باہمی تعلق واضح ہے اور دنیا جانتی ہے کہ بنی اسرائیل اپنے تعلق کو پوشیدہ رکھنے پر مصر ہے اور تمام ظاہری اسباب ونشانات مٹانے کے لیے وہ

ہمہ تن مصروف اور پوری طرح چوکس ہے۔

☆ اہل علم وقتاً فوقتاً اس عالمی گروہ کے منصوبہ جات اور ان کی پیش رفت سے دنیا کو آگاہی دیتے رہتے ہیں پھر بھی یہ طبقہ مجموعی طور پر آج بھی اپنے آپ کو، اپنی شناخت کو، منصوبہ جات کو اور اپنی جاری منصوبہ بندی کو چھپا کر رکھنے اور اہل علم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہے۔

☆ اس سارے عمل (PHENOMENON) کی اصل وجہ غالبًا یہ ہے کہ اس طبقے نے اپنے گرد ایک ایسا حصار قائم کر رکھا ہے اور مختلف انداز سے ہر سطح پر ایسے اصول بنا رکھے ہیں کہ بنی اسرائیل یا یہود اور ان کے پرستار سامنے لانے کو کوئی تیار نہیں ہوتا۔ انہی انتظامات میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جو اہل علم و اہل قلم ان کے منصوبہ جات کو عام کرنے کی کوشش کرے یا ان کے پھیلائے ہوئے DISINFORMATION کے جال کو ہٹانے کی کوشش کرے اسے قتل کر دیا جاتا ہے یا ایسی سزا دلوائی جاتی ہے کہ وہ نشانِ عبرت بن جاتا ہے۔ لہٰذا اہل علم کا ایک طبقہ ان کے ابلیسی عزائم کو جانتے ہوئے بھی ان پر قلم اٹھانے کے لیے پوری طرح تیار نہیں ہوتا اور یوں حقیقت سامنے نہیں آسکتی۔

☆ بنی اسرائیل کا عالمی تجارت پر صدیوں سے غلبے کا معاملہ ہو یا یاجوج (GOG) اور ماجوج (MAGOG) سے تعلقات کا معاملہ، سب ایک سربستہ راز رہتا ہے اور براہِ راست ان کے معاملات کی FIRST HAND INFORMATION تک رسائی بہت حد تک ناممکن ہے۔ ان کے معاملات میں کچھ باتیں ظاہر ہوتی بھی ہیں یا وہ خود ظاہر کرتے ہیں تو وہ بھی 50 سال بعد یا 100 سال بعد گویا ایسے وقت میں جب سانپ نکل گیا ہو اب لکیر پیٹتے رہو۔

مثلاً برطانیہ میں ایک صدی پہلے سے یہ قانون ہے کہ سرکاری دستاویزات، خطوط، فیصلے، اجلاسوں کی کارروائیاں 30 سال بعد عوام کے لیے OPEN کر دی جاتی ہیں۔ تاکہ عوام 30 سال پہلے کے حکومتی معاملات پر نگاہ ڈال سکیں اوّلاً تو 30 سال بعد اس پر نگاہ ڈالنے سے اکثر معاملات میں سوائے کف افسوس ملنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا دوسرے عوام کے لیے کھولے جانے والا مواد ملکی سلامتی کے نقطہ نظر سے بغور دیکھ کر عام کیا جاتا ہے۔ جس سے سوائے اس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ سرکاری ریکارڈ تک عوامی رسائی ہوگئی اور خانہ پری ہوگئی سربستہ راز،

پھر بھی راز ہی رہتے ہیں۔

بنی اسرائیل اور عالمی خفیہ تنظیمیں

☆ یہ بات یقینی ہے کہ دنیا بھر کی خفیہ ایجنسیوں کی ماں بنی اسرئیل ہی ہے۔ مشہور عالمی تحریک FREE MASON دنیا کی غالباً پہلی خفیہ تنظیم ہے اور اس کا سہرا بنی اسرائیل کے سر پر ہے انھوں نے یہ قیامِ مصر کے دوران زمانہ غلامی میں بنائی تھی جب وہ فرعون کے غلام تھے۔ یہ تنظیم بڑھتے بڑھتے 3 ہزار سال سے دنیا میں اب بھی مؤثر ہے اور اپنے مقاصد کو عام کرنے میں مصروف ہے۔ جنوبی ایشیا میں برطانوی اقتدار کے حصول اور صدیوں قائم رہنے میں فری میسن جیسی تحریکوں کو ہی دخل تھا۔

☆ لاہور، شاہراہ قائداعظم پر، واپڈا ہاؤس کے سامنے فیصل چوک میں بیسویں صدی میں ایک بڑی عمارت میں اس تنظیم کا دفتر قائم رہا اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں کیا ہوتا رہا، مگر اس کا ریکارڈ کبھی عام ہو سکا نہ ہوا۔

☆ ازمنہ وسطیٰ میں خفیہ تنظیمیں، حسن بن صباح کی تنظیم اور قلعہ الموت کے پاس بحیرہ کیسپین کے جنوبی ساحل پر واقع جنت سب بنی اسرائیل کی تاریخ کے سنگ میل ہیں۔ حتیٰ کہ دنیا کی تمام SECRET SOCIETIES کا تانا بانا (کُھرا) بنی اسرائیل ہی کے ہاں جا تا ہے۔

☆ اسی سلسلہ کا ایک اہم کارنامہ بنی اسرائیل کا انیسویں صدی کے آخر میں (70ءعیسوی سے لے کر 18 صدیاں دربدر ٹھوکریں کھا کر اور عالمی تجارت پر کامیاب قبضہ اور جنوبی ایشیا سے 3000 ارب ڈالرز لوٹ کر (ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے اور EIC کے دفنانے کے بعد) یہود کی مشرق وسطیٰ میں 'ارض موعود' کے حصول کے لیے سازشوں کے نئے جال بننے کے لیے 1897ء میں سوئٹزرلینڈ کی شہر BASEL میں عالمی جیوش کانگریس بلائی گئی ☆ اور ارض موعود میں سو سالہ منصوبہ منظور ہوا پھر اس پر عملدرآمد ہوا۔ سلطنت عثمانیہ کو ہٹانے کے لیے پہلی جنگ عظیم کا منصوبہ بنا۔ جرمنی اور برطانیہ فریق بنے سلطنت عثمانیہ کو جرمنی کا اتحادی بنایا گیا اور کئی مراحل کے بعد جرمنی کو ہرایا گیا اور ساتھ ہی 'نزلہ' سلطنت عثمانیہ پر گرا اور اس کے سارے مقبوضات پر قبضہ کر کے بندر بانٹ کی گئی۔ فلسطین میں یہود کو زمینیں خریدنے کی اجازت دی گئی۔ وہ جلد ہی اپنے مالی وسائل کی

وجہ سے فلسطین میں چھا گئے اور پھر کام مشکل دیکھ کر دوسری جنگ عظیم کا ڈول ڈالا گیا اور حالات اس قدر دگرگوں کر دیے گئے کہ جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد مئی 1948ء میں اسرائیل ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا۔ (الحمدللہ کہ پاکستان 14 اگست 1947ء میں معرضِ وجود میں آ گیا)

(☆ اس عالمی جیوش کانگریس میں ہندوستان سے دو نمائندے شریک ہوئے جن میں سے ایک سر آغا خان سوم بہ عمر 18 سال تھے جو بعد میں بھی اس کانفرنس کے اجلاسوں میں شریک رہے اور 1906ء تا 1929ء مسلم لیگ کے صدر رہے)

☆ اس صدسالہ منصوبہ کی کچھ تفصیلات

"PROTOCOLS OF THE ELDERS OF ZIONS" کے نام سے کتاب ملتی ہے جس کا ایک تعارف معتمر الاسلامی نے 1970ء میں کراچی سے شائع کیا تھا۔ اصل کتاب کے ٹائٹل کا عکس اور فہرست مضامین یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

Contents of the Protocols

The Protocols consists of 24 "meetings" during which the chief of the Jewish wise men explains how to turn non-Jews into slaves and how to take hold of various global institutions. The text contains a critique of liberalism, an analysis of methods that can be used to gain control of the world, and a description of the universal State to come. The book does not give details about the identity of the wise men, the author of the "minutes," the time and place of the meetings, the intended audience, or the ways in which the manuscript was made public. Salient features of the contents are as follow:

Protocol I The Basic Doctrine
Protocol II Economic Wars
Protocol III Methods of Conquest
Protocol IV Materialism Replace Religion
Protocol V Despotism and Modern Progress
Protocol VI Take-Over Technique
Protocol VII World-Wide Wars
Protocol VIII Provisional Government
Protocol IX Re-education
Protocol X Preparing for Power
Protocol XI The Totalitarian State
Protocol XII Control of the Press
Protocol XIII Distractions
Protocol XIV Assault on Religion
Protocol XV Ruthless Suppression
Protocol XVI Brainwashing
Protocol XVII Abuse of Authority
Protocol XVIII Arrest of Opponents
Protocol XIX Rulers and People
Protocol XX Financial Programme
Protocol XXI Loans and Credit
Protocol XXII Power of Gold
Protocol XXIII Instilling Obedience
Protocol XXIV Qualities of the Ruler

☆ آج کی خفیہ تنظیمیں کیا کر رہی ہیں اور کہاں ہیں یہ ایک UNTOUCHABLE عنوان ہے اور UNAPPROACHABLE موضوع ہے۔ واللہ علم

دنیا کے ہر ملک کی تنظیموں کے اوپر عالمی تنظیمیں اور پھر اس سے اوپر یہودی خفیہ تنظیمیں ہیں۔ قرآنی آیت وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (76:12) (اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے) کے مصداق اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں ہیں اور SURVIVAL OF THE FITTEST کے اصول کے تحت تمام تنظیمیں کوشش کر کے اپنا

اپنا مقام پیدا کر کے زندہ ہیں۔

اسرائیل____اور UNO

ریاست اسرائیل کے قیام کے سے لے کر آج تک اس ملک نے جارحانہ انداز میں تمام عالمی قوانین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اور UNO چارٹر کے خلاف اپنی حدود میں اضافہ کیا ہے، فلسطینیوں کو 70 سال سے پریشان کیا ہوا ہے اور اب فلسطینیوں کا وجود بھی برداشت نہیں ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر LEAGUE OF NATIONS کی طرز کی ایک اور عالمی تنظیم بنائی گئی جسے ہمارے ہاں اقوام متحدہ کہا جاتا ہے اور عرفِ عام میں UNO کہا جاتا ہے۔اس کا تنظیمی ڈھانچہ ہی DICTATORSHIP کی طرز کا ہے پانچ ممالک اس کے مستقل ارکان کے طور پر اس کو چلاتے ہیں۔ یہ پانچ ممالک (برطانیہ، امریکہ، فرانس، روس اور چین) اسرائیلی اشرافیہ کے نزدیک قابل اعتماد دوست اور ان کے عالمی ایجنڈا کے مخلص اور تابعدار ورکرز ہیں۔ان ممالک کی حکومتیں، اپوزیشن اور اگلے 20 سال تک متوقع قیادت سب اسرائیل کے زر خرید ہیں جو اسرائیل چاہتا ہے وہی کرتے ہیں اس کے علاوہ کوئی کام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ باقی ممالک تو ڈھور ڈنگروں کی طرح ہیں۔ جو ایجنڈا بڑے یہودیوں نے 100 سال پہلے طے کر دیا تھا اسی کو آگے بڑھانے میں مگن ہیں۔

اسرائیل کا عالمی حکومت کا خواب اور UNO

بنی اسرائیل کا یہ خواب ہے کہ وہ ایک عالمی حکومت بنائیں اور اس کے سارے معاملات صرف ان کے ہاتھ میں ہوں اور باقی ساری خلق خدا ان کی چاکری کرے SERVICES دے اور دو وقت کی خوراک ہماری پھیلائی گئی ملٹی نیشنلز سے حاصل کرے، ہماری ہی بنائی ہوئی فلم انڈسٹری اور میڈیا سے لطف اندوز ہو، انٹرنیٹ پر ہماری اجارہ داری میں جاری بے حیائی اور عریانی کا شکار ہو کر زندگی گزارے، بس۔ ساری انسانیت ہمارے تیار کردہ اداروں اور ملٹی نیشنلز کا ایک اچھا خریدار رگاہک بن کر زندگی بسر کرے۔ مرد و زن کے تعلقات صرف RECREATION تک محدود ہوں باقی CREATION یا نسل انسانی کی بقاء اور تسلسل یا نئے انسانی بچوں کی

پیدائش برائیلر انڈسٹری کی طرح اب اس مقصد کے لیے قائم کی گئی فیکٹریوں میں مرغی کے چوزوں کی طرح کنٹرول ہوگی۔ اس کا مرد وزن سے اکثر و بیشتر عام انسانی زندگی میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ اسرائیل اپنی مرضی سے کم/زیادہ انسان پیدا کرے گا جو انسان نما حیوان ہوں گے، ربوٹ کی طرح اچھے ورکر ہوں گے، جوان ہوں گے، کمائیں گے، ملٹی نیشنلز کے CUSTOMER ہوں گے بس۔ یہ ملٹی نیشنلز چلتی رہیں گی اور اسرائیل میں بیٹھ کر یہودی اشرافیہ ان کا منافع گھر بیٹھے کھاتے رہیں گے۔

اس مقصد کے لیے وہ کس حد تک کامیاب ہیں وہ سامنے ہے۔ مطلوبہ TARGET تو ابھی دور ہے مگر اس کی طرف پیش رفت میں حیرت انگیز حد تک اضافہ ہو رہا ہے۔ UNO عالمی اسرائیلی حکومت کا چربہ ہے سارے ممالک اس کے ممبر ہیں اور UNO کے فیصلوں پر عملدار آمد کے لیے ہر ممکن کوشش کے پابند ہیں۔ ایک عالمی کرنسی ڈالر ہے جس میں کاروبار ہو رہا ہے۔ UNO کی انتظامی کونسلیں سلامتی کونسل اور جنرل کونسل دونوں اس کی مٹھی میں ہیں اس کی مرضی کے فیصلے ہوتے ہیں اور نافذ ہوتے ہیں۔

کشمیر کا تنازعہ 70 سال سے UNO کے پاس ہے اس کے لیے کوئی پیش رفت نہیں۔ اس لیے کہ یہ ان کا خود تراشیدہ ہے اور ان کے اپنے ایجنڈے کا حصہ ہے کہ UNO کے اعلیٰ عہدیدار (اسرائیلی جاسوس) پاکستان کے کونے کونے میں اعلیٰ سائنسی آلات کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ اور چیکنگ دندناتے پھرتے ہیں۔ اس کشمیر کے مسئلہ کے برعکس کئی دوسرے اسی طرح کے جھگڑے تھے وہ اسرائیلی ایجنڈے میں طے کرنا فائدہ مند تھا اس لیے چند مہینوں میں فیصلے ہو کر ان پر فوراً عمل درآمد ہو گیا۔

UNO میں شمولیت سے پاکستان کو کوئی فائدہ ہوا یا نہیں۔ یہ ضرور ہوا کہ UNO کے تحت کئی کانفرنس ہوئیں اس میں WOMENLIB کے عنوان سے بے شمار بے ہودہ فیصلے ہوئے، ممبرشپ کی وجہ سے پاکستان ان پر عمل درآمد کرنے کا پابند ہے حالانکہ UNO کے منشور میں ہے کہ کسی ملک کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیا جائے گا تاہم کئی ایسے اسلام دشمن اور خدا بیزار فیصلے کر کے ان کو کیموفلاج کر کے اور IMF کے قرضوں کی شرائط کے ساتھ نتھی کر کے پاکستانی

سیاسی قیادت کے حلق سے اتارے گئے۔

اسرائیل کی عالمی حکومت کے لیے CTBT اور TRIPP کے نام سے آج سے 20 سال پہلے معاہدے ہوئے، ان پر عمل درآمد کے لیے مسلسل دباؤ ہے۔ عالمی تجارت کے لیے سہولتیں ہیں مگر اس کے ساتھ عورتوں کی بے لگام آزادی کا بے ہودہ ایجنڈا ہے۔ اللہ اس ایجنڈے کے بنانے والوں اور آگے بڑھانے والوں کو غارت کرے وہ کبھی کامیاب نہ ہوں۔ آمین

اسرائیل کا عالمی غلبے کا خواب اور یاجوج ماجوج

اوپر بیان کردہ تفاصیل کے مطابق اگرچہ یہود اور یاجوج ماجوج باہم ایک ہیں اور دونوں یہودی ہیں مگر ان کے عالمی غلبے کے ادھورے خوابوں کی تکمیل کے بارے میں ان کی تشریحات میں فرق ہے۔

اسرائیلی یہود اور غیر اسرائیلی یہود (MAGOG,GOG) کی وضاحت تو سامنے آ چکی ہے۔ اسرائیلی یہودی کٹر مذہبی اور بنیاد پرست یا ORTHODOX یہودی ہیں جبکہ یاجوج ماجوج لبرل، بے عمل، نام کے یہودی ہیں۔ اسرائیلی یہود یہ چاہتے ہیں کہ اسرائیل ملک پھیلے اور پہلے درجہ میں وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تک پھیل جائے اور پھر دوسرے مرحلے میں پھیل کر ساری گلوب کو اپنے دائرۂ اختیار میں لے لے، وہاں تورات اور اسرائیلی روایات کی عملداری اور غلبہ ہو۔

جبکہ غیر اسرائیلی یہودی یہ چاہتے ہیں کہ اس اسرائیل کی حدود یہیں رہیں یا فلسطین تک آ جائیں باقی اس کا PHYSICAL عالمی غلبہ نہ ہو بلکہ وہ اپنی ملٹی نیشنلز کے ذریعے دنیا بھر کے ممالک اور ان کے عوام پر اپنا غلبہ قائم کر لے۔ محنت غیر یہودی کریں منافع گھر بیٹھے اسرائیلی لوگ اسرائیل میں کھائیں۔ اس مقصد خبیثہ کے لیے انہوں نے عالمی تجارتی معاہدے کر لیے۔ TRIPP کے نام سے معاہدے ہیں انڈسٹری پر تو ملٹی نیشنلز گزشتہ دو عشروں سے بلا شرکت غیرے قابض ہیں ایک عرصے سے وہ زراعت (AGRICULTURE) پر قبضہ مضبوط کرنے کے درپے ہیں اور کافی حد تک اس قبضے کو مضبوط بھی کر لیا ہے۔

زراعت پر قبضے سے ان کا ایجنڈا یہ ہے کہ دیسی مرغی اور فارمی مرغی کے فرق کی طرح وہ

زراعت کے میدان میں بھی تقسیم کردیں۔سب کو معلوم ہے کہ دیسی مرغی کا گوشت اور انڈا صحت کے لیے زیادہ مفید ہے مگر اب اس طرح مرغی کو جدید گھروں میں کون پالتا ہے اب تو ملٹی نیشنلز ہیں جن کے مرغی فارم ہیں ان کا گوشت پیک ملتا ہے۔فریزر سے نکال کر خریدیں اور گھر جا کر فریزر میں رکھ لیں جب چاہیں پکالیں اسی طرح انڈے ہیں ایک خاص قسم کی مرغی LAYER ہے جو انڈے دیتی ہے۔ماضی میں دیسی مرغی انڈے دیتی تھی وہ انڈے اکٹھے کر کے مرغی کے نیچے رکھتے تھے مرغی انڈے سینت کر ان میں سے چوزے نکالتی تھی پھر ان کو پالتی تھی مگر یہ اب فارمی انڈے ایسے ہیں کہ آپ ان کو کھا سکتے ہیں ان سے بچے پیدا نہیں ہو سکتے۔بچے پیدا کرنے والے انڈے اب بازار میں نہیں ملتے وہ اب صرف ملٹی نیشنلز کے فارم پر پیدا ہوتے ہیں اور وہیں مشینی INCUBATORS میں ایک خاص درجہ حرارت پہ رکھ کر مطلوبہ دنوں میں ان سے چوزے نکالتے ہیں۔وہ چوزہ اب 24 گھنٹے کا یا 72 گھنٹے کا مارکیٹ میں ملتا ہے اور ملٹی نیشنلز کی طرف سے ORDER پر بڑے بڑے ٹریلرز میں بیک وقت 5000-10000-20000 تک سپلائی ہو جاتا ہے۔یہ چوزے آج مرغی فارمز کے پاس آتے ہیں وہ ان کو 6 ہفتے یا 8 ہفتے پال کر مرغی بناتے ہیں اور پھر مارکیٹ میں بیچ دیتے ہیں پھر نئے چوزے خرید لیتے ہیں۔گویا فارمی مرغی سے گوشت انڈے حاصل ہوتے ہیں مگر ان سے BREEDING افزائش نہیں ہو سکتی۔

بعینہٖ اسی طرح اب زراعت میں عمل درآمد ہو رہا ہے۔اب دیسی بیج کی بجائے فارمی نئے ایجاد کردہ بیج ہیں جو زرعی یونیورسٹیوں کی زیر نگرانی فیکٹریوں (SEED CORPORATIONS) میں بنتے ہیں اور مہنگے سپلائی ہوتے ہیں۔کسان ان بیجوں کو خریدتا ہے۔اس میں INCENTIVE یہ دیا جاتا ہے کہ اس کی پیداوار فی ایکڑ حیران کن حد تک زیادہ ہے مگر افسوس کہ اس طرح پیدا ہونے والی فصل سے کچھ بیج بچا کر اگلی فصل پیدا نہیں ہو سکتی۔وہ بیج آپ کو دوبارہ مارکیٹ سے خریدنا ہوگا۔

گویا زراعت ایک انڈسٹری ہے SEED CORPORATIONS اب ملٹی نیشنلز کی ملکیت ہیں۔کھاد فیکٹریاں اور زرعی ادویات بھی انہیں کی ملکیت ہیں کسان وہاں سے بیج، ادویات، کھاد خریدے، جا کر چار مہینے محنت کرے، اس کی قسمت۔موسم صحیح ہوگا بارشیں کم ہوں یا

زیادہ ہوں فصل اچھی ہو یا خراب یہ معاملہ وہ جانے اس کی قسمت۔ملٹی نیشنلز کو سارا منافع (کسان کے چار ماہ کی محنت سے کہیں زیادہ) بیج، کھاد اور زرعی ادویات بیچ کر فی ایکڑ حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ملٹی نیشنلز نے اپنی گرفت زراعت پر بھی مضبوط کر لی ہے۔تھوڑے عرصے میں اپنی گرفت پوری طرح مضبوط کر لیں گے تو دنیا کا نقشہ ہی اور ہوگا (اللہ کرے وہ وقت کبھی نہ آئے آمین)۔

گزشتہ دو تین دہائیوں سے ہمارے ہاں گندم، سبزیاں از قسم کریلے، گاجریں، مولی، شلجم، ٹماٹر، مٹر وغیرہ ان سب کے بیج باہر سے آ رہے ہیں۔ جاپان ایک غیر زرعی ملک ہے مگر کئی سبزیوں کے بیج پوری دنیا کو سپلائی کر رہا ہے۔ملٹی نیشنلز اپنی فیکٹریوں میں خود ساختہ اچھے ماحول میں اپنا بیج تیار کر کے کسان کو دے دیتی ہیں۔ یہ بے چارہ کسان کھلے آسمان تلے زمین میں بیج بکھیر کر اپنی قسمت اور مقدّر کا انتظار کرتا ہے چار ماہ بعد فصل ہوگی یا نہیں یا کیسی ہوگی؟ــــ یہ سب اس کی بلا سے۔ یہ سب کچھ اسرائیل ـــــ یہود ـــــ ملٹی نیشنلز، یاجوج ماجوج کے گٹھ جوڑ سے شروع ہوا ـــــ اور آج دنیا اس کی گرفت میں آ چکی ہے۔فیصلے کسان اور زرعی ممالک نہیں بلکہ اسرائیل اور ملٹی نیشنلز کرتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

اسرائیل کے اس غلبے سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے یا نہیں اس پر گفتگو اگلے باب میں ہوگی۔

قابل توجہ

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

باب 7

ملٹی نیشنلز کا وسائل رزق پر قبضہ کیسے ختم ہو!

ملٹی نیشنلز کا غلبہ ہی دجالیّت ہے:

ملٹی نیشنلز کے تسلّط سے آزادی:

سود کا فوری مکمل خاتمہ

کرپشن کا خاتمہ

ذخیرہ اندوزی کا خاتمہ

1000 اور اس سے زیادہ مالیت کے نوٹ
فوراً ختم کر دیے جائیں

باب 7

ملٹی نیشنلز کا وسائل رزق پر قبضہ کیسے ختم ہو!

ملٹی نیشنلز کا غلبہ ہی دجالیّت ہے

گزشتہ ابواب میں یہ بات خوب واضح ہو چکی ہے کہ بنی اسرائیل کے ہزاروں سال سے عالمی تجارت پر قبضے اور اجارہ داری نے قرونِ وسطیٰ میں وسائل رزق پر قبضہ کے لیے سونے، چاندی کے سکّے اور ہیرے جواہرات کا روپ دھارا۔ اس سلسلے میں وہ بادشاہوں کو اٹھانے اور بھگانے والے بنے۔ بادشاہوں کی ہوسِ زر اور ہوسِ اقتدار و توسیعِ فتوحات کی تکمیل کے لیے قرضوں میں سود وصول کیا۔ دنیا میں سیاست اور PRINCES کا تصوّر عام کیا اور سترھویں صدی (1602ء میں ایسٹ انڈیا قائم ہوئی) سے اس عالمی قوت نے حکومتوں پر قبضے کا منصوبہ بنایا۔ کاروبار نے ملٹی نیشنلز کی صورت اختیار کر لی اور 1750ء کے لگ بھگ یورپی اقوام کے روپ میں ساری دنیا میں قبضے کو یقینی بنا دیا۔ صنعتی انقلاب سے فائدہ اٹھا کر مختلف مصنوعات کے لیے مختلف کمپنیاں بنیں جو دیکھتے ہی دیکھتے بیسویں صدی آنے تک دنیا کے بیشتر ممالک میں اپنے کاروبار پھیلانے میں کامیاب ہو گئیں۔ بیسویں صدی میں پریس اور بعد ازاں ریڈیو، ٹی وی اور میڈیا کے ذریعے اشتہارات کو استعمال کر کے لوگوں میں اپنے پراڈکٹس کو خریدنے کی خواہشات کو اُبھارا۔ نت نئے انداز میں ملبوسات، جوتے، فیشن کے لوازمات، میک اپ کا سامان، بے راہ روی کے متعلقات، گھڑیاں، الیکٹرانکس کا سامان ـــــ اور بعد ازاں موبائل فونز کے نئے انداز سامنے لا کر عوام کو لازمی خریداری پر ابھارا۔ بینکنگ، سودی قرضے، کریڈٹ کارڈ، ڈیبٹ کارڈ، ایڈوانس تنخواہ وغیرہ کے ذریعے انسان کی فضول خرچی کی عادت کو SHOPPING میں بدل دیا۔ بڑے مالز، دکانیں، پلازے دنیا بھر کے سامان سے اَٹ گئے۔ اب ONLINE خریداری

کے ذریعے اشتہارات (انٹرنیٹ پر) کا سہارا لے کر کاروبار کو بلندیوں تک پہنچادیا۔ AMAZONاور ALIBABAاب دنیا میں گھنٹوں میں اربوں ڈالرز کا کاروبار کر لیتے ہیں۔

اس پر مستزاد ٹیکنالوجی کے زور پر پہلے COURIER SERVICE اور اب ڈرون ٹیکنالوجی ہے، مختلف پراڈکٹس کی HOME DELIVERY کا آغاز ہوااور اب 'فوری ہوم ڈلیوری' کے عنوان سے ہوٹل انڈسٹری اور PIZZA گھر گھر تک پہنچایا جا رہا ہے۔

ملٹی نیشنلز کا اتنا زوراور غلغلہ ہے کہ اب انسانیت کیا کھائے گی یہ فیصلہ ملٹی نیشنلز کے ڈائریکٹر کرتے ہیں اور سپلائی کرتے ہیں کوالٹی کی حقیقت عام آدمی جان ہی نہیں سکتا۔ جعلی اشیاء عام ہیں۔ دودھ، صاف پانی، انرجی ڈرنکس، بے شمار اشیاء کیمیکلز کے استعمال سے انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہونے کے باوجود عام ہیں اور CRAZE کے انداز میں استعمال کی جا رہی ہیں۔ ملٹی نیشنلز کو عالمی سطح پر ایک ذریعے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔

انہیں ملٹی نیشنلز کی دوڑ میں اب ہیلتھ انڈسٹری بھی شامل ہے ادویات اب اسی طرح اشتہارات اور میڈیکل ریپس کے ذریعے فروخت ہوتی ہیں۔ سستی دوائی کی بجائے مہنگی متبادل دوائیاں فروخت ہوتی ہیں اور عوام کو لوٹا جاتا ہے۔ ملٹی نیشنلز کلچر کی وجہ سے ایک چیز ناروے ملک میں بن کر پاکستان کے کسی چھوٹے شہر میں پہنچتی ہے تو دس روپے کی چیز 100 روپے کی ہو چکی ہوتی ہے۔ ملٹی نیشنلز ڈاکٹروں کو اپنے ہی تیار کردہ پراڈکٹس (مہنگی ادویات) زیادہ فروخت ہونے یا کرنے پر بینکاک، سنگاپور کی سیر کے INCENTIVE دیتے ہیں۔

سیکولر مزاج ڈاکٹر ہو تو نیپال، مڈل ایسٹ کا ٹور آفر کرتے ہیں۔ مذہبی مزاج کا باعمل مسلمان ڈاکٹر ہو تو (جیسا منہ ویسی چپت کے انداز میں) حج اور عمرہ پیکیج پیش کر دیے جاتے ہیں۔ ڈاکٹروں کو کاریں قسطوں پر خرید کر دی جاتی ہیں کہ وہ 10 روپے کی دوائی کی بجائے 50 روپے کی دوائی یا 100 روپے کی دوائی PRESCRIBE کریں۔

ہیلتھ کے بعد ایجوکیشن کو بھی انڈسٹری بنا دیا گیا ہے۔ دس بیس ہزار روپے ماہانہ فیس کے ساتھ پرائمری اور ہائی سکول کی ایجوکیشن شروع ہوتی ہے اور دس لاکھ روپے تک میڈیکل کی ڈگری کے لیے میڈیکل کالج میں داخلہ مل جاتا ہے (میرٹ کے بغیر)۔ یہی نہیں اس سلسلے میں جعلی

ڈگریوں کا دھندا عروج پر ہے اور امریکی، برطانوی اور دیگر غیر ملکی عالمی شہرت یافتہ اداروں کا نام استعمال کر کے (ملی بھگت اور باہمی رضامندی سے) جعلی سندیں جاری ہوتی ہیں اور استعمال ہو کر عہدے اور ریسرچ JOBS ملتے ہیں۔ یونیورسٹیوں کے VC اور اداروں کے چیئرمین بنتے ہیں۔ یہ کام تمام تر خفیہ اداروں کے باوصف عین ملٹی نیشنلز کے ذریعے ہوتے ہیں۔

اسی پر بس نہیں، چھوٹے ملکوں میں مرضی کی حکومتیں لانے، ان کو کامیاب یا کمزور کرنے اور گرانے کے لیے بھی پورا ایک سیٹ اپ ہے۔ بینکوں کے ذریعے منی لانڈرنگ ایک ہوش رُبا پہلو ہے جس سے اربوں ڈالر مغربی ملکوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ کمزور ممالک اور بالخصوص مسلمان ممالک کے حکمرانوں کو لوٹ کھسوٹ کے گُر سکھائے جاتے ہیں پھر وہ رقم INCENTIVES کے ساتھ مغربی ممالک میں مہنگی جائیداد کی خریداری کے ذریعے پہنچائی جاتی ہے۔ بینک بیلنس کی شکل میں بھی اربوں ڈالر کی دولت تیسری دنیا کے ممالک کے حکمران یورپی ممالک اور امریکہ کو دیتے رہتے ہیں۔ اس پر مستزاد، یہودی سوئزرلینڈ میں بے نامی اکاؤنٹس کے ذریعے اپنے نصب کردہ حکمرانوں کی لوٹ کھسوٹ اور کرپشن کی دولت کو محفوظ بنانے کے لیے اکاؤنٹس کھولنے کا دلکش OPTION موجود ہے۔ جہاں سے دولت کی واپسی ناممکن ہے۔

ملٹی نیشنلز میں HEAVY INDUSTRY اور ڈیفنس انڈسٹری کے ذریعے جہاں MEGA PURCHASES ہوتی ہیں، رشوت، KICKBACKS، تحائف، غیر ملکی ویزے وغیرہ کا بازار گرم ہے۔ چاہے ان تیسری دنیا کے ممالک اور بالخصوص مسلمان ممالک کا کباڑا (ستیاناس) ہو جائے۔ مثلاً پی آئی اے کے لیے کوئی جہاز خریدا جانا ہے اس کے لیے مغربی ملٹی نیشنلز ہی کے پاس جانا ہے۔ اکثر قرضہ بھی مغربی بینکوں اور IMF، ورلڈ بینک وغیرہ دیتا ہے۔ متعلقہ ملک سے چند آدمیوں کا وفد (PURCHASING COMMITTEE) جاتا ہے۔ پچاس کروڑ ڈالر یا ارب ڈالر کے سودے میں منافع کتنا ہے یہ عام آدمی سوچ بھی نہیں سکتا۔ (صرف مشروبات میں PEPSI کی ہر بوتل پر SALE PRICE کے مقابلے میں لاگت اور سپلائی صرف 15-20% ہے باقی منافع ہے۔ اسی مثال پر قیاس کر لیں)۔ خریداری وفد اس قیمت فروخت کی آفر میں کتنے فیصد رقم کم کرائے گا یہ ایک معمہ (PUZZLE GAME) ہے۔

رشوت آفر کی جاتی ہے۔ اگر کوئی دیانتدار کمیٹی رشوت نہ مانے تو سودا مہنگا فروخت ہوگا ایک ملٹی نیشنلز کا نہیں تو دوسری ملٹی نیشنلز کا (ملٹی نیشنلز کے جال WORLD WIDE WEB سے باہر تو جا ہی نہیں سکتے) مال خریدنا ہے اور اگر خریداری وفد راضی ہو جائے تو سرکاری قیمت خرید بالفرض سو روپے آفر کر کے 90 پر سودا طے ہو گیا تو مزید پانچ دس فیصد رقم بطور رشوت کے آفر کرنا اس ملٹی نیشنلز کمپنی کے SALES DIRECTOR کا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ چند افراد کو ایک کروڑ ڈالر یا پچاس لاکھ ڈالر آفر کر دیے جائیں تو سیکولر اور لبرل مزاج کے افسروں میں سے کون ایسا پاک باز اور خدا خوفی رکھنے والا وفد ہوگا جو اس کو قبول نہ کرے۔

اس وفد کو مہنگے ہوٹلوں میں ٹھہرانا ___ کلبوں کی سیر ___ نائٹ کلبوں تک لے جانا ___ شراب کباب یہ مغربی معاشرے کے کاروباری اخلاق کا حصہ ہے اور نائٹ کلب انڈسٹری اسی کے دم سے چل رہی ہے۔

رشوت کی رقم دیتے وقت مغربی ملٹی نیشنلز کے اہل کار ایک طرف تو وفد کو انٹرنیشنل لیول کے جوا خانے اور کیسینو کا راستہ دکھاتے ہیں جس کے لیے گیمز (GAMES) کے انداز میں جوا بچپن سے ہی مغربی سکولوں کے کلچر میں سکھا دیا جاتا ہے اور ہمارے بچے بھی یہی سیکھتے ہیں۔ اس آفر (OFFER) میں کامیابی نہ ہو تو ____ دوسرا راستہ یہ ہے کہ اگر یہ رقم تم اپنے ملک ٹرانسفر کرو گے تو جلد ہی بدعنوانی کے الزام سے پکڑے جاؤ گے۔ لہٰذا رقم وصول بھی کرنی ہے اور خطرہ جان اور خطرہ عزت بھی ہے۔ (خطرہ ایمان والا پہلو تو بالعموم مغربی وفود میں SELECTION کے وقت ہی ایک طرف رکھ دیا جاتا ہے)۔

لہٰذا یہ مغربی ملٹی نیشنلز کا ایک پورا کلچر DEVELOP ہوا ہے اور یہ بنی اسرائیل (یہود) کا ایک سوچا سمجھا فلسفہ ہے کہ انہوں نے اپنے لیے سوئزر لینڈ میں پناہ گاہ تعمیر کر کے وہاں کے بینکوں کی GOODWILL مشہور کر رکھی ہے کہ وہ کسی ACCOUNT HOLDER کی شناخت کسی ملک کو ظاہر نہیں کرتے اور وہاں کے بینکوں کے اہل کار بھی یہودی ہوں گے جن سے غیر یہودی ایجنسیز شناخت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں بالفاظِ دیگر یہ رشوت کی رقم لو ____ اور ساتھ ہی سوئزر لینڈ میں اکاؤنٹ کھول کر وہاں جمع کرا دو ____ رقم بھی محفوظ ____

منافع (سود) بھی زیادہ اور نیک نامی بھی برقرار ــــــ بدعنوانی کے الزام سے بھی بچت۔ اللہ اللہ خیر صلاّ ــــــ ابھی اس STORY کی اور تفصیلات بھی ہیں۔

قارئین اُکتا کر اس مضمون کو ایک طرف نہ رکھیں ــــــ

اب اگلے مرحلے میں متعلقہ شخص کو (ارکان وفد کو) ایک نئے دریا کو عبور کرنے کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے اور وہ خوفناک مستقبل وہیں تھوڑی دیر بعد ہی سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ سالانہ منافع بینک دے گا وہ پاکستان ٹرانسفر کر دیا جائے تو پھر وہی بدعنوانی کا مسئلہ۔ لہٰذا اس مسئلہ کا بے ضرر اور خفیہ حل یہ ہے کہ متعلقہ ملک (جہاں سے یہ خریداری عمل میں آرہی ہے) کی شہریت لے لو۔ سالانہ چھٹیوں کے نام پر ملک سے باہر نکلو سوئزرلینڈ کا منافع وصول کرو اور مفت میں مزے اڑاؤ۔ مغربی ممالک کی بے لگام بے لباس عریانی فحاشی والی ٹورازم انڈسٹری کے مزے اُڑاؤ، مہنگے فائیو سٹار ہوٹلوں کی میزبانی سے لطف اندوز ہو ــــــ اور چھٹیاں گزار کر واپس پاک صاف بن کر ملک لوٹ جاؤ ــــــ ضمیر بہت زیادہ ملامت کرے تو واپسی پر عمرہ کرتے جاؤ اور اس کے فوٹو اور خبر ــــــ دوستوں کے ذریعے پاکستان میں پہلے ہی شائع کرا دو (اس خبر کی اشاعت کے لیے پیسے بھی دینے پڑیں (مال حرام بُود جائے حرام رفت) کوئی حرج نہیں ہے۔

ہمارے ملک میں TOP BUREAUCRACY، سیاستدانوں، تاجروں وغیرہ میں دوہری شہریت (DUAL-NATIONALITY) کی وباء (CANCER) کہاں سے آئی ہے؟ کھلی آنکھوں کے ساتھ پڑھو تو بات سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ پرائیویٹ سیکٹر میں یہ فائدے کمپنیوں کے مالک خود حاصل کرتے ہیں۔ لوکل گورنمنٹ کے افسران اور صوبائی و مرکزی حکومت کے خریداری وفود اور ملکی بڑے اداروں کی خریداری کمیٹیوں کے ارکان سب اسی راہ کے مسافر ہیں ــــــ اِلا ماشاءاللہ۔ اللہ تعالیٰ جس کو بچالے وہ شخص سونے میں تولنے کے لائق ہے۔

اس رُخ پر پڑھتے ہوئے اور سوچتے ہوئے مزید تفصیلات بھی سامنے آتی ہیں جو اس سارے عمل اور سوچ کا منطقی نتیجہ ہے۔ اس کا اب یہاں موقع نہیں ہے۔

(ii) ملٹی نیشنلز کے تسلّط سے آزادی:

ملٹی نیشنلز کے کاروباری جال (TRAPS) ہوں یا IMF کی شرائط قرضہ، ورلڈ بینک کا

معاملہ ہو یا ASIAN DEVELOPMENT BANK کا سب کی بنیاد سود (BANK INTEREST) پر ہے اور سود کے مفاسد اتنے زیادہ ہیں کہ اس کی برائی ایک مسلمان کے لیے سمجھنا بہت آسان ہے۔

☆ سود کو ہمارے دین نے سختی سے منع کیا ہے اور قرآن مجید میں اس سے متعلق بہت سی آیات موجود ہیں۔ مفکرِ پاکستان علامہ اقبال نے بھی اس سود کی لعنت سے متعلق خوب لکھا ہے۔ یہ وباء مغرب ہی کی پھیلائی ہوئی ہے اور امریکی سرمایہ دارانہ نظام کا حصہ ہے ورنہ آج بھی دنیا میں سوشلزم کے آنے سے USSR میں سود ختم ہو گیا تھا اور وہ نظام کامیابی سے چلتا ہے بات صرف قوت ارادی کی ہے۔ ایک WILL POWER درکار ہے انگریزی الفاظ ہیں:

WHERE THERE IS A WILL THERE IS AWAY

سود (BANK INTEREST) کا خاتمہ

ملٹی نیشنلز اور دجالیّت کے جال سے نکلنا ہے تو ہمارے نزدیک ایک ہی راستہ ہے۔ ایک ہی تیر سے دو شکار ہو سکتے ہیں اور اگر ہماری حکومت یہ کام کر لے تو اندرونِ ملک کا قرضہ (جو اکثر و بیشتر رشوت اور ناجائز منافع خوری کا ہے اکثر بے نامی اکاؤنٹس ہیں جو نیشنل سیونگز کے ہاں ہیں) یکسر سپریم کورٹ کے ایک جاندار فیصلے سے ختم کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک غیر ملکی قرضوں (IMF اور ADB وغیرہ) کا تعلق ہے تو اگر سپریم کورٹ کے آئینی فیصلے سے سود کو ختم کرنے کا عزمِ مصمّم پیدا ہو جائے اور ہم بحیثیت قوم ملک کے اندر سے اس برائی کا خاتمہ کر دیں اور اس میں مخلص ہوں تو ایک طرف تو قرآنی آیات کے مطابق اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے ہماری جاری جنگ ختم ہو جائے گی (جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان بے رحم بینکوں کا سبز چارہ بنا دیا ہے) اور دوسری طرف ہم پورے خلوص دل اور بیک زبان کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ملک کے اندر سے اپنا سود بھی ختم کر دیا ہے۔ سپریم کورٹ کا فیصلہ ہے ہم نے 30 سال سے فیصلے کو لٹکایا ہے مگر اب ہماری مجبوری ہے اگر خلوص ہو تو اللہ تعالیٰ فریق مخالف کے دل میں بھی نرم گوشہ پیدا کر سکتا ہے اور اس کی کئی مثالیں تاریخ عالم میں موجود ہیں کہ ملکوں نے عالمی بینکوں نے مالیاتی اداروں کو سود دینے سے انکار کر دیا اور وہ ان کو کوئی بڑا نقصان

نہیں پہنچا سکے۔ لہٰذا ہماری حکومت وقت سے درخواست ہے کہ اندرونِ ملک (بیواؤں اور پنشنروں کے لیے سودی منافع کے لیے علاوہ کوئی حل نکالا جا سکتا ہے) اور بیرونِ ملک قرضوں کو سود سے پاک کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ سپریم کورٹ اور شریعت ایپلٹ بینچ میں زیرِ سماعت انسدادِ سود پٹیشن میں حکومت سابقہ آئینی فیصلے کو فوراً نافذ کر دے۔ اِن شاء اللہ اس سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حالات بہت بہتر ہو جائیں گے۔

کرپشن کا خاتمہ

ملٹی نیشنلز (دجالی فتنہ) سے نکلنے کے لیے دوسرا اہم کام ان ملٹی نیشنلز کا KICK BACKS اور رشوت کا عالمی جاری نظام توڑنا ہوگا اور اندرونِ ملک کرپشن سے پاک معاشرہ کھڑا کرنا ہوگا۔ اس کام کے لیے حکومت نے کوششیں شروع کر دی ہیں مگر ابھی مزید بہت زیادہ کام کرنا باقی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقدامات ضروری ہیں:

(i) پرائمری سکول سے ہی نصاب کی کتابوں میں ایسے مضامین، اقوال زریں اور آیات و احادیث پڑھائیں جس سے کرپشن کو ایک بری بات اور منفی قدر کے طور پر نمایاں کیا گیا ہو۔

(ii) علماء کرام سے مدد لے کر خطباتِ جمعہ وغیرہ میں اس موضوع پر وقتاً فوقتاً خطاب ہونے چاہئیں تا کہ عوام کو اس برائی کا شعور اور وہ اس سے بچ سکیں۔

(iii) ریلوے اسٹیشنوں، بس اڈوں، ریڈیو، ٹی وی، ٹی وی چینلز پر اشتہارات کے ذریعے کرپشن کی برائی کو ظاہر کیا جائے، ریڈیو ٹی وی اور اخبارات میں ایسے مضامین شائع ہوتے رہیں جن میں کرپشن کی برائی کو ظاہر کیا گیا ہو، تا کہ عوام و خواص اس برائی کی خرابیوں سے واقف ہو کر اس سے دور رہیں اور بچے بچپن سے ہی اس سے بچنے کی سوچ لے کر جوان ہوں۔ سرکاری اداروں، پولیس، اساتذہ، لوکل گورنمنٹ کے ملازمین کی رہنمائی و بھلائی کے لیے ہر جگہ ایسے کتبے، سائن بورڈ، فلیکس اور تحریریں آویزاں کی جائیں کہ اس معاشرتی ناسور کی برائی عیاں ہو رہی ہو تا کہ معاشرے کے افراد اس برائی سے بچیں۔

ذخیرہ اندوزی کا خاتمہ

وسائل رزق کی فراہمی، پیداوار اور اس کی ذخیرہ اندوزی (HOARDING) کی

ایک فطری ضرورت اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں رکھی ہے زرعی اجناس کی مدت ایک فصل سے دوسری فصل تک یا اس سے کچھ زیادہ ہے۔ پھلوں کی بہت کم ہے جبکہ کپڑا، کپاس، چمڑا، روغنیات کی مدت زیادہ ہے گوشت سکھا کر، پھل بھی سکھا کر زیادہ عرصے سٹور کیے جاسکتے ہیں۔

ذخیرہ اندوزی جب انسانی ہوس بن جاتی ہے تو پھر انسان اس کے کئی طریقے ڈھونڈ کر اس کو 'زر' میں تبدیل کر کے (قوت خرید) سونا، کاغذی کرنسی، E-CURRECY اور اب BITCOIN میں لاکھوں ٹن اجناس کی قیمت ایک بریف کیس (BRIEF CASE) میں ڈال لیتا ہے۔ اس کاغذی کرنسی کے ضمن میں بھی انسان کے عام استعمال کے کاغذی نوٹوں سے کہیں بڑھ کر پانچ ہزار، دس ہزار، پچاس ہزار کے سکوں کے برابر قیمت کے نوٹ جاری کر رکھے ہیں۔ پچاس ہزار ڈالر کے سکے سٹور کرنا کتنا مشکل ہے جبکہ پچاس ہزار ڈالر کا ایک نوٹ سنبھالنا کس قدر آسان ہے۔ لہٰذا یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ ذخیرہ اندوزی کا ایک فوری ذریعہ جو عام مارکیٹ میں بیٹھا تاجر اختیار کرتا ہے وہ بڑی قیمت کے نوٹ ہیں۔

لہٰذا ــــــ اگر ہم وسائل رزق پر عوامی سطح سے لے کر ملکی سطح پر قبضہ روکنا چاہتے ہیں تو ہمارے نزدیک 10،20،50،100 کے بعد 1000 روپے تک کے نوٹ جاری ہونے چاہئیں اور اس کے بڑی نوعیت کے نوٹ بتدریج، اعلان کر کے ختم کر دینے چاہئیں تاکہ ذخیرہ اندوزی اور چاہے نوٹ ہی اپنے پاس رکھنے ہوں ان کی صلاحیت گھٹ جائے اور اجناس فوراً مڈل مین (MIDDLEMAN) سے نیچے WHOLE SALE DEALER اور RETAILER کے پاس پہنچ کر CONSUMER تک پہنچ سکیں۔

اس طرح بڑی قیمت کے نوٹ ختم کرنے سے رشوت اور کرپشن بھی ختم کرنے میں آسانی ہوگی۔ بالعموم کرپشن اور رشوت کا پیسہ CASH کی صورت میں ہوتا ہے لہٰذا دس لاکھ بیس لاکھ کی کرپشن کے لیے نوٹ سے بریف کیس بھر جائے گا جس کا سنبھالنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا مسئلہ بن جاتا ہے۔ جبکہ بڑے نوٹوں کی صورت میں یہی کام بہت آسان ہے۔ واللہ اعلم

☆ وسائل رزق پر ناجائز قبضہ کو ختم کرنے لیے جو تجاویز اوپر کی سطور میں دی گئی ہیں وہ یقیناً ذخیرہ اندوزی کی لعنت اور اسی ناجائز قبضہ کو کافی حد تک کم کر دیں گی۔

باب 8

اجتماعی ضمیر انسانی کا خواب

___ عالمی فلاحی ریاست کا قیام

(ا) کیا موجودہ عالمی صہیونی دجالی نظام ایک فلاحی انسانی ریاست کے تقاضے پورے کرتا ہے؟

(ب) END OF HISTORY کا اطلاق عالمی فلاحی ریاست کے قیام پر ہونا چاہیے

(ج) رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً......کا منطقی نتیجہ اسلامی عالمی ریاست کا قیام ہے۔

(د) جنوبی ایشیا میں علامہ اقبال کے انقلابی فکر سے..................

(ہ) عصر حاضر میں اسلامی فلاحی ریاست کا ''رول ماڈلز'' ....

باب8

اجتماعی ضمیر انسانی کا خواب
عالمی فلاحی ریاست کا قیام

(ا) کیا موجودہ عالمی صہیونی دجالی نظام ایک فلاحی انسانی ریاست کے تقاضے پورے کرتا ہے؟

☆ انسان کی خواہشات کی تکمیل، منصوبوں اور خوابوں کی تعبیر مل جانا، آسودگی (SATISFACTION) اور باہمی اچھے انسانی رویوں کا فروغ انسان کے اپنے نظریات یا اپنے تصورِ انسان پر منحصر ہے۔ ایک تصورِ انسان WHAT IS A MAN? جدید مغربی ڈارونزم کا ہے۔ دوسرا حقیقت انسان کا تصور پیغمبروں نے دیا ہے اور DIVINE ہے، جس کے مطابق انسان کے اندر حیوانی تقاضے بھی ہیں جبکہ اس پر مستزاد ایک DIVINE SPARK بھی انسانی فطرت میں ہے، جس سے انسان کے نظریات میں خدا شناسی، وحی شناسی، اعلیٰ انسانی اقدار (MANNERS & VIRTUES) کے تصورات ہیں اور یہی خدا شناسی کا جذبہ DIVINE SPARK مغربی تصورِ انسان اور اسلام کے تصورِ انسان کے بنیادی فرق کو ظاہر کرتا ہے۔

☆ اس تصورِ انسان پر مغربی اور اسلامی جذبات تشکیل پاتے ہیں۔ نتیجتاً تفصیلی احکام، انفرادی اور قومی اُمنگوں، حوصلوں، جذبوں، نصب العینوں اور کامیابی و ناکامی کے تصورات کا وسیع فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

☆ یہ سوال کہ کیا موجودہ عالمی صہیونی دجّالی نظام ایک فلاحی انسانی ریاست کے تقاضے پورے کرتا ہے؟ شاید ڈارون اور فرائڈ کے تصور کے مطابق زندگی گزارنے والے امریکی،

یورپی اور جدید دنیا کے بندر سے ترقی پا کر ایک جنسی درندہ کی NATURE کے انسان اس نظام میں خوش ہوں کچھ کہہ نہیں سکتے! لیکن خدا شناسی، وحی شناسی اور روح (ضمیر) کے تصورات رکھنے والا مسلمان اس نظام میں جو تنگی اور گھٹن محسوس کر رہا ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔ مشرق کے مذہبی انسانوں میں بھی بے چینی ہے۔ اسلام کے ماننے والوں میں بھی بے حد اضطراب، بے سکونی اور DEPRESSION ہے جبکہ مغرب میں بھی اَقل قلیل (A VERY MINUTE MINORITY) جو باضمیر ہے اور کلمہ حق کہتی ہے (جس کی آواز نہ تیسری دنیا کا میڈیا پھیلاتا ہے اور نہ مغربی میڈیا) وہ بھی حالیہ مغربی اقدار، رہن سہن، طرزِ بود و باش، لباس، مشغلے، کھیل، خوراک، تعلیم، نصب العین اور باہمی ہمدردی کے غیر انسانی رویوں پر ناخوش اور حد درجہ پریشان ہے۔ لہٰذا ــــــ تفصیلات میں جائے بغیر یہ بات ہر باضمیر انسان کی آواز ہے کہ موجودہ نظام نے انسان کو اصل مقام سے کہیں نیچے گرا دیا ہے۔ اور اس باطل، انسان دشمن اور اخلاق دشمن نظام کا خاتمہ اَز حد ضروری ہے۔

☆ مغربی نظام کے چلانے والے کون ہیں؟ یہ بات گزشتہ ابواب میں واضح ہو چکی ہے۔ بنی اسرائیل کا بگڑا ہوا طبقہ، عالمی تجارت کا اجارہ دار طبقہ، GOG MAGOG، ملٹی نیشنلز کا مشترکہ نام، حالیہ دجّالی نظام اور آج کی مغربی تہذیب ہے۔ اس نظام کو چلانے والے اس پر بڑے خوش ہیں کہ وہ عالمی وسائل پر بلا شرکت غیرے قابض اور عالمی بساط پر بکھرے مختلف ممالک کے حکمرانوں اور عوام کو اپنی مرضی سے مہروں کی طرح استعمال کرتے ہیں، آج کی سیاست مغربی آقاؤں کے سامنے شطرنج کے کھیل سے زیادہ نہیں۔ تیسری دنیا کے حکمران مہرے ہیں وہ بھی شاطر کی چالوں سے ناواقف ہیں۔ علامہ اقبال ایک صدی قبل یہ کہہ گئے ہیں کہ جدید سیاست کیا ہے؟

ع فرنگ کی رگِ جاں پنجہ یہود میں ہے

اور سیاست کا کھیل

ے اس کھیل میں تعیینِ مراتب ہے ضروری
شاطر کی عنایت سے تو فرزیں، میں پیادہ

بے چارہ پیادہ تو ہے ایک مہرۂ ناچیز
فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا اِرادہ

اب پاکستان جیسے ملکوں کے صدور، وزرائے اعظم، اپوزیشن لیڈران، جیتے ہوئے اور ہارے ہوئے سیاستدانوں، بادشاہوں، شہزادوں، ملٹی نیشنلز کے ارب پتی لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ عالمی صہیونی قابض گروپ کے ہاتھوں کیسے بے دردی سے استعمال ہو رہے ہیں۔

(ب) END OF HISTORY کا اطلاق
عالمی فلاحی ریاست کے قیام پر ہونا چاہیے

☆ کوئی 20 سال پہلے امریکہ میں کتاب چھپی تھی THE LAST MAN AND END OF HISTORY مصنف FUKU YAMAHA نے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی کہ حالیہ مغربی نظام ہی انسانی ترقی وارتقاء کا نقطۂ عروج ہے۔ یہ سیکولر لبرل اور خدا بیزار نظام ہی انسانیت کے لیے نقطۂ عروج (CLIMAX) ہے، اس کے بعد مزید بہتری ناممکن ہے۔ کیا یہ بات اجتماعی ضمیر کے لیے قابل قبول ہے؟ یہ دنیا خود بخود وجود میں نہیں آئی۔ خالقِ کائنات نے مغربی اور صہیونی درندوں کی بے لگام لوٹ کھسوٹ کے لیے کائناتی نظام تخلیق نہیں کیا۔ لہٰذا ____ END OF HISTORY کا یہ تصور 20 سال میں عوام کے بھی سامنے ہے اور اس ظالمانہ اور بہیمانہ نظام کے برے پہلو اب آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ برما سے لے کر لیبیا تک اور یمن سے لیکر چیچنیا تک ایک قیامت صغریٰ بپا ہے؟ کیا یہی نقشہ اس دنیا کا انجامِ مقدر ہو سکتا ہے؟

☆ حقیقتاً یہ دنیا ایک علیم و خبیر ہستی کی بامقصد تخلیق ہے۔ اس نے اس میں انسانوں کے لیے آسمانی ہدایت کا اہتمام کیا، پیغمبروں کو بھیجا، بنی اسرائیل کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو کس نے بھیجا؟ تورات کس نے اتاری؟ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کون تھے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس کے بھیجے ہوئے تھے؟ انجیل کس نے اتاری؟ اصلی تورات اور زبور اور انجیل کہاں گئیں؟ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا نظام کہاں ہے؟ اسی سلسلے کی آخری کڑی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے، قرآن آخری کتاب ہے۔ اس رُوئے ارضی پر انسان کا مستقبل (END OF HISTORY) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن سے وابستہ ہے۔

(ج) رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً......کا منطقی نتیجہ اسلامی عالمی ریاست کا قیام ہے

☆ قرآن مجید میں سورۃ بقرہ میں حج کی تفاصیل میں پہلے ایام جاہلیت کے ایک تصور کی نفی کر کے اسلام کی برکات کا دنیا میں حسنہ اور آخرت میں بھی حسنہ کہہ کر دنیا میں عالمی خلافت آدم کی نوید سنائی گئی ہے۔

یہ سورۂ بقرہ نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لانے سے جو MINI STATE یعنی ریاست مدینہ کی داغ بیل پڑی اس کے بعد اور اس ریاست کے بڑھنے پھیلنے اور پھولنے کے مراحل شروع ہوئے۔ وقت کے فرعون اور ابولہب سے ٹکراؤ کا مرحلہ بھی تاریخ انبیاء ورسل علیہم السلام کا روشن باب ہے۔ جنگ بدر (رمضان 2ھ، مارچ 624ء) سے پہلے نازل ہوئی اور اس سورۃ میں آنے والے مراحل جہاد وقتال کا ذکر ہے۔ مزید برآں مکی زندگی میں انقلابِ نبوی ﷺ کے لیے جاری کوششوں (توحید کی تبلیغ واشاعت، نظریہ، تنظیم سازی اور انقلابی تربیت یعنی PASSIVE RESISTANCE کے بعد اب معاملہ اقدام اور ACTIVE RESISTANCE کے مراحل میں داخل ہو رہا تھا) کا ذکر بیسویں رکوع میں آیا ہے۔ وہ آیات یہ ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ O وَلَا تَـقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰـكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ O وَلَـنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَـوۡفِ وَالۡجُـوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ O الَّـذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالُوۡٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ O (156-153:02)

”اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔ اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں

گے تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو۔ ان لوگوں پر جب
کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف
لوٹ کر جانے والے ہیں''۔

☆ مکی زندگی کے انہیں مراحل کو علامہ اقبال نے خوب واضح کیا ہے کہ ریاست مدینہ کے ذریعے آنے والے انقلاب کا نظریہ ــــــ توحید ہے۔ یعنی توحیدِ اعتقادی سے بڑھ کر توحید عملی پھر ایک انقلابی جماعت اور پھر انقلابی تربیت۔

یہی ابتدائی مراحلِ انقلاب علامہ اقبال کے فکر کا حصہ تھے اور قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے قیام پاکستان کی تحریک کے دوران کہے اور وہی پاکستان کا کبھی قومی MOTTO تھے اور شاید (کتابوں میں اب بھی ہوں) قائداعظم کے الفاظ ایمان (FAITH)، تنظیم (UNITY) اور تربیت (DISCIPLINE) عین یہی الفاظ ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب منہج انقلاب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں انہوں نے بیان کئے ہیں۔

☆ اسی سلسلہ کلام میں کائنات پر غور و فکر، حلال و حرام کا بیان، نیکی کا تصور قرآنی، وراثت کے مسائل، جہاد کی مشکلات کی مشق کے لیے روزے کی مستقل سالانہ عبادت، حج اور محترم مہینوں کا تذکرہ مکہ ــــ توحید کا مرکز ــــ اسلام کا مرکز و محور حج عالمی اسلامی اجتماع اور اس موقع پر یہ آیت وارد ہے۔

☆ کچھ لوگ زمانہ جاہلیت میں اور آج بھی صرف دنیا کی فلاح مانگتے ہیں اور یوں دنیا کے مسائل پر قابض ہو جاتے ہیں اس تصور کی نفی ہے کہ آخرت میں ان لوگوں کو کوئی اور حصہ نہیں ہے۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ
(200:02)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو (اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو (جو دینا ہے) دنیا ہی میں عنایت کر۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں''۔

اس کے برعکس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کی تعلیم دی ہے وہ کیا ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا

عَذَابَ النَّارِ (201:02)

''اور بعضے ایسے ہیں کہ دُعا کرتے ہیں کہ پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت بخش اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ''۔

اسی آیت میں اہل ایمان اور حضرت محمد ﷺ کے پیروکاروں کے لیے اُخروی کامیابی اور فلاح کے ساتھ ''دنیاوی حسنہ'' کا تذکرہ ہے اور یہی ریاست مدینہ کی بنیاد ہے۔

☆ اس ریاست مدینہ نے جنگ بدر، اُحد اور خندق میں اس وقت کے وسائل رزق پر قابض فرعونوں وابولہبوں سے جنگ کے بعد فتح مکہ کے موقع ایک حقیقی ریاست کی شکل اختیار کی پھر دوسال بعد خطبہ حجتہ الوداع میں اس حقیقی آسمانی بادشاہت کے چارٹر کا اعلان سامنے آیا، جس میں انسان کی اُخروی کامیابی کے ضامن وہ دنیاوی اصول بیان کردیے گئے جو مسلمان اجتماعی زندگی میں اپنا کر ہی 'حسنہ' کے مستحق ہوں گے، جس میں عوام مطمئن، کفالت عامہ کا تصور اور درویش بادشاہت (اور درویش حکمرانوں) کے ساتھ یہ ریاست قائم ہوئی۔

ایسی ریاست ہی انسانیت کی ضرورت اور اجتماعی ضمیر انسانی کی پکار ہے۔

(د) جنوبی ایشیا میں علامہ اقبال کے انقلابی فکر سے بیدار ہونے والی قوم نے صرف 3.2 بلین سیکنڈ (سوسال) میں تین مغربی عالمی صہیونی استعماری سپر طاقتوں کو زوال سے دوچار کردیا

☆ جنوبی ایشیا میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے عالمی تجارتی مافیا نے دھوکے، معاہدات کی خلاف ورزی اور سازشوں سے مغلیہ سلطنت کو زوال سے دوچار کردیا۔ 1857ء میں جنگ آزادی کی کوششوں کو بھی ناکام بنادیا اور برعظیم براہِ راست تاجِ برطانیہ کی حکومت کے حوالے کردیا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں برطانوی حکومت (UK) اتنی وسیع تھی کہ اس کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، کہیں نہ کہیں دن رہتا تھا۔ اسی لئے برطانیہ میں وزارتِ خارجہ (FOREIGN OFFICE) 24 گھنٹے کام کرتا تھا۔

☆ جنوبی ایشیا کے مسلمان اسی منحوس مغربی استعمار کے شکنجے میں نسلوں سے غلام ابن غلام

کی زندگی گذار رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ علامہ اقبال جیسا نابغہ انسان اس محکوم قوم میں پیدا کر دیا۔ جس نے اپنی مثال بصیرت اور ولولہ انگیز شاعری سے سوئی ہوئی مسلم قوم کو جگایا اور مغربی استعمار کے مدمقابل کھڑا کر دیا۔ بقول علامہ اقبال 'ممولے کو شہباز سے لڑا دیا۔'

☆ یہ بات برطانوی فارن آفس بھی تسلیم کرتا ہے کہ علامہ اقبال کی شاعری نے مسلمانوں کو وہ لازوال جذبہ دیا جو ان کی آزادی کا باعث بن گیا۔ (تفصیلات ضمیمہ میں شامل ہیں)

☆ غیر منظّم مسلمان قوم کو 'سوئے قطارمی کشم ناقۂ بے زمام را' کا مصداق بنانے کے لیے 1930ء میں خطبہ الہ آباد میں دوقومی نظریہ کا تذکرہ کیا اور پھر 1934ء میں مسلمانوں کی قیادت کے لیے قائداعظم محمد علی جناح جیسا رہنما ڈھونڈ نکالا۔ 1940ء میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اور مختلف نشیب وفراز سے گذر کر جنوبی ایشیا میں 25% قوم (جس کا ایک بڑا حصہ بوجوہ قیام پاکستان کا مخالف اور کانگریس کے ساتھ تھا) کے ایک حصے کو ساتھ لے کر چلنے والے رہنما نے 14 اگست 1947ء (بمطابق 27 رمضان 1366ھ) کو عالمی نقشے میں ریاست پاکستان کا اضافہ کر دیا اور برطانیہ (جس کی قلمرو میں 40 سال پہلے سورج غروب نہیں ہوتا تھا اور جس نے عالمی سطح پر سازشیں کر کے پہلی جنگ عظیم (1914ء سے 1918ء) کے بعد ترکی میں عظیم سلطنت عثمانیہ ختم کر کے کئی آزاد ملکوں میں ایک آزاد ملک بنا دیا اور مسلمانوں کے اجتماعی نظام ــــــــ نظام خلافت کی بساط لپیٹ کر اپنے نمائندے اور ایجنٹ کے ذریعے 1924ء میں اسلامی قانون خلافت کا خاتمہ کر دیا) کے ظالم اور فرعونی منحوس استعمار کو گھر کا راستہ دکھا دیا۔

یہی نہیں 1990ء میں USSR کو تحلیل کرانے میں بنیادی کردار ادا کیا اور 2001ء کے 9/11 کے واقعہ کے بعد افغانستان پر چڑھ دوڑنے والے امریکی استعمار کو ایک عشرے میں ناکامی سے دوچار کر دیا اور وہ اس ملک کے مخدوش حالات سے 2018ء تک نہیں نکل سکا۔ قدرت نے اس بدقسمت عالمی طاقت کو نہتے مسلمانوں (جنوبی ایشیا کے مسلمان، افغانستان اسی مغربی ایشیا کا حصہ تھا اور ہے۔ مغلوں کی حکمرانی برما سے لیکر افغانستان تک تھی) سے عبرتناک شکست دلوائی۔ یہ کارنامہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی نمائندہ تحریک شہیدین☆، دارالعلوم دیوبند اور پاکستان کے عوام کے مذہبی جذبات کا عکاس ثابت ہوا۔ (☆ یاد رہے کہ تحریک

شہیدین 1831ء کابل سے پشاور تک اور آج کے KPK اور کشمیر تک لڑی گئی تھی۔)

☆ کہا جا سکتا ہے کہ علامہ اقبال کے بصیرت افروز کلام اور قائداعظم کی بے مثال قیادت کے سبب جنوبی ایشیا کے اجتماعی ضمیر نے صرف 3.2 ارب سیکنڈ (سو سال) میں تین مغربی عالمی صہیونی استعماری سپر طاقتوں کو نہ صرف زوال سے دوچار کر دیا بلکہ دو طاقتیں UK اور USSR کا تو اب نام بھی باقی نہیں رہا۔ جبکہ امریکہ بہادر (USA) اپنے تین درجن اتحادی طاقتوں کے ساتھ نہ صرف شکست فاش سے دوچار ہوا بلکہ افغانستان سے باعزت واپسی کا راستہ بھی کئی سالوں سے مخدوش ہے۔ ان شاء اللہ یہ طاقت بھی جلد USA کے نام سے دنیا کے نقشے سے غائب ہو جائے گی۔

(۶) عصر حاضر میں اسلامی فلاحی ریاست کے

'رول ماڈلز' (ROLE MODELS) کے بعد

جدید اسلامی حقیقی قرآنی تعلیمات کا مشترکہ

(علامہ اقبال کے افکار کے مطابق)

پاکستانی رول ماڈل

وقت کی پکار ہے

اجتماعی انسانی ضمیر کے خواب: کہ ایک فلاحی ریاست ایسی ہو جس میں:

☆ رنگ و نسل کی تمیز نہ ہو

☆ بلا لحاظ مذہب و ملت کفالتِ عامہ کا تصور ہو

☆ عدل اجتماعی کا اہتمام ہو

☆ معاشرت، معیشت اور سیاست ___ خلافت کے ماڈل کے عین مطابق درویشی کا رنگ لئے ہوئے ہو۔

☆ جسد کے علاوہ روحانی سطح پر بھی ضروریاتِ انسانی کی تسکین کا مکمل سامان ہو۔

کی تعبیر کے طور مسلمانوں نے دو رول ماڈل عصر حاضر میں عالمی سطح پر پیش کئے ہیں:

(i) سعودی عرب میں آلِ سعود کی حکمرانی اور طرزِ حکمرانی

(ii) طالبانِ افغانستان کی حکمرانی اور طرزِ حکمرانی

سعودی ماڈل اسلامی فلاحی ریاست

1۔ سعودی عرب میں آل سعود اور آل حضرت محمد بن عبدالوہاب کے اشتراک سے بننے والی حکومت کا رول ماڈل 1926ء میں سامنے آیا اور اگلے پچیس سالوں میں اس نے پھیل کر پورے سعودی عرب کو اپنی قلمرو میں لے لیا بلکہ حرمین شریفین بھی اسی کے انتظام میں آ گئے۔

☆ دنیا اس ماڈل کو دیکھ رہی ہے۔ اجتماعی انسانی ضمیر بھی اس حکومت کا تجربہ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کروڑوں لوگوں کو اس سلطنت سے حج اور عمرے کے ذریعے یا معاشی سطح پر کاروبار اور ملازمت کے ذریعے متعارف و روشناس کرایا ہے لوگوں نے ذاتی تجربے کئے ہیں۔

☆ انفرادی سطح پر امن و امان، اشیائے صرف کی فراہمی حج، عمرہ کے موقع پر 3-4 ملین افراد کا جمع ہونا اور اچھے انتظام کی وجہ سے بالعموم کسی ناخوشگوار واقعے کی خبر نہیں ملتی۔ انفرادی سطح پر اسٹریٹ جرائم بھی بہت کم ہیں۔

2۔ سعودی عرب کی ہمہ خوبیوں اور ترقی کے سفر کے باوجود عصر حاضر میں انسانیت بادشاہت کا تصور قبول کر نہیں سکتی۔ بادشاہت اور خاندانی حکومت دورِ جدید میں نمونے کی حکومت (IDEAL) شمار نہیں ہوسکتی۔ خلافت وملوکیت کے مصنف نے تو کوئی بھی تنقید سے بالاتر نہیں کہہ کر ایک طرف دورِ خلفائے راشدین پر تنقید کر دی، مگر دوسری طرف سعودی حکمرانوں کے ساتھ دوستی نبھائی، شاید ان کے معیارات کے مطابق مثالی نہیں تو قابل رشک ضرور ہوگا۔

آلِ سعود کی حکومت ابھی جاری ہے۔ مستقبل کا مؤرّخ ہی طے کرے گا ان کا دور حکومت اسلامی معیارات اور اسلامی فلاحی ریاست کے تقاضوں کی نظر سے انسانی ضرورت کے مطابق تھا یا نہیں۔

یہ بات یقینی ہے کہ اب مستقبل میں امام ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کی تعلیمات کی عکاس شاید کوئی حکومت قائم نہ ہوسکے۔ اس نقطہ نظر کو اللہ تعالیٰ وسائل رزق کی فراوانی عطا فرمائی

اور امن وسکون بخشا اس کا نتیجہ اسلام، مسلمان، عوام اور انسانیت کی بہبود اور کفالت عامہ، معاشی عدل اجتماعی، مساوات، اللہ کی حاکمیت (نہ کہ کسی فرد واحد یا خاندان کی) کے نقطہ نظر سے کیا نکلا وہ کل کا مؤرخ ضرور لکھے گا۔

3۔ درویشی حکومت کا خواب تو اس کی حکومت کے دور میں چکنا چور ہو چکا ہے۔ دوسرے سے میزانیہ نفع ونقصان مستقبل کی بات ہے۔

طالبان افغان ماڈل اسلامی فلاحی ریاست

1۔ اللہ تعالیٰ نے 1996ء سے 2001ء تک افغانستان میں ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کے بعد افغان طالبان کو افغانستان میں اپنے دعوؤں کے مطابق ایک ریاست قائم کرنے کا موقع دیا اور انہوں نے جنوبی ایشیاء میں علماء کی جدوجہد آزادی، تحریک جہاد وتحریک شہیدین کے وارثوں اور علماء دیو بند کی دینی وعلمی وراثت کو ایک اسلامی ریاست میں ڈھالا، چند سال کامیابی سے چلایا، بہت سے ممالک نے امریکہ اور پاکستان سمیت اس کو قبول کیا۔ ملا عمر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسلامی تصورات کو عملی جامہ پہنا دیا، امن سکون، مساوات، کفالت عامہ، جرائم کا خاتمہ، اسلامی احکام کی عمل داری، سادگی، درویشی کی ایسی مثال قائم کردی کہ خلافت راشدہ کی یاد تازہ کردی اور بجا طور پر اُمت مسلم نے ملا عمر ثالث (عمر بن عبد العزیز متوفی 101ھ کو عمر ثانی کہا گیا تھا) قرار دیا اور ان کے دور کو بہت حد تک خلافت راشدہ کے نقوشِ قدم پر قرار دیا۔

2۔ اس حکومت کو آل سعود کی حکومت کی طرح اگر اقوام عالم دو چار چھ عشرے چلنے دیتی تو اس حکومت کے حقیقی خدوخال، ملا عمر اور ان کے ساتھیوں کے فکر اور نظریات اسلامی کا عکس سامنے آتا۔ افسوس کہ یہ ننھی سی لینڈ لاکڈ (LAND LOCKED) ریاست بھی عصر حاضر کے صہیونی اور دجالی کار پردازوں کو وسائل رزق پر قبضہ اور عالمی دجالی حکومت کے راستے میں رکاوٹ نظر آئی اور 9/11 کے واقعے کا جھوٹا اور گمراہ کن بہانہ بنا کر اس اُبھرتی اسلامی حکومت کو ختم کر دیا۔ مقام حسرت ہے کہ یہ غنچہ پھول بنتا تو کیسے کیسے اسلامی معیارات حکومت اور سادگی کے نمونے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں کی یاد تازہ کرتے۔

3۔ اس حکومت کے بارے اسلامی عالمی فلاحی ریاست کے نقطہ نظر سے کوئی تبصرہ کرنا

مناسب نہیں ع خوش درخشید و لے شعلہ مستعجل بود

لیکن یہ حکومت اس مختصر عرصہ میں بھی عالمی اجتماعی ضمیر کے لیے اچھی یادیں صفحۂ ہستی پر نقش کرگئی۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

4۔ ایک بات ضرور اس موقع پر عرض کی جاسکتی ہے۔افغانستان کی سرزمین خلافت راشدہ کے دور کی طرح قبائلی علاقہ اور قبائلی روایات کی حامل سرزمین ہے اور یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ طالبان افغانستان نے قبائلی معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لیے عصر حاضر میں ایک IDEAL حکومت بنا کر اور کامیابی سے چلا کر دکھا دی۔غربت اور تعلیم کی کمی کے باوجود متمدن مغربی ممالک کے مقابلے جرائم کی شرح ZERO کر کے دکھا دی جبکہ امریکہ جیسا ملک بھی جرائم کی تعداد اس کم ترین سطح تک نہیں لا سکا۔

اجتماعی انسانی ضمیر کے خوابوں کی تعبیر ـــــ ایک جدید تعلیم یافتہ معاشرے کے ساتھ جمہوری فلاحی ریاست کا قیام ابھی اُمت مسلمہ پر قرض اور فرض ہے، جس کا نقشہ اور ہیولیٰ خاتم النّبیین حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات میں پہلے سے موجود ہے۔وہ مثالی حکوت دنیا کے خاتمے سے پہلے ضرور منصۂ شہود پر آ کر رہے گی۔ان شاءاللہ۔

اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ لَنَا ھٰذَا

؎ فَسَعْیًا ثُمَّ سَعْیًا ثُمَّ سَعْیًا

وَ مَا عِنْدِیْ سِوَا ذَاکَ الْمَقَالٗ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ

النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

فرمانِ الٰہی

تباہی ہے ہر اُس شخص کے لیے
جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن
اور (پیٹھ پیچھے) بُرائیاں کرنے کا خوگر ہے،
جس نے مال جمع کیا اور اُسے گن گن کر رکھا۔
وہ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال ہمیشہ اُس کے پاس رہے گا۔
ہرگز نہیں۔
وہ شخص تو چکنا چور کر دینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا۔
اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ چکنا چور کر دینے والی جگہ؟
اللہ کی آگ، خوب بھڑکائی ہوئی، جو دلوں تک پہنچے گی۔
وہ اُن پر ڈھانک کر بند کر دی جائے گی (اِس حالت میں کہ وہ)
اونچے اونچے ستونوں میں گھرے ہوئے ہوں گے۔

ترجمه سورة الهمزة (104)

باب 9

انسانیت کا مستقبل
قرآن مجید سے وابستہ ہے

1۔ عالمی اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کے لیے
آخری آسمانی ہدایت ــــــــ قرآن مجید کی
طرف رجوع کیا جائے

2۔ حالیہ مغربی علوم کو خدا شناس اور وحی شناس بنایا جائے

3۔ خلافت کا نظام ــــــ حضرت محمد ﷺ کے نقوشِ قدم پر

4۔ مسلمانان پاکستان کی خوش قسمتی و خوش نصیبی
پاکستان اسلامی فلاحی جمہوری ریاست
کا رول ماڈل بنے گا

باب 9

انسانیت کا مستقبل قرآن مجید سے وابستہ ہے

(1) عالمی اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کے لیے آخری آسمانی ہدایت ـــــ قرآن مجید کی طرف رجوع کیا جائے

☆ عالمی اسلامی فلاحی ریاست کا قیام عالمی تجارت پر قابض صہیونی دجالی طبقہ کے تسلط سے وسائل رزق اور درجنوں ممالک کی حکومتوں کو آزاد کرانے کا دوسرا نام ہے۔ اس سلسلے میں وسائل پر قابض دجالی طبقہ ـــــ اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا سکتا ہے تاکہ تبدیلی کو روکا جاسکے۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق کسی حکومت کا قیام اور اس کی سماجی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی پالیسیاں دجالی طبقات (ملٹی نیشنلز اور G20, G9, G7 اور نیٹو ممالک کے ایجنڈے کے لیے موت کا پروانہ ہے۔

☆ قرآن مجید کی طرف رجوع سے مراد یہ ہے کہ اعلیٰ انسانی فلاحی نظریات کے مطابق حکومت کے قیام کے لیے پہلے ان نظریات کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ ان نظریات کو عام کرنے کے کئی اقدامات ہوسکتے ہیں جو یہ ہیں:

(i) قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے کو عام کیا جائے۔

(ii) تمام مساجد میں بچوں اور بچیوں کے لیے علیحدہ (عمر کے مطابق) درجات قائم کر کے قرآن مجید ناظرہ کی تعلیم دی جائے۔ گھر گھر گلی گلی رضا کارانہ بنیادوں پر لوگوں کو (جو قرآن مجید ناظرہ پڑھنا جانتے ہیں) فارغ اوقات میں قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے پر آمادہ کیا جائے۔

(iii) قرآن مجید پڑھنا تمام اسکولوں کے لیے پانچویں کلاس تک لازم کیا جائے بعد ازاں

15 سال 20-25 سال اور زیادہ کے بچوں کی کلاسوں کے لیے قرآن مجید کا ترجمہ اور اس کی تشریحات کو پڑھایا جائے تعطیلات گرما/ سرما میں اساتذہ اور طلباء کو عوام کو قرآن مجید پڑھانے کا ٹارگٹ دیا جائے جس کی ASSESSMENT ہو اور ترقی کے لیے لازم قرار دیا جائے۔

(iv) فوج اور عدلیہ کے لیے بھی قرآن مجید کی تعلیمات کو درجہ وار لازم قرار دیا جائے۔

(v) قومی اسمبلی اور سینٹ کے ممبران کے لیے بھی ایسے کورسز ڈیزائن کیے جائیں جو ایم این ایز اور ایم پی ایز کے لیے لازم ہوں۔ محکمہ لوکل گورنمنٹ میں شہری حکومت کے منتخب ارکان کے لیے ہر لیول پر (خواتین و حضرات) کے لیے قرآن مجید کی تعلیمات (اپنے منصب سے متعلق اور اس کے تقاضوں کے مطابق) کو لازم قرار دیا جائے۔

(vi) وکلاء حضرات اور بار کے ممبران کے لیے قرآن مجید کی تعلیمات کو لازمی قرار دیا جائے۔

ان اقدامات سے قرآن مجید کی تعلیمات کے ذریعے قوم کا شعور بڑھے گا اور ذہین افراد آگے آ کر قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں بہتر رہنمائی کر سکیں گے۔

(2) حالیہ مغربی علوم کو خدا شناس اور وحی شناس بنایا جائے

☆ مستقبل میں پاکستان میں معاشی عدل، اجتماعی، سیاسی اور سماجی سطح پر عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہمیں اپنی آئندہ نسلوں کو قرآن مجید کے فہم کے ساتھ دیگر فنی و غیر فنی علوم کو 'مسلمان بنانا' ہوگا۔ اسی وقت جدید تعلیمی درسگاہوں میں جو تعلیمی نصابات، نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کے پروگرام چل رہے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر مغربی غیر مسلم حضرات کے ترتیب شدہ ہیں۔ یہ نصابات سیکولرازم اور لبرل ازم کا پرچار کر رہے ہیں۔

☆ ہمیں اپنی نوجوان نسل کو سیکولرازم اور لبرل ازم کے مغربی فلسفوں کی آگ سے بچانے کے لیے ان مغربی علوم کو خدا شناس اور وحی شناس بنانا ہوگا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ آج کے فنی علوم از قسم انجینئرنگ، میڈیکل، کمپیوٹر سائنسز وغیرہ میں از اوّل تا آخر کہیں بھی کسی ریفرنس سے خدا، وحی، رسول، پیغمبر، حلال و حرام اور قرآن مجید و احادیث مبارکہ کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس فنی مضمون کا طلباء مطالعہ کر رہے ہیں وہ علم بھی اور دیگر تمام فنی علوم اس کائنات میں جاری اللہ تعالیٰ کے

قوانین ہی کے مطالعے کا دوسرا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے۔آسمان زمین بنائے ہیں۔زمین پر انسانی زندگی کو ممکن بنانے کے لیے پہاڑ، دریا، ندی، نالے، موسم، بارشیں، جنگلات، صحراء، شہر بنائے، درسگاہیں، اسمبلیاں، عدالتیں اور فوج کی سرگرمیاں جیسے شعبے جاری کیے ہیں ان شعبوں میں حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا نام لیا جانا چاہیے مگر عملاً ایسا نہیں ہے۔

ان علوم کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور صناعی کے تعارف اور انکشاف کے طور پر پڑھایا جانا چاہیے۔ان علوم کی تدریس میں خدا، پیغمبر، وحی، قرآن، حضرت محمد ﷺ، آخرت، اوامر و نواہی اور دینی ذمہ داریاں سامنے لائی جانی چاہئیں تاکہ ان علوم سے گزر کر عملی زندگی میں قدم رکھنے والا مسلمان نوجوان طالب علم ایک اچھا مسلمان، اچھا انسان، مردِ مجاہد اور اقبال کا شاہین و مردِ مومن بن کر سامنے آئے۔

ہمارے تعلیمی اداروں میں جب تازہ دم نوجوان اس طرح کے نظریات و افکار لے کر نکلیں گے تو لازماً وہ مفکر پاکستان کے پیش نظر مقاصد پاکستان کو بہتر انداز میں سمجھ سکیں گے اور اس سمت میں انفرادی و اجتماعی سرگرمیوں کو مانیٹر (MONITOR) کر کے صحیح سمت میں پیش رفت کو تیز کریں گے۔

(3) خلافت کا نظام ___ حضرت محمد ﷺ کے نقوشِ قدم پر

حضرت محمد ﷺ کے نقوشِ قدم (FOOT PRINTS) پر چل کر ہی اس دنیا کو ایک عملی نمونہ بنایا جا سکتا ہے۔ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے جہاں ساری عملی زندگی کے لیے ہر شعبۂ زندگی (WALK OF LIFE) میں رہنمائی دی ہے بچے کی پیدائش سے موت تک کے مراحل میں ایک اُسوہ (نمونہ) چھوڑا ہے۔کھانا، پینا، طہارت، غسل، لباس، رہائش، شہریت، بازار، منڈیاں، شاپنگ مالز، صحت، عدالتیں، کچہریاں، سیاست، پارلیمنٹ، سینٹ کی ممبرشپ وغیرہ ہر شعبے میں آپ ﷺ نے اُسوۂ حسنہ (اسوۂ کامل) چھوڑا ہے۔اسی طرح دنیا بھر کے انسانوں کی ایک ضرورت ___ دنیا میں پہلے ایک ریاست اور پھر عالمی سطح پر نظامِ خلافت کے قیام کی جدوجہد میں بھی ایک اسوہ چھوڑا ہے اور کتاب (قرآن مجید) اُمت کو دیا ہے۔تاکہ اُمت اس

قرآن کو پڑھنے اور سمجھ کر اپنے اپنے حلقہ میں اس نظام خلافت کے قیام کو ممکن بنانے کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے والی جماعت بن جائے۔

اس نظام خلافت کی برکات کیا ہیں؟ اور دنیا اس کی برکات سے کیسے مستفیض ہوگی اور اس کے قیام کو جلد ممکن بنانے کے لیے دوسرے نجی اور کاروباری معاملات کی طرح اس جدوجہد کو بھی ہر شخص اسے اپنی ضرورت، دینی ذمہ داری، معاشرتی ضرورت اور انسانی ہمدردی کا تقاضا سمجھ کر نبھائے گا تو جلد دنیا دیکھے گی کہ یہ نظام رُوئے ارضی پر اربوں انسانوں کا مقدر بن جائے گا۔

عالمی سطح پر اس عادلانہ نظام کے عملاً نفاذ اور نفوذ سے پہلے بطور اِتمامِ حجت پہلے کسی ایک مناسب (SIZEABLE) ملک میں تمام ممکنہ اندرونی، بیرونی رکاوٹیں اور موانع کو پار کر کے ممکن بنے گا پھر اس انقلابی عمل کی تصدیر (EXPORT) کی ضرورت پیش آئے گی۔ اُمت مسلمہ کے قابل نوجوان اس مرحلہ پر اپنی دینی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے پورے عالم میں بھی توحید کی گواہی اور نظریہ توحید کے عملی پہلو کو اُجاگر کرتے ہوئے اس نظام کو بالادست بنا دیں گے۔

وہ وقت، وہ صبح، وہ دن دیدنی ہوگا کہ حضرت محمد ﷺ کا لایا ہوا دین اور نظام خلافت پورے رُوئے ارضی پر غالب آچکا ہوگا اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کے آخری مرحلہ کے طور پر ان کا لایا ہوا دین پورے کرۂ ارضی اور کل رُوئے ارضی پر غالب ہو چکا ہوگا۔ بقول اقبال

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمدؐ سے اُجالا کردے

(4) مسلمانانِ پاکستان کی خوش قسمتی وخوش نصیبی

پاکستان میں بسنے والے ہر مسلمان کی خوش قسمتی وخوش نصیبی یہ ہے کہ وہ پاکستان کا ایک شہری ہے۔ یہ ملک برطانوی استعمار سے آزادی کی جدوجہد میں شریک ہندو مسلم کے مابین دوقومی نظریہ کی بنیاد پر تقسیم ہو کر خالصتاً اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔

اس ملک کی آزادی کے لیے تحریک کے پیچھے بہت سے قابل قدر نام ہیں۔ ان میں سے سب سے نمایاں نام علامہ محمد اقبالؒ کا ہے جنھوں نے دوقومی نظریہ کو اُجاگر کیا اور کلام اقبال کی

نظموں شکوہ، جوابِ شکوہ، شمع و شاعر، طلوعِ اسلام وغیرہ نے عام مسلمانوں میں بھی وہ جوش اور جذبہ پیدا کر دیا کہ پہلے ترکی میں سقوطِ خلافت پر بڑی زوردار اور جاندار تحریک پورے ہند میں ایسی چلی کہ اس نے منحوس برطانوی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا۔ محسوس ہو رہا تھا کہ برطانوی حکومت چند دنوں کی مہمان ہے۔ مہاتما گاندھی جیسے لیڈر کو ہندو قوم سمیت اس تحریک خلافت میں شامل ہونا پڑا، ورنہ سقوطِ خلافت کوئی 'ہندو' مسئلہ نہیں تھا۔ صرف یہ مسئلہ کہ اگر مسلمانوں کی اس تحریک سے برطانوی حکومت ختم ہو جاتی ہے تو ہند تقسیم نہیں ہوگا بلکہ سارا ملک (جو مسلمان حکمرانوں سے چھینا گیا تھا) مسلمانوں کو ہی واپس مل جائے گا۔ تحریک پاکستان نعرہ لگا۔ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلا اللہ گویا توحید کی بنیاد پر یہ ملک حاصل کیا گیا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو اس ملک کے لیے مفکر پاکستان کا TITLE دیا گیا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس ملک کی آزادی کے لیے 1940ء میں مینارِ پاکستان کی جگہ جلسہ کر کے قرارداد پاکستان منظور کرائی اور کل سات سال کے عرصے میں پاکستان جیسا ملک قانونی جنگ لڑ کر دنیا کے نقشے پر لا کھڑا کیا۔

☆ علامہ اقبال اور قائداعظم کی درجنوں تقریریں اس ملک پاکستان کا رُخ متعین کرنے کے لیے فیصلہ کن دلیل ہے۔

☆ پھر خوش قسمتی یہ ہے کہ علامہ اقبال کا کلام، ان کے اپنے دعویٰ کے مطابق قرآن سے ماخوذ ہے۔ ان کا فارسی کلام تو 'ہست قرآن در زبان پہلوی' کا مصداق ہے ہی، اردو کلام کی بھی اسی قرآن کی ترجمانی ہے۔ حضرت محمد ﷺ سے عشق و محبت_ علامہ اقبال کی پہچان ہے۔ گویا علامہ اقبال رجوع الی القرآن کا داعی ہے جیسے جواب شکوہ میں ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان کیا تھے؟

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

پھر علامہ اقبال کی فارسی نظم محکماتِ قرآنی میں چوتھا محکمِ قرآنی کا تفصیلی بیان ہے اور وہ ہے 'حکمت خیر کثیر است'۔ اس نظم کا آخری شعر ساری گفتگو کا حاصل یہی بات ہے کہ مغربی علوم کو خدا شناس اور وحی شناس بنایا جائے۔ خوش قسمتی سے یہ مکمل نظم اس رسالہ کے آغاز میں ہی درج ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

کور را بینندہ از دیدار کن
بولہب را حیدرِ کرار کن!

ترجمہ: ''اے مسلمانو! اے قرآن کے ماننے والو! اے محکمات قرآنی پر یقین کے دعویدارو! اُٹھو مغرب کے حالیہ بے نور علم کو خدا شناسی سے اور خودی شناسی دیکھنے والا بنادو اور حالیہ مغربی (سرمایہ دارانہ) تہذیب کو بولہبی سے نکال کر (خلافت آدم اور الارض للہ کے محکمات قرآنی پر یقین سے) حیدرِ کرار بنادو''۔

یہی علامہ اقبال ہیں جنہوں نے ابلیس کی مجلس شوریٰ نامی نظم میں ابلیس کی زبان سے یہ کہلوایا ہے اور بات مدلل اور مستند ہے کہ اسلام کا غلبہ، دین حق کا غلبہ یا نظامِ خلافت کا قیام اب ہوکر رہے گا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ

___ سماجی اور معاشرتی سطح پر کامل مساوات ہوگی اور پردہ ہوگا مکمل اسلامی روایات ہوں گی۔
___ معاشی سطح پر عدل ہوگا۔سود، غیر حاضر زمینداری، جوا، سٹہ، ذخیرہ اندوزی، رشوت اور حرام کی کمائی کے ذرائع بند ہوں گے
اور ___ سیاسی سطح پر اللہ کی کامل حاکمیّت، عوام کے لیے حقوق اور احکام قرآن وسنت کے مطابق بتدریج ڈھال دیے جائیں گے۔

گویا مستقبل کی عالمی اسلامی خلافت کے قیام کا خواب علامہ اقبال کے کلام کے زور پر بن چکا ہے اس کو ان کے کلام کی روشنی میں منزل تک پہچانا ہے۔اس ملک میں قدیم وجدید علوم کے طلبہ، علماء، مدرّسین اور تمام مسالک کے منبر ومحراب حتیٰ کہ جدید تعلیم یافتہ عوام اور ان کے اکابرین ہوں یا مدارس کے اساتذہ اور شیخ الحدیث، خانقاہوں کے پیر اور گدی نشین ہوں یا سالکین راہ حق ہر شخص کی زبان پر کلام اقبال ہے۔

یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اگر پاکستان میں رہنے والے 95% لوگ جس ایک شخصیت کا نام مشترکہ طور پر لیتے ہیں اور اچھے انداز میں لیتے ہیں ___ وہ واحد شخصیت علامہ اقبال علیہ الرحمہ ہیں۔

ہمارے لیے کلامِ اقبال سے جذبہ حاصل کرنے لیے اور قیام پاکستان کے وقت کا سا

جذبہ قوم میں دوبارہ پیدا کرنے کے لیے علامہ اقبال کے افکار کے مطابق پاکستان کے قوانین کو اکثریت کی فقہ (جیسے ایران میں اکثریت کی فقہ نافذ ہے اور سنی العقیدہ مسلمان اپنے معاملات اپنی فقہ کے مطابق طے کرتے ہیں۔ ملکی قانون اکثریت کی فقہ کے مطابق ہے) فقہ حنفی کے طور پر نافذ کر کے اس میں تبدیلی کا راستہ شریعت اپیلٹ بینچ کے ذریعے علماء حق کے باہمی دلائل کے ذریعے قرآن وسنت کے خلاف احکام کو منسوخ کر کے، قومی اسمبلی کو اس کی جگہ نیا مسودہ لانے کا پابند بنایا جائے۔ اگر ہمارے مختلف مسالک کے علماء (پہلے نہ سہی) اب بھی اس اصول پر متفق ہو جائیں تو اگلے ایک عشرے میں ہی نافذ فقہ حنفی کے احکام کو تبدیل کر کے سب مسالک کے علماء وعوام کے لیے قابل قبول بنایا جا سکتا ہے۔ (اسی طرح حکمرانوں اور اکثریت کے لے قابل قبول فقہ سعودی عرب میں بھی نافذ ہے اگرچہ وہاں دوسرے مسالک کو اس قانون میں کسی فورم پر گفتگو کا حق حاصل نہیں ہے۔ فَیَا اَسَفَا)

بہ یارانِ طریق

بیا تا کارِ ایں اُمت بسازیم
قمارِ زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجد شہر
کہ دل در سینۂ مُلّا گدازیم

ترجمہ: آؤ کہ اس اُمت (کی بھلائی اور بیداری) کے لیے کام کریں، اور جوان مردوں کی طرح (اس میں) سب کچھ جھونک دیں۔ ہم مسلمانوں کے عوام وخواص کے سامنے یوں نالہ وفریاد کریں کہ مسلمان اہل علم کا دل نرم کر دیں۔

باب 10

مغربی عالمی صہیونی دجالی تہذیب

کا خاتمہ ____ اور

عالمی اسلامی خلافت کا قیام

1۔ رہے پر پیچ و راہی خستہ و زار
چراغش مردہ و شب درمیان است
(منزلِ مراد تک مشکلات ہی مشکلات)

2۔ ......تاریخ کی سب سے بڑی جنگ
الملحمة الکبریٰ (ARMEGADON)

3۔ خداشناسی (DIVINE WISDOM) کے علوم کا دور دورہ
مغربی عالمی صہیونی دجالی افکار و نظریات اور اداروں، تنظیموں کا خاتمہ

4۔ درویشی کی عالمی حکومت
ع دہر میں اسم محمد ﷺ سے اُجالا کر دے

5۔ پاکستان ___ مستقبل کا رول ماڈل

غم پنہاں کہ بے گفتن عیان است
چو آید بر زباں یک داستان است
رہے پُر پیچ و راہی خستہ و زار
چراغش مردہ و شب درمیان است

اقبال

ترجمہ: ایک اندرونی غم کہ اس کے اثرات بغیر بتائے ظاہر ہیں اگر اسے زبان پر لایا جائے تو ایک (طویل) داستان ہے (ان حالات میں) راستہ پیچیدہ اور مسافر خستہ حال اور پریشان ہے۔ چراغ بجھا ہوا اور (شام کا وقت کہ) ایک (طویل) شب سامنے ہے۔

باب 10

رہے پر پیچ و راہی خستہ و زار
چراغش مردہ وشب درمیان است

1۔ منزلِ مراد تک مشکلات ہی مشکلات

☆ عصر حاضر میں مغربی عالمی صہیونی تہذیب کا اس قدر غلبہ ہے اور یہ غلبہ میڈیا، ٹی وی، اخبارات، انٹرنیٹ کے ذریعے عوام کے اعصاب پر سوار ہو چکا ہے کہ اکثر مغرب کے لوگ اس مہیب 'مالیاتی جن' ملٹی نیشنلز اور یاجوج ماجوج کے گٹھ جوڑے سے __ ابلیس سے پناہ کی طرح اللہ سے پناہ مانگ رہے ہیں۔ لوگ اس مصیبت سے نجات کے لیے بے بس نہیں تو 'باز سے ممولے' کا مقابلہ ضرور سمجھتے ہیں۔

☆ علامہ اقبال کے کلام کی تاثیر اور چاشنی سے مسلمان غلام قوم میں وہ آتشیں جذبہ پیدا ہوا کہ واقعتاً غلام ابن غلام ابن غلام قوم وقت کی سپر پاور سے ٹکرا گئی اور برطانیہ ہند سے رخصت ہو کر آج امریکی OLD HOME میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہے امریکی سرپرستی کے بغیر اور یاجوج ماجوج کے تعاون کے بغیر یہ ملک سعودی عرب سے بھی کمزور ثابت ہوگا۔

واقعتاً 80 سال قبل 'باز اور ممولے' کی جنگ یا کشاکش دنیا نے دیکھی تھی مگر اب علامہ اقبال جیسا نابغہ عصر کہاں سے لائیں قائداعظم جیسا لائق وکیل کہاں سے لائیں، جو اُمت مسلمہ کا مقدمہ لڑ سکے۔ ایسا 'مردِ قلندر' کہاں سے لائیں جو پاکستان کی مسلمان عوام میں قیامِ خلافت کی جدوجہد کے لیے آگ بھر دے۔ معجزے نہ سہی کرامات تو بعید نہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تو کچھ بعید نہیں DIVINE INTERVENTION کے بھی کچھ PRE-REQUISITES ہوتے ہیں کہ قوم خود والہانہ کسی مقصد جلیلہ کے لیے ایڑیاں اٹھا اٹھا کر مطالبہ کر رہی ہو ___ تو

رحمتِ الٰہی کو ترس' آہی جاتا ہے۔اور رحمت الٰہی کا جوش میں آنا قوم کا بیڑا پار کرسکتا ہے۔ وما ذالك على الله بعزيز

☆ یہ بات در پردہ حقیقت ہے کہ اقوام مغرب، ملٹی نیشنلز اور مقتدر یاجوج ماجوج اس کو کیموفلاج کر کے دوستی کے نام پر اُمت مسلمہ کے خلاف گذشتہ تین صدیوں سے ایک غیر علانیہ جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں۔کبھی یہ جنگ COLD WAR کہلاتی ہے،کبھی دوستی اور سرپرستی میں بدل جاتی ہے۔کبھی HOTWAR کا رنگ اختیار کرلیتی ہے۔مگر ہے یہ ایک ہی جنگ جو جاری ہے مغربی ذہنوں نے اسے پانچویں اور آخری صلیبی جنگ کا نام دیا ہوا ہے 9/11 کے خود ساختہ واقعہ پر مطمئن جذبات سے عاری امریکی صدر بُش کی زبان سے صلیبی جنگ کے الفاظ ادا ہو گئے تھے جس سے خبث باطن باہر آ گیا تھا۔مگر اس نے ان الفاظ کو واپس لے لیا تھا۔مغربی پالیسیاں آج بھی اس طرح ہیں صرف ہماری سوچ اور فہم کا فرق ہے۔امریکی صدر سعودی عرب کے بارے میں ''دو ہفتے بھی ان کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی'' کہہ کر بیان واپس بھی لے لے تب بھی حقیقت اپنی جگہ ہے۔ وہ بیان دنیا نے سن بھی لیا اور واپس بھی لے لیا۔نہیں سنا تو کچھ مسلمانوں نے نہیں سنا۔ یہ صلیبی جنگ اب ایک دفعہ (اور شاید آخری مرتبہ) مشرقِ وسطیٰ میں سر اُٹھانے والی ہے اور سارے مشرقِ وسطیٰ اور عرب دنیا کے علاوہ ایران، ترکی اور افغانستان کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے والی ہے۔ واللہ اعلم

☆ مغربی لٹریچر میں بائبل میں آنے والا ایک لفظ استعمال ہوتا ہے۔جس کے معنے تاریخ انسانی کی سب سے بڑی جنگ ہے جو خیر و شر کی قوتوں کے درمیان لڑی جائے گی۔ یہ لفظ ARMEGADON ہے، جسے عرب 'ہرمجدون' کہتے ہیں۔کتب احادیث میں اسے 'الملحمة الكبرىٰ' اور 'الملحمة العظمىٰ' کہا گیا ہے۔یہ مشرقِ وسطیٰ میں لڑی جائے گی یہ جنگ بھی عجیب ہوگی۔اسرائیل ایٹمی قوت ہے اور تباہ کن ہتھیاروں کا ذخیرہ کیے ہوئے ہے۔جبکہ اس کے گرد نقشے پر موجود عرب ممالک کی حالت کیا ہے۔ وہ ناقابل بیان ہے۔شام، لبنان، عراق (صدام حسین کے دور میں ایٹمی قوت بننے جارہا تھا مگر اس کی طاقت کو تہس نہس کردیا گیا ہے۔) اردن، امارات، کویت، اومان، یمن، سعودی عرب، لیبیا، مصر وغیرہ کے پاس نام کی فوج ہے۔

جنگ کی صورت میں نتیجہ سب کو نظر آرہا ہے۔ایک فرمانِ نبوی ﷺ میں یوں الفاظ آئے ہیں۔ ترمذی کی روایت ہے صحابی نے یوں فرمایا ہے:

مِنُ اِقْتِرَابِ السَّاعَةِ هَلاَكُ الْعَرَب

''قربِ قیامت میں (ایسے حالات پیدا ہوں گے کہ) سارے عرب ہلاک کر دیے جائیں گے''۔

یہ جنگ اب کسی ایک فریق کی جذباتی غلطی سے شروع ہوکر پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔اس کی تبارہ کاری کی داستان حدیث کی کتابوں میں آئی ہے۔ ہمارے ہاں کچھ لوگ نزول عیسیٰ علیہ السلام ،اور اہل سنت کے مہدی رحمۃ اللہ علیہ ، (اور شیعہ مسلک کے بارہویں امام مہدی کی ان روایات کے خلط مبحث سے سرے سے کتاب الفتن میں وارد احادیث مبارکہ کی حتمیت سے ہی انکار کر کے آنے والوں دنوں کے واقعات کے مقابلے میں اپنا سر ریت میں دبا لیتے ہیں) کے بارے میں احادیث کو سرے سے پڑھتے ہی نہیں۔ وجہ کیا ہے؟ واللہ اعلم

2۔ الملحمة الكبرٰی(ARMEGADON)

الملحمة الكبرىٰ یا الملحمة العظمىٰ کے بارے میں یہ اصطلاحات ہم نے قارئین کے سامنے رکھ دیں ہیں اور اس کے بارے میں چند جملے اس کی وضاحت میں بھی لکھ دیں گے مگر اس جنگ کے آغاز اور عین میدانِ کارزار کی گرما گرمی میں سے عوام کے لیے میڈیا کی پھیلائی گئی DISINFORMATION کی گرد میں حقائق کو جاننا مشکل ہوتا ہے۔ وقت سے پہلے چند اشاروں اور منطقی لوازم سے بڑھ کر کچھ عرض نہیں کیا جاسکتا۔

اس خصوصی اشاعت کے سنجیدہ قارئین (SERIOUS READERSHIP) کے لیے 'الملحمة الكبرى' کے یقینی وقوعہ (اس لیے کہ اس کی خبر انسانیت میں سب سے سچے انسان حضرت محمد ﷺ نے دی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔اس کی حتمیت پر قسم کھائی جاسکتی ہے۔) میں ایک خوش خبری ضرور پوشیدہ ہے۔اور یہ خوش خبری 'الملحمة الكبرى' کی طرح تاریخ انسانی کی سب سے بڑی خوش خبری اور آج کے اہل ایمان کے لیے باعث طمانیت ہوگی اور اس سب سے بڑی خوش خبری (MEGA GOOD NEWS) کے

اجزاء غالباً یہ ہوں گے (جو احادیث نبویہ ﷺ میں وارد تفصیلات سے ماخوذ ہیں۔)

(i) اتنی تباہی ہوگی کہ اس وقت کی دنیا کے سارے کنٹرول مراکز ختم ہو جائیں گے۔

(ii) مقتدر یہودی قوتیں، GOG, MAGOG سب ختم ہو جائیں گے۔

(iii) تمام ملٹی نیشنلز اور ان کے مالکان سب کے سب ختم ہو جائیں گے ان کے کاروبار اور شیطانی کارستانیاں بھی ختم ہو جائیں گی۔

(iv) یہ جنگ چونکہ خیر اور شر کے درمیان تاریخ کی سب سے بڑی جنگ ہوگی جس میں ایک طویل معرکہ آرائی کے بعد شر شکست کھا کر ختم ہو جائے گا اور ایک دفعہ شر کے تمام مراکز اور قوتیں مفقود ہو جائیں گی لہٰذا اس کے بعد خیر کا غلبہ ہوگا۔

(v) شر کی قوت کے سرپرست امریکہ ,G15, G7, G5 اور نیٹو ممالک سب کے سب شکست سے دوچار ہوں گے۔

(vi) یہود (کل کے کل) ختم ہو جائیں گے۔ ان کے سارے اتحادی (ALLIES) مذہبی فرقے، مذہبی شخصیات، NGO'S، میڈیا ہاؤسز، اینکر پرسنز اور سیکولر ازم اور لبرل ازم کے داعی، امریکہ اور مغرب کے چھوٹے بڑے تمام نمک خوار (چاہے وہ نمک حلال کرنے والے ہوں یا نمک حرام) ختم ہو جائیں گے۔

(vii) سدوم (SODOM) اور عامورہ (GOMMORAH) کی طرح ہالی وڈ، بالی وڈ اور اس طرح کے بے شمار مراکز تباہی سے دوچار ہوں گے اور اس سے متعلقہ مرد و خواتین (سٹارز) فنکار، گلوکار، گویئے، فلمی آرٹسٹ، فلم انڈسٹری، بے حیائی اور عریانی کے سارے چینلز ان کے کارندے اور ان کے سپانسرز یہود کے خاتمے کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے۔

(viii) سارے مغربی ایجنٹ سیاستدان، حکمران، پریس مالکان، تاجر، ابلیسی صہیونی تنظیمیں اور ان کے نمایاں اہل کار ختم ہو جائیں گے۔

(ix) سارے اسلام دشمن شاعر، ادیب، آرٹسٹ، خطیب، ڈرامہ فنکار، ڈرامہ آرٹسٹ، ڈائریکٹر، پروڈیوسرز، پیش کنندگان، آرٹ کونسلرز، سینما ہاؤسز ختم ہو جائیں گے۔

(x) سارے نائٹ کلب، نائٹ کلب کے ایکٹر، ورکرز، سپلائیرز، انتظامی عملہ اور اہلکاروں

سے دنیا پاک ہو جائے گی۔

(xi) سارے جواء خانے، CASINOS، برائی کے اڈے، بینک ،سود پر مبنی مالیاتی ادارے اوران کے کار پردازان تباہی سے دوچار ہوں گے۔

نوٹ: اُوپر درج (اا) قسم کے تباہی کے آثار کی زد میں آنے والوں سے صرف وہ حضرات بچیں گے جو اس آخری مرحلہ آنے سے پہلے اس شعبے یا شے سے الگ ہو جائیں گے ورنہ بچاؤ کی صورت نہیں ہے۔

3۔ خداشناسی (DIVINE WISDOM) کے علوم کا دور دورہ

☆ حالیہ مغربی تہذیب وترقی میں شر کا پہلو شامل ہے۔جس کی وجہ سے اس میں خیر کم اور شر غالب ہے۔اس کے تمام منصوبہ جات اور ایجنڈا واضح طور پر اسلام دشمن ،خدا دشمن ،وحی دشمن ، انسان دشمن، علم دشمن اور ماحول دشمن ہے۔ یہ ابلیسی اور شیطانی ایجنڈا ہے جس کا خاتمہ اور مغلوبیت نوشتۂ دیوار ہے۔

☆ اس مغربی تہذیب کے علوم ،درس گاہیں ،اساتذہ ،اہل علم ،اہل فکر سب کے سب اسی ابلیسی ایجنڈے کے PROMOTER اور داعی ہیں۔

☆ جس طرح مغرب میں اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں دی جاتی ہیں۔اس کا نہ کوئی معیار ہے نہ پیمانہ اسی طرح نوبل پرائز انعامات کی بارش صرف اپنے نمک حلال نمک خواروں پر ہوتی ہے۔ مغربی معیارات علم وفکر کو جانچنا ہو تو گذشتہ پانچ چھ برسوں میں ملالہ نامی بچی کو دیے گئے اعزازات اور ڈگریوں سے ظاہر ہے کہ اہل مغرب یہ علمی و تحقیقی ڈگریاں کس طرح ضمیر فروشی ،اسلام دشمنی، خدا بیزاری اور محمد ﷺ کی دشمنی پر لٹاتے ہیں۔

اس مغربی تہذیب ،علوم ،فنون ،صنعت ،فلم ،تفریح ،سیر وسفر وغیرہ ہر چیز کا تعلق ابلیس سے ہے اور یوں اس ساری مغربی مہم جوئی کا مطمع نظر شیطانی ہے۔اور یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ سارے ناری علوم ہیں۔ ان کا تعلق بنی اسرائیل کے دور سے سامری اور ہاروت ماروت کی طاقتوں سے ہے اور درپردہ جنات سے بھی یقینی ہے۔ لہٰذا حالیہ تہذیب کے زوال پر یہ ’ناری تہذیب‘ جس کی تپش اور گرمی سے دنیا ’جہنم‘ کی شکل اختیار کر گئی ہے۔انگریزی زبان کا لفظ HOT جن معانی میں بولا جاتا ہے۔وہ اس تہذیب کے شاخسانے ہیں اور ختم ہونے جا رہے ہیں۔

☆ 'الملحمة الکبری' کے بعد جب خدا شناسی کا حقیقی دور شروع ہوگا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے دنیا میں کچھ مقابلوں کے بعد امن وسکون ہوگا اور دنیا ____ ابلیسی (ناری) تہذیب وتمدن ولائف سٹائل سے 'نوری' اور آسمانی تہذیب وتمدن ومعیارات کی طرف لوٹ آئے گی اور یوں انسانیت کو حقیقی باطنی سکون میسر آئے گا جو انسانی مزاج چاہتا ہے اور جس سے اس کی فطرت آشنا ہے۔

☆ ذیل میں ہم ایک حدیث مبارکہ نقل کررہے ہیں۔جس میں اس دور مبارک کا ذکر ہے جب موجودہ ابلیسی (ناری) تہذیب کے خاتمے کے بعد 'نوری' دور کا آغاز ہوگا جس میں انسان فضاؤں میں دور تک رسائی رکھتا ہوگا۔

طُوبٰی لِعَیُشٍ بَعُدَ الُمَسِیحِ یُؤُذَنُ لِلسَّمَاءِ فِی الُقَطرِ وَ یُؤُذَنُ لِلُاَرُضِ فِی النَّبَاتِ حَتّٰی لَوُ بَذَرتَ حَبَّكَ عَلَی الصَّفَا لَنَبَتَ وَ حَتّٰی یَمُرَّ الرَّجُلُ عَلٰی اَسَدٍ فَلَایَضُرُّہٗ وَ یَطَأُ عَلَی الُحَیَّةِ فَلَاتَضُرُّہٗ وَ لَاتَشَاحَّ وَ لَاتَحَاسُدَ وَ لَاتَبَاغُضَ (عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ)

''کیا ہی خوشگوار زندگی ہوگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد۔آسمان کو برسنے کا حکم ہوگا (تو کھل کے برسے گا) اور زمین کو اُگانے کا حکم ہوگا (تو خوب اُگائے گی) حتیٰ کہ (اے مخاطب) اگر تو صاف پتھر پر بیج بوئے گا تو وہ بھی اُگ جائے گا۔اور یہاں تک (امن ہوگا) کہ آدمی شیر (درندے جانور) کے پاس سے گزرے گا تو وہ اسے کوئی نقصان نہیں دے گا اور سانپ کو پاؤں سے روندے گا تو وہ کوئی نقصان نہیں دے گا۔کوئی کسی سے جھگڑا نہیں کرے گا اور نہ کوئی کسی پر حسد کرے گا اور نہ کوئی کسی سے بغض رکھے گا۔''

(الجامع الصغیر، بحوالہ فوائد العراقیین، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ)

4۔ درویشی کی عالمی حکومت

ع دہر میں اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اجالا کردے

☆ علامہ اقبال نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائف سٹائل کے مطابق حکومت کرنے کو درویشی

کی حکومت فرمایا ہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سب اس معیارِ حق کے عین مطابق تھے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

سروری در دین ما خدمت گری است عدل فاروقی ؓ و فقر حیدری ؓ است

ہمارے دین (اسلام) میں سرداری خدمت گزاری کو کہتے ہیں جو کہ عدل فاروقیؓ اور فقر حیدریؓ سے نمایاں ہیں (علامہ اقبال)

☆ درویشی کی اس عالمی حکومت کے قیام سے قبل پاکستان آئندہ کی عالمی حکومت کے لیے رول ماڈل (ROLE MODEL) کی حیثیت اختیار کرلے گا۔ آنے والے سالوں اور عشروں میں پاکستان اس حیثیت کو پائے گا اور اقوام عالم سے منوائے گا۔

5۔ پاکستان ___ مستقبل کا رول ماڈل

پاکستان معروف معنی میں علماء کے زیر اثر لوگوں نے نہیں بلکہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ذریعے قائم ہوا۔ علی گڑھ نے ہراول دستے کا کام کیا۔ سکولوں، کالجوں میں مسلمان گھرانوں کے بچوں نے پاکستان کے لئے گھر گھر کام کیا اور جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں نے مسلم لیگ کے پیغام کو عام کیا۔ علی گڑھ کا نام آتے ہی جناب سرسید احمد خان کا نام آجاتا ہے اور مسلمانوں کے نزدیک سرسید احمد خان سے اسلامی عقائد کے باب میں اور قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے لغزشیں ہوئی تھیں۔ وہ سب کی سب نگاہوں میں گھوم جاتی ہیں۔ یہ تمام باتیں اپنی جگہ تاہم ہمارے نزدیک جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں یا علی گڑھ سے تعلیم یافتہ لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے خاص احسان فرمایا تھا۔ سرسید احمد خان کے افکار کی اصلاح کے لئے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو مجدد بنا کر بھیجا ___ کہ وہ بھی سکولوں کالجوں سے تعلیم یافتہ تھے۔ مغرب کی یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کر کے لوٹے تھے مگر پھر بھی قرآن وحدیث سے رہنمائی حاصل کرتے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اُنھیں وارفتگی کی حد تک عشق تھا۔ انہوں نے اسلام کی صحیح ترجمانی کی اور علی گڑھ سے تعلیم یافتہ حضرات یا سرسید احمد خان کے مکتبِ فکر کے لوگوں کی اصلاح فرمادی۔ انگریز نے تو اسی جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے (جو بالعموم سیکولر اور لبرل ہو جاتا ہے۔) مرزا غلام احمد قادیانی کو جھوٹے دعویٰ نبوت کے ساتھ کھڑا کیا تھا کہ یہ سب جدید تعلیم یافتہ ادھر آجائیں گے۔

مگر اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی شکل میں علی گڑھ کے فکر کے لوگوں کے درمیان ایک مجدد پیدا کیا جس نے ان کے افکار کی صحیح خطوط پر رہنمائی کی اور تربیت فرمائی۔ اس مقصد کے لئے کلامِ اقبال نے الہامی کلام ہونے کا کام کیا اور بڑے چھوٹوں سب کو متاثر کیا۔ علامہ اقبال نے علی گڑھ والوں کو مغربی افکار سیکولرازم اور لبرل ازم سے بھی بچایا اور قادیانی نبی کی پھیلائی ہوئی گمراہی سے بھی۔ الحمد للّٰه عَلٰی ذالك

☆ پاکستان کے مفکر علامہ اقبال ہیں۔ ☆ علی گڑھ مکتب فکر کے لیے مصلح ومجدد علامہ اقبال ہیں۔ ☆ عصر حاضر میں انقلابی فکر کے داعی علامہ اقبال ہیں۔ ☆ قدیم وجدید علوم کا نقطہ اتصال علامہ اقبال ہیں۔

لہٰذا ـــــ سعودی عرب اور افغان طالبان کے اسلامی حکومت کے ماڈلز کے بعد پاکستان میں اسلامی حکومت کا ماڈل ابھی آنا ہے۔ یہاں پاکستان میں یہ انقلاب علامہ اقبال کے افکار پر آئے گا اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کی مساعی اور کوششوں سے آئے گا۔ ان شاء اللہ

پاکستان میں فکر اقبال کے مطابق، اسلامی حکومت کا عصر حاضر میں یہ نمونہ صحیح اسلامی نمونہ ہوگا جس پر جاگیرداری، زمینداری، سرمایہ داری، خاندانی بادشاہت اور قبائلی معاشرہ ہونے کی چھاپ نہیں ہوگی ـــــ اور یقیناً اسلام کی تعلیمات کے عین مطابق اور اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عکس کامل کے طور پر 'درویشی کی حکمرانی' کی مثال ہوگی اور یقیناً خلافت راشدہ کا بھی صحیح نمونہ ہوگی۔

وماذالك على الله بعزيز

ضمیمہ

تقسیم ہند کا اصل سبب کون؟

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

’جادووہ جوسر چڑھ کر بولے‘یا عربی محاورے میں ’’اَلْـفَـضْـلُ مَـا شَـهِـدَتْ بِـهِ الْاَعْــدَاءُ‘‘ کے مصداق برطانوی حکومت کے وزیراعظم (جیمز رامزے میکڈونلڈ) نے پون صدی بعد 2007ء میں اس کا اعتراف کیا کہ تقسیم ہند نہ برطانیہ کا منصوبہ تھا اور نہ ہندو کی خواہش بلکہ صرف اور صرف علامہ اقبال کے افکار کا نتیجہ تھا:

تقسیم ہند کا اصل سبب کون؟

کیا اسلام کو جدیدیت کو اپنا لینا چاہیے یا اپنے بنیادی اصولوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے؟ دو ایسے مدارس کے درمیان جو اپنے قیام کے وقت جغرافیائی لحاظ سے چند میل کے فاصلہ پر تھے، دینی نظریات کی اس چپقلش کو اس دَور میں قابل اعتنا نہیں سمجھا گیا۔لیکن اگلے 100 برس میں یہ معمولی دراڑ اسلام کو دو باہم برسر پیکار نظریات میں تقسیم کرنے والی ایسی صدا تھی جس کی بازگشت آج تک دنیا میں گونج رہی ہے۔اس معمولی چپقلش کے ایک بحران کی صورت میں ظاہر ہونے سے پہلے مدرسہ دیوبند اور علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی آزادئ ہندوستان کے مشترکہ مقصد میں شریک تھے اور تعلیمی رجحانات کے اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے دونوں اداروں کے طلبہ اور عملہ بیسویں صدی کے ابتدائی دہائیوں میں برصغیر میں سامراجی حکومت کے خاتمہ کے لیے ہندوؤں کے ساتھ شامل تھے۔لیکن قومیتی رجحانات اس کمزور اتحاد کی راہ میں حائل ہو گئے۔ ہندوستان جو مختلف ریاستوں کا ایک مجموعہ تھا اور مغل حکمرانوں کے تحت متحد ہو گیا تھا برطانوی سامراج کے تحت تہذیبی اور مذہبی بنیادوں پر پارہ پارہ ہونے لگا۔پہلی جنگ عظیم کے بعد ایک ہر دلعزیز مسلمان شاعر اور مفکر نے جس کا نام محمد اقبال تھا، مستقبل کے آزاد ہندوستان میں مسلم اقلیت کی حیثیت کا سوال اٹھاتے ہوئے ایک اسلامی قومیتی نظریہ کی بنیاد رکھنا شروع کی۔اقبال جنہیں کسی دور میں اپنی نظموں کی وجہ سے ہندو مسلم اتحاد کا پیامبر سمجھا جاتا

تھا، یورپ میں وقوع پذیر ہونے والے یہودی انتشار عظیم (DIASPORA) کے انجام کے بارے میں اب انتہائی متفکر نظر آنے لگے، کیونکہ ''اقبال نے عیسائی یورپ کی ثقافتی اکثریت میں یہودی وحدانیت کو پارہ پارہ ہوتے دیکھا تھا اور انہیں یہ پریشانی لاحق تھی کہ مسلمانوں کا بھی یہی انجام ہوگا ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں نے اپنی تہذیب کو ہندی قومیت کی بھینٹ چڑھا دیا تو آہستہ آہستہ وہ اس میں جذب ہوتے ہوئے معدوم ہو جائیں گے۔'' یہ بات پاکستان کے ادارہ مقتدرہ قومی زبان کے چیئرمین اور اقبال کی سیاسی فکر پر لکھی گئی ایک کتاب کے ایڈیٹر فتح محمد صاحب نے بیان کی۔

اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک حواس باختہ اجتماع کے سامنے 29 دسمبر 1930ء کو اس صورت حال کا یہ حل رکھا کہ شمال مغربی ہندوستان میں مسلم اکثریتی صوبوں پر مشتمل ایک آزاد ریاست ہو، ایک علیحدہ وطن جہاں مسلمانوں کا اپنا اقتدار ہو۔ اس تجویز کا ردعمل دھماکہ خیز تھا۔ اس وقت کا برطانوی وزیر اعظم JAMES RAMSAY MacDONALD پکار اٹھا کہ متحدہ ہندوستان کے لیے ''ہماری تمام کاوشوں پر اقبال شاعر نے پانی پھیر دیا ہے۔'' اگلے ہی روز TIMES OF LONDON کے ادرایہ نے مشرق وسطیٰ، ایران، افغانستان اور روسی سلطنت کے سرحدی علاقوں پر مشتمل ایک متحدہ اسلامی ریاست کے منصوبہ کا چرچا کیا۔

(ٹائم میگزین 13 اگست 2007ء) (ترجمہ شہرام اقبال)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

اسلام اور سماجی انصاف کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض حضرات کو خیال آئے کہ اسلام کی اعلیٰ ترین قدر تو تقرب الی اللہ اور تعلق مع اللہ یعنی بندہ اور رب کے مابین خلوص واخلاص اور باہمی محبت وولایت کا رشتہ ہے، تو اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ واقعہ یہی ہے کہ اسلام انفرادی سطح پر بندۂ مومن کو جو بلند ترین نصب العین عطا کرتا ہے وہ رضائے الٰہی اور فلاحِ اُخروی کا حصول ہے، لیکن اس حقیقت سے صرفِ نظر کرلینا بھی شدید قسم کی بے حسی اور ناانصافی ہوگی کہ جس خطۂ ارضی میں نظامِ اجتماعی ظالمانہ اور استحصالی ہو وہاں کے لوگوں کی عظیم اکثریت کولہو کے بیلوں اور باربرداری کے جانوروں کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے اور فرمانِ نبوی ﷺ ((کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا)) یعنی ''قریب ہے کہ فقر واحتیاج کفر کی صورت اختیار کرلیں! اور قول شاعر ؎

تیری دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

کے مصداق ان میں نہ تو اتنا شعور باقی رہ جاتا ہے کہ اپنے خالق ومالک کی معرفت حاصل کرسکیں، نہ اتنی فرصت ہی حاصل ہوتی ہے کہ ع ''بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے'' کے مصداق اسے یاد کرسکیں یا اس سے لَو لگاسکیں! اس سلسلے میں امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا یہ قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور لوحِ قلب وذہن پر نقش کرلینے کا مستحق ہے کہ تقسیم دولت کا غیر منصفانہ نظام ایک دودھاری تلوار ہے جو معاشرے کو دونوں جانب سے کاٹتی ہے، کیونکہ اس کے نتیجے میں ایک جانب محدود طبقے میں دولت کا ارتکاز ہوجاتا ہے جس سے عیاشی اور بداخلاقی جنم لیتی ہے، اور دوسری جانب فقر واحتیاج کا دَور دَورہ ہوجاتا ہے جس سے انسان ڈھور ڈنگر کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ (اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت اور موجودہ جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری)

لسانِ رسالت مآب ﷺ سے
یاجوج ماجوج کے خاتمے اور عالمی نظامِ خلافت کے قیام
کے بعد کے حالات کا منظر

طُوبٰی لِعَیْشٍ بَعْدَ الْمَسِیْحِ یُؤْذَنُ لِلسَّمَآءِ فِی الْقَطْرِ وَ یُؤْذَنُ لِلْاَرْضِ فِی النَّبَاتِ، حَتّٰی لَوْ بَذَرْتَ حَبَّکَ عَلَی الصَّفَا لَنَبَتَ وَ حَتّٰی یَمُرَّ الرَّجُلُ عَلٰی اَسَدٍ فَلَایَضُرُّہٗ وَ یَطَأُ عَلَی الْحَیَّۃِ فَلَاتَضُرُّہٗ وَ لَاتَشَاحَّ وَ لَاتَحَاسُدَ وَ لَاتَبَاغُضَ

’’کیا ہی خوشگوار زندگی ہوگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد۔ آسمان کو برسنے کا حکم ہوگا (تو کھل کے برسے گا) اور زمین کو اُگانے کا حکم ہوگا (تو خوب اُگائے گی) حتیٰ کہ (اے مخاطب) اگر تو صاف پتھر پر بیج بوئے گا تو وہ بھی اُگ جائے گا۔ اور یہاں تک (امن ہوگا) کہ آدمی شیر (درندے جانور) کے پاس سے گزرے گا تو وہ اسے کوئی نقصان نہیں دے گا اور سانپ کو پاؤں سے روندے گا تو وہ کوئی نقصان نہیں دے گا۔ کوئی کسی سے جھگڑا نہیں کرے گا اور نہ کوئی کسی پر حسد کرے گا اور نہ کوئی کسی سے بغض رکھے گا۔‘‘

(الجامع الصغیر، بحوالہ فوائد العراقیین، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ)

8000 سال کی عالمی تاریخ کے بہاؤ میں آج انسانیت جس کرب، دُکھ، احساسِ محرومی اور انسانیت کش جنگوں کے سائے میں کھڑی ہے، اس سانحہ کا سہرا ایک خودغرض، وحی بیزار، خدا بیزار اور انسان دشمن گروہ کے سر ہے۔ سیّدنا اِمام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے فرامین کے مطابق اس گروہ کا زوال (BEGINNING OF END) شروع ہو چکا ہے۔

ماہنامہ حکمت بالغہ کی

12 ویں خصوصی اشاعت

وسائلِ رزق پر قبضہ

اور ارتکازِ دولت کے شیطانی طریقے

بنی اسرائیل اور

یاجوج ماجوج

کا گٹھ جوڑ

اور بچاؤ کا راستہ

پیش خدمت ہے

قارئین کرام کی آراء اور تبصروں کا

شدت سے انتظار رہے گا

امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول
آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ

تقسیم دولت کا غیر منصفانہ نظام ایک دودھاری تلوار ہے جو معاشرے کو دونوں جانب سے کاٹتی ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں ایک جانب محدود طبقے میں دولت کا ارتکاز ہوجاتا ہے جس سے عیاشی اور بداخلاقی جنم لیتی ہے، اور دوسری جانب فقرواحتیاج کا دَوردَورہ ہوجاتا ہے جس سے انسان ڈھور ڈنگر کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔

(اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت اور موجودہ جاگیرداری
اور غیر حاضر زمینداری۔ تالیف: ڈاکٹر اسرار احمد)